فاروق العزیز

ایک غریب الدیار مسافر

ترتیب

ناشر

مولانا اشرف

ادارہ احیاء السنہ ملتان

دعوت کی مختصر تاریخ

قربانیوں کی سرگذشت، شجاعت و صبر کی وہ ناقابل فراموش یادداشت جس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں

مؤلف

عبید اللہ ملتانی

ناشر

مولانا اشرف الحق محمود

ادارہ احیاء السنۃ ملتان

اشاعت — پہلی بار

تعداد — یک ہزار

دلشاد حسین تحریر نمود

فہرست مضامین

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم

مہتمم المدرسۃ العربیہ اسلامیہ جامع المسجد نیوٹاؤن، کراچی

حامداً ومصلیاً ومسلماً

اما بعد، ہمارے مخلص محترم مولانا عبید اللہ صاحب کے جگر گوشہ دو بیٹوں نے جاں نثارانہ طور پر راہ حق کی خدمت میں زندگی کے چند لمحات گذارے، ہند و پاک کی سرزمین میں بادیہ نوردی کرتے ہوئے دیار غربت میں اپنی جان عزیز کو جان آفریں کے سپرد کیا، ان قرون اخیرہ میں جاں نثاران حق کی یادگار قائم کردی اور فدائیان ملت و دین کی یاد تازہ کردی،

والد محترم کے دل پر جو طبعی تاثرات و نقوش چھوڑ گئے تھے، آخر وہ ان کے قلم سے ایک کتاب کی صورت اختیار کر گئے، کتاب کیا ہے! ایک درد مند دل کے چند دینی تاثرات ہیں، اور ارباب حق کی خدمت دین، تبلیغ دین کے دیرپا نقوش ہیں جن کی یادگار نہ صرف صفحات تاریخ پر جلی حروف سے روشن ہے، بلکہ صفحات قلوب پر جلوہ آرا ہے، درحقیقت برادر موصوف نے اپنے دل کی الم ناکی کے ازالہ اور زخموں پر مرہم پٹی کرنے کے لیے ایک موثر تدبیر اختیار کی ہے جس سے بہتر قلب محزون کی تعزیت کی اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی تھی،

کتاب کا پہلا باب مصائب کے نتائج کے پس منظر پر مشتمل ہے جس میں

انتساب

تعلیم گاہوں اور کالج کے نوجوانوں

کے

نام

جن کی زندگیوں میں دینی انقلاب لانے کے لئے اُن کا
ایک ساتھی فکرمند ہوا، ایسا فکرمند ہوا کہ اپنی جان
اس مقصد رفیع کے لئے یہ کہتے ہوئے قربان کر دی:

دوستو! یہ دعوت کا کام
بہت ہی اونچا کام ہے۔

اس کتاب کو معنون کرتا ہوں، تاکہ وہ اس شہید
کے نقشِ قدم پر چل کر ابدی نعمتوں سے نوازے جائیں

خاکسار، **عبید اللہ ملتانی**

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء کراچی

عہد حاضر کے عقلاء و حکماء کے اقوال محنت سے جمع کر دیے گئے ہیں جو حوادث و مصائب کے منافع کی نشان دہی کرتے ہیں، دوسرے باب میں حقائق الٰہیہ کونیہ کے چند موثر نمونے پیش کیے گئے ہیں،

تیسرے باب میں دعوت ربانی کی تفصیل اور داعیانِ حق حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح و حضرت ابراہیم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعوت ربانیہ و تبلیغ دین کا موثر انداز میں خاکہ پیش کیا گیا ہے،

چوتھے باب میں خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا موثر نقشہ کھینچا گیا ہے،

بقیہ ابواب میں صحابہ و تابعین وغیرہ اہل حق کی تبلیغ و دعوت کے واقعات ہیں کتاب کا کچھ حصہ مسلسل اور کچھ جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا، اصل دینی روح کتاب کے ہر باب میں نمایاں ہے، طرز بیان موثر و شگفتہ ہے، زبان صاف و سلیس و ترتیب عمدہ ہے، اور مؤلف کتاب کے اخلاص و قلبی تاثرات کا آئینہ ہے،

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے، اور امت کے لئے نافع بنائے، آمین،

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

مدرسہ عربیہ جامع مسجد

نیوٹاؤن کراچی

۲۲ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ

جان کی قیمت ہے، عزیزم فاروق عزیز کی وفات پر غم ایک فطری تقاضا تھا، جو ہمیں
بھی ہوا اور اُن کے سب دوستوں کو بھی ہوا، زندگی جو اس دنیا میں وجود میں آتی ہے
اسے موت سے ہمکنار ہونا ہے، وہ زندگیاں جن کے پیش نظر ایک عزم تھے،
جن کے پیش نظر پاک مقاصد تھے، جو اخلاص و یقین کے نمونے بن گئے تھے، جنھوں نے
اللہ کے لیے گھروں کو چھوڑا، وطنوں کو چھوڑا، ماں کی محبت کو چھوڑا، بہن بھائیوں
کی جدائی کو گوارا کیا، جنھیں سفر میں کبھی آرام میسر نہ آیا، جنھوں نے نہ بچے کی
کی پرواہ کی، نہ اچھا پہننے کو ترجیح دی، جن کے چہروں سے تھکان کے آثار
ہمیشہ نمایاں رہے، جنھوں نے راتیں اس فکر میں رو رو کر گزار دیں کہ اگر یقین و ایمان
کا پاک جذبہ دنیا سے مٹ گیا تو کیا ہوگا!

یہ وہ داعیانِ حق ہیں جنھوں نے سرفروشی اور جاں نثاری کا نعرہ لگایا، اللہ سے
حق پرستی کے عہد کئے، اور پھر حق سے عشق و محبت کے پیمانِ وفا باندھے، انھوں
نے خود اپنے ایمان کا معیار بنایا کہ مومن وہ ہے جو دین کے لئے مٹ گیا ہو،

یقین و ایمان کی پختگی کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ جنگ
میں مصروف تھے، اُن کے چچیرے بھائی نے اُن کو یخنی لاکر دی کہ تھوڑی سی پی لو،
تاکہ پھر قوت کے ساتھ مقابلہ کرسکو، پیالہ ہاتھ میں لیا اور دو تین گھونٹ پی کر
پیالہ پھینک دیا کہ مجھے جلدی اپنے احباب سے ملنا ہے۔

کالج میں چھٹیوں کے دن تھے، عزیز شہید نے رات کو خواب دیکھا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات

موتیں ہوتی رہتی ہیں، دن رات ہوتی ہیں، بے مقصد اور بے قیمت، لیکن جن اموات کی پشت پر مقاصد اور قیمتیں ہوتی ہیں تاریخ اُن کو اپنے دامن میں محفوظ کرلیا کرتی ہے، وہ دن تاریخی اور قیمتی ہوجاتا ہے جس دن ایسی موت واقع ہوتی ہے،

۱۰ شوال المکرم ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۵۴ء

اس اعتبار سے اللہ کے ہاں قیمتی ہے کہ کالج کا ایک نوجوان بے یار و مددگار، غریب الوطنی کی حالت میں دین کا فکر پہلو میں لے کر داعی اجل کو لبیک کہتا ہے،

جس قدر اونچے مقصد کے لئے جان دی جاتی ہے اسی قدر اونچی اُس

کے ساتھ اس کی موت کی وابستگی اپنے اندر کیا حکمت رکھتی ہے، یہ موت تو ایسی موت نہیں کہ اس پر صرف آنسو بہائے جائیں، یہ تو ایک قابلِ رشک موت ہے، یہ تو ہزاروں نوجوانوں کو دین کے لئے کھڑا کرنے والی ہے،

میں نے سوچا تھا کہ فاروق عزیزؔ کی زندگی کے کچھ حالات، دینی مسائل اور کچھ خطوط جو انھوں نے ہمیں اور اپنے دوستوں کو لکھے ہیں ایک جگہ جمع کر دوں، مگر کوشش کے باوجود دو ماہ تک لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا، کچھ تو صدمہ کے تازہ اثرات تھے، اور پھر کم علمی اس راہ میں قلم اٹھانے سے مانع تھی، اور جب یہ خیال آتا تھا کہ اصل چیز عمل ہے اور میں اس سے تہی دست ہوں تو رک جاتا تھا، جب چند دوستوں کے سامنے یہ بات آئی تو انھوں نے تائید کی، ممکن ہو کہ اس ارادہ کی عملی صورت کئی نوجوانوں کو دین کی راہ پر لگا دے، اور اس سے فاروق عزیزؔ کی رُوح خوش ہو، اور اُن کے درجات بلند ہوں، اسی نیت سے یہ اوراق لکھنے شروع کئے تھے جو دعوت و قربانی کی ایک مختصر تاریخ کی شکل میں مرتب ہو گئے، اگر اللہ ربُّ العزت کی تائید و نصرت شاملِ حال نہ ہوتی، تو میں اس قابل نہ تھا کہ اس اہم اور اونچے موضوع پر قلم بھی اٹھا سکوں،

اے میرے قیوم و حکیم خدا اس سعی ناتمام کو قبول فرما۔

عاجز

عُبیدُ اللہ عفا اللہ عنہ

کراچی ۱۵ صفر المظفر ۱۳۸۸ھ

اور صبح اپنی والدہ کو سنایا کہ،

"امّاں، گذشتہ شب میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے سمندر
کے کنارے کھڑے ہو کر دعوت دے رہا ہوں، لوگ خوب میری بات
سن رہے ہیں، امّی! آج رات اللہ تعالیٰ نے بہت ہی پُر مسرت
خواب دکھایا ہے۔"

والدہ کہتی ہیں، فاروق: تمھیں ہر وقت دعوت و تبلیغ کا فکر ہے، اللہ تعالیٰ
یہ خیالات مبارک کرے،

بوقت روانگی نظام الدین اولیاء دہلی اللہ نے کہا بیٹا، "تم کچھ دن میرے پاس رہو" تاکہ میں تمھاری
خدمت کروں، تو جواب دیا کہ "امّاں اس گوشت اور پوست کی خدمت کروگی جو فنا
ہونے والی شے ہے، مجھے دین کی خدمت کے لئے جانے دیجئے" دوستو! ورد یعت
ایمانی کا یہ وہ مقام ہے جو عین بصارت سے بالاتر ہو،

نظام الدین (دہلی) سے واپسی کے بعد دل ودماغ پر غم کے بادل چھا گئے ہوئے
تھے، وہ تمنائیں اور آرزوئیں، جو ایک باپ کو اپنے نوجوان فرزند سے وابستہ ہوتی
ہیں رہ رہ کر یاد آتی تھیں، کبھی اس کی اس حالت میں موت کہ اپنا کوئی پاس نہ تھا،
خون کے آنسو رلاتا تھا، ہر چند دل کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا مگر بے سود
اس حالت میں بمشکل لاہور پہنچا، راستے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال دل میں ڈالا کہ
فاروق عزیزؒ نے تو ایک اونچے مقصد کے لئے جان دی ہے، نہ معلوم نظام الدینؒ

"اے اللہ تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے، اور میرا کلام سن رہا ہے، میرے ظاہر و نہاں کو خوب جانتا ہے، میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں، میں تو کانپنے والا ڈرنے والا ہوں، میں اپنی کمزوری کا اقرار واعتراف کرتا ہوں، میں تو فریادی ہوں اور پناہ کا خواہاں ہوں، تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں، گناہگار ذلیل کی طرح تیرے سامنے گڑگڑا رہا ہوں، خوف زدہ نابینا کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں، میری پکار اس شخص کی سی ہو جس کی گردن نیچی ہو، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، جسم جھک گیا ہو، اور ناک زمین پر رگڑ رہا ہو،

اے معتبر! مجھے محروم نہ رکھنا، میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا، اے اللہ تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے، تو سب سے بڑھ کر جود و عطا کرنے والا ہے"

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَرٰى مَكَانِيْ وَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَ
تَعْلَمُ سِرِّيْ وَ عَلَانِيَتِيْ وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ
شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ وَ اَنَا الرَّجُلُ الشَّيْخُ
الْفَقِيْرُ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ وَ اَنَا الْمُسْتَغِيْثُ
الْمُسْتَجِيْرُ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ
وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ
وَ اَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ
مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَ فَاضَتْ لَكَ
عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ
اَنْفُهٗ اَنْ لَّا تَجْعَلَنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا
وَكُنْ بِيْ رَءُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ
وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ ۝

خلیفہ کے دل سے محو ہونے لگی،

جب اس کے اثرات پوری سلطنت پر پڑنے لگے، تو کوفہ کی مسجد سے ہدایت کا چشمہ پھوٹا، حضرت سفیان ثوریؒ ظاہر ہوئے، تاریکی کے اس دور میں دعوت کی شمع جب اُن کے ہاتھ سے روشن ہوئی، تو دور دور تک اس کی روشنی پھیلی، اُن کی تعلیم، ہدایت سے ہزاروں داعی ملک کے اطراف واکناف میں دین کی اشاعت کا فرض سرانجام دینے لگے،

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ کوفہ کی مسجد میں لوگوں کو خطاب فرما رہے تھے، ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ مسجد کا کوئی گوشہ خالی نہ تھا، اتنے میں ہارون رشید کے قاصد نے خط لاکر پیش کیا، جس میں لکھا تھا کہ میں تخت نشینی کی خوشی میں بے شمار مال و دولت لوگوں میں تقسیم کر رہا ہوں، تم بھی مجھ سے آکر ملو، آپ نے یہ خط لینے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہو، سفیان اسے نہیں چھو سکتا، جب پڑھ کر سنایا گیا تو اس کی پشت پر یہ جواب لکھوایا،

"خدا کے مغرور بندے ہارون کو جس کا ذوقِ ایمان سلب ہو چکا ہو، معلوم ہو کہ تو نے قوم کا مال بلا کسی حق کے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں لگایا،

اے ہارون! تو نے حق وانصاف سے کنارہ کیا، اللہ کے پاس اس کی جوابدہی کا انتظار کر: تیرے حاکم بندگانِ خدا کو ظلم وجور سے پامال

افتتاحیہ

ظلمت وگمراہی کے سیلاب ہر دور میں آتے رہے، اس کے ساتھ ساتھ رشد وہدایت کے چشمے بھی پھوٹتے رہے،

تاتاری فتنہ کی آخری وحشتناکی عباسی خلافت کے خاتمہ پر منتج ہوئی، انسانی بربریت کا کوئی آنکھ اس سے زیادہ کیا تماشہ دیکھے گی جو بغداد کی گلیوں نے پیش کیا،

معصیت وہلاکت کے اس دور میں جب ایمان متزلزل ہونے لگا، تو اس متاع کے تحفظ کے لئے حضرت شیخ الاسلام امام احمد بن تیمیہ میدان میں آئے آپ کی دعوت نے جہاں عوام کو متاثر کیا وہاں وقت کے سفاک آیا قاآن و منکو خان کو بر سر دربار جا کر فہمائش کی، آپ کی ان مساعی کا یہ نتیجہ تھا کہ شمس الدین تتاری جیسے مجاہدین کے تحفظ پہ کمربستہ ہوگئے،

ہارون رشید کا دور ایک شخصی دور حکومت تھا، جب اسلام کی عظمت

لگادیں، یہ اسی کے اثرات تھے کہ جلال الدین کی حکومت ملک کے اندر تک محدود تھی، مگر سرہند کے اس درویش کا حلقہ ہندوستان سے نکل کر عرب، شام، عراق اور روم تک پھیل گیا، مغل بادشاہ کی سلطنت کا چراغ ایک فانی چراغ تھا جو بجھ گیا، لیکن اس فقیر بے نوا کا عمل آج بھی زندہ ہے ۔

حضرت مجدد کے ایک صدی بعد مسلمانانِ ہند پر نکبت کا وہ دور بھی آیا کہ ایک ہزار سالہ اسلامی سلطنت کا چراغ بجھ رہا ہے، اور دنیاوی اقتدار چھینا جارہا ہے، دین سے مایوسی وانحراف کا طوفان بپا ہے، اس وقت ایک بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث کا دل درد سے بھر آیا، آپ نے پورے انہماک کے ساتھ کام شروع کیا، اور ان تمام فتنوں اور گمراہیوں کا قلع قمع کیا، جو ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، آپ کا قرآن پاک کا فارسی ترجمہ ایک ایسا کارنامہ ثابت ہوا، کہ جس نے مسلمانوں پر غور وفکر کے دروازے کھول دیئے، نیز آپ کے چاروں صاحبزادے اپنے علم وفضل، تقویٰ واخلاص، اور عمدہ سیرت کے سبب دین کی آبیاری کے لئے وہ کام کر گئے کہ اس کے ثمرات ہمیشہ باقی رہیں گے،

انیسویں صدی عیسوی کا ابتدائی دور مسلمانوں کے دین وایمان کی آزمائش کا دور تھا کہ حضرت اسماعیل شہید اور سید احمد شہید بریلوی اٹھ کھڑے ہوئے، اس وقت کیفیت یہ تھی کہ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو ان کے پاک جذبہ سے متاثر نظر نہ آتا ہو، یہ جذبہ ملک ومال یا دنیوی اغراض کے لئے نہ تھا، بلکہ خالص

کر رہے ہیں، اور تو تختِ شاہی پر عشرت کر رہا ہے۔"

ہارون نے جب یہ خط پڑھا، تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے، اور بے اختیار رونے لگا
اور کہا، یہ خط ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا،

سفیان ثوریؒ کی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ ہر شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کو اپنا قومی شعار سمجھنے لگا، لوگ بر سرِ دربار پکار پکار کر یہ کہتے تھے، یا ظالم : أنا ظا
إن لم أقل لك یا ظالم،

بغداد میں جب فسق کی ہوائیں چلیں، تو مالک بن دینارؒ رشد کا مینار
بن گئے، بصرہ کی جامع مسجد ان کی دعوت و تبلیغ کا مرکز تھی، بادشاہوں کے دل
اُن کے کلمۂ حق سے کانپتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ۔

"ان کو خدا نے اپنے بندوں کا چرواہا بنایا تھا، تاکہ یہ اُن کی رکھوالی
کریں، مگر انھوں نے بکریوں کا گوشت کھا لیا، اور بالوں کا کپڑا
بُن کر پہن لیا، اور صرف ہڈیاں چھوڑ دیں "

عہدِ مغلیہ میں جب دنیا پرستی نے کفر و الحاد کے فتنہ کو جنم دیا، رب کعبہ کے
پرستاروں کو جب سورج پرستی کا درس دیا جانے لگا، اکبر کو جب اپنی سلطنت
استحکام لادینی میں نظر آیا، تو اس گمراہی کے سیلاب کو حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی
نے آکر روکا، یہ آپ کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے ہزاروں تربیت یافت
عقیدتمند دین کے احیاء کے لئے کھڑے ہو گئے، اپنے اموال اور اپنی جانیں اس

نظریات وحی والہام کا درجہ حاصل کرنے لگے، قرآن و سنت کی وقعت کم ہونے لگی، اوامر کا استہزاء ہونے لگا، نظریں مادیت پر جم گئیں، روحانی اقدار ناپید ہونے لگے تو حق تعالیٰ نے کئی برگزیدہ ہستیوں سے اپنے دین کا کام لیا، جنہوں نے نہ صرف اسلامی علوم کی خدمت کی، بلکہ عملی طور پر اس دور کے ہر اس فتنہ کو رد کیا جس کی زد مسلمانوں کے عقائد و اعمال پر پڑنے والی تھی، اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں اُن ہستیوں پر جو دین کی آبیاری کر گئے، اور اس وقت بھی یہ فرض سرانجام دے رہی ہیں

ان بزرگواروں میں سے ایک شخصیت حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اس پُر آشوب دور میں کھڑا کیا،

آپ مدینہ طیبہ میں تھے، کہ خواب میں آپ سے کہا گیا۔

"آپ سے دین کی خدمت کا کام لیا جائے گا"

اس خواب سے آپ بہت فکرمند ہوئے، کہ میں ایک ضعیف و کمزور انسان ہوں، اعضاء مضمحل، زبان پوری قوت گویائی سے قاصر، کام کی عظمت و خدمت کا تصور آپ کو لرزہ بر اندام کر رہا تھا، آپ کو بے چین دیکھ کر ایک بزرگ نے کہا "آپ اس قدر فکرمند کیوں ہیں، کام لینے والا خود کام لے گا"، لیکن اس کے بعد بھی اپنی کیفیت ضعف کا آپ ان الفاظ میں اظہار فرماتے تھے۔

"بندۂ ناچیز کو اہل حق کے سامنے اپنے ضعف اور ہر طرح کی کمزوریوں کی بنا پر نہایت ندامت نظر آ رہا ہے کہ

فی سبیل اللہ تھا، اس ساری تحریک میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا کہ اُن کے جیوش کسی علاقہ سے گذرے ہوں، اور اُن کے ہاتھ سے کسی کو ضرر پہنچا ہو وہ جہاں سے گذرے ایک مصلح کی حیثیت سے گذرے، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے گذرے، یہ وہ دعوت و تبلیغ کے پیکر تھے، کہ اللہ کے دین کا استحکام اُن کی قربانیوں سے ہوا، اور اُن کی جانیں اللہ کے راستہ میں کام آئیں،

دعوت و قربانی کی یہ صدائیں کبھی بھی نئی نہیں ہوئیں، بلکہ دنیا کی ہی سب سے زیادہ پُرانی چیز ہے، البتہ جب بھی یہ دینی داعیاد کا ظہور ہوا تو قلوب مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ غیب سے ہدایت کے تکرار اور اعادہ و تجدید کا سامان فرماتے رہے ہیں اور یہی نئی چیز ہے جو محض اُس کے فضل پر موقوف ہے،

وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ	اور جس وقت قرآن کی کوئی سورت نازل
فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ	کی جاتی ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس
اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ	بیان کے اترنے سے تمہارا کونسا ایمان بڑھ گیا!
اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ	لیکن یہ نہیں جانتے کہ جو لوگ ایمان لے آئے
اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا	ہیں اُن کا ایمان تو واقعی بڑھ گیا، اور وہ اس کی
وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ،	خوشی محسوس کر رہے ہیں،

انگریزی دورِ حکومت آیا تو اپنے ساتھ تہذیب و اقتدار اور نئے علوم کے خاکے لایا، جن کے اثرات نے ذہن و قلب کو اس درجہ متاثر کیا کہ انسانی

فرماتے ہیں کہ انسان کے جملہ اعمال کی مثال جہاد کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ، اور جہاد بالسیف کا عمل انبیاء والے عمل کے مقابلے میں ایسا ہو جس طرح سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔

اللہ کے راستے میں تلوار لے کر نکلنے والا دین کی خاطر ایک وقتی صعوبت اپنی جان پر جھیل کر شہادت کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے، لیکن انبیاء کی مشابہت والے عمل میں جب ایک داعی تمام حوائج کو، اپنی تمام توتوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، تو اس کا ایک ایک عضو، اور جسم کا ایک ایک رُواں فکر، درد، کرب، بے چینی کی نہ معلوم کتنی کروٹیں لیتا ہے، نیز اس اعتبار سے اس کا درجہ اور بڑھ جاتا ہے کہ نہ معلوم اس کے اس عمل سے کتنوں کو ہدایت کا راستہ مل گیا، نہ معلوم کتنے عرصہ تک رشد و قربانی کا چشمہ دلوں کی پیاسی زمین کو سیراب کرتا رہے گا،

دنیا پر آفات اور بلایا کے نزول کو آپ کی بصیرت مند آنکھ اس طرح محسوس کرتی ہے، فرماتے ہیں،

"دوستو! اللہ تعالیٰ اس وقت کمال قہر اور غضب کے ساتھ مخلوق کے ساتھ ارادہ کئے ہوئے ہیں، اس قہر کی آگ کا پانی اس تحریک کے سوا ہرگز کچھ نہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی ساری پریشانیوں کے دفعیہ

اس حق بات کو پبلک کے سامنے کس قوت سے اٹھا
کر سکوں، دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں ہمارے حوالے
نہ کریں، بلکہ خود ہی اس حق کو علماً اور عملاً کھولنے میں
ہماری مدد اور کارسازی فرمادیں"

ظلمت وعدوان سے فضائیں معمور ہیں، لیکن اس تحریک دین کے متعلق
کے یقین کی کیفیت کا یہ عالم ہے، فرماتے ہیں،

"فتن مظلم ایمان سوز، جذبات کش کی رفتار ڈاک گاڑی
سے بھی زیادہ تیز ہے، اور اس کے مقابل جو حقیقت
میں یہی ایک اسکیم ہے، اور ظلمت کو نور سے بدلنے
والی ہو، اس کی رفتار کیڑی سے بھی زیادہ ضعیف ہو،
فتنہ کی روانی کو دیکھ کر یہ مقداریں کچھ پیاس کے بجھانے
کے لئے کافی نہیں ہیں، بہرحال ایسے فتنہ کے زمانہ
میں مشغول رہنے کے لئے ترقی درجات اور قرب خدا وندی
اور خوشنودی ایزدی کی اتنی ہی زیادہ اُمیدیں ہیں کہ
جس قدر فتن میں اظلام اور ادلہام ہیں"

دراصل دعوت کا طریق انبیاء کے عمل کی مشابہت کا کام ہے، اور
انبیاء کا یہ عمل عالم کے تمام اعمال سے افضل ہو، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

عراق میں، کوئی امریکہ میں ہے تو کوئی ہندوستان میں،
اور کتنی جذبات روح کی تبلیغ سے ایسے سرشار بھی نظر آتے
ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا رواج ڈال گئے،
آج یہ دونوں پہلو آنکھوں کے سامنے ہیں، جب ایک
سترہ سالہ نوعمر بچے کی زندگی اس میدان میں آتی ہے،
تو ایک قابلِ رشک زندگی بن جاتی ہے، اور اس راستہ
میں جب موت کی آغوش میں جاتی ہے تو قابلِ رشک
موت کہلاتی ہے"

دعوت کی اس مختصر تاریخ کا آغاز اب انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے
شروع ہو کر اس غریب الدیار مبلغ کی شہادت پر ختم ہوگا، یہ سطور ایک تمہید
تھیں، تاکہ آئندہ صفحات کا مضمون سمجھ میں آسکے،

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے بیان سے قبل انسانی علوم، انسانی
تہذیب، و مادی تعلیم پر مدلل بحث ہو جو اس سلسلہ کی اہم کڑی ہے،

(مؤلف)

اور علاج کے اس میں مضمر ہونے کو اس وقت لوگوں
کے سامنے کس طرح کھولوں "

یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اُس وقت کا اضطراب تھا یا بے چینی جس نے
آج اُمت پر کام کا انشراح فرما دیا، اور تبلیغ کی دونوں صفتوں کا ظہور ہونے لگا
جس کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے،

"تبلیغ صرف دو امر کی ہے، ایک مادی اور دوسری روحانی
مادی: جوارح سے تعلق رکھنے والی ہے، اور وہ یہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں کو پھیلانے
کے لئے ملک بہ ملک اور اقلیم بہ اقلیم پھرنے کی سنت
کو زندہ کر کے فروغ دینا اور پائیدار کرنا ہے، روحانی سے
مراد جذبات رُوح کی تبلیغ کہ حق تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا
رواج پڑ جائے، فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا
فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا،

پھر جماعتیں مادی جوارح کو لے کر ملک بہ ملک اور
اقلیم بہ اقلیم پھر رہی ہیں، کوئی شام میں ہے، تو کوئی

بابِ اوّل

۱۔ فہم و فکر

۲۔ انسانی نظریات اور مفکّر

روئے کشادہ اور پیشانی فراخ
آنکھوں کو لگائے یہ اثر سے زندہ

۲۔ کون خالق ؟

فہم نے آگے بڑھ کر کہا، فکر کر،
فکر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ حقائق کا انکار کرے،

وہ پکاری،

اَلْعَالَمُ مَصْنُوْعٌ — عالم ایک کاریگری کا نقشہ ہے،
وَلِكُلِّ مَصْنُوْعٍ صَانِعٌ — ہر صنعت کے لئے ایک کاریگر ہوتا ہے،
وَالْعَالَمِ صَانِعٌ — دنیا کا بھی کوئی بنانے والا ہے،

مفکر کا اضطراب بڑھ رہا تھا، کہ اس صانع کے نام کا کیا تعین کرے

دفعۃً وحی الٰہی نے ندا دی،

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

(سورۂ حشر)

فہم و فکر

فہم و فکر ایک انعام تھا، جس نے بے چین انسان کو چین کی راہ دکھائی اور مضطرب دل کو اطمینان سے نوازا،

مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور
بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایک بھٹکا ہوا راہی کائناتِ عالم پر جب نگاہ ڈالتا ہے تو یہ سوال اس کے ذہن میں آتے ہیں،

ا ۔ یہ عالم کیا ہے ؟

ب ۔ کیسے وجود میں آیا ؟

ج ۔ اس عالم کے اندر نظر آنے والی اشیاء کہاں سے آئیں !

ا ۔ خود بخود ؟ یا

اور اپنی ہر بات میں اگوستے اور کانٹ کا استدلال پیش کرتے تھے، اس نے ان سب کو مخاطب ہو کر کہا، اے گبن اور ہیوم کی رائے کو آخری رائے سمجھنے والو! اور کارڈ کی تحقیق کا سہارا لینے والو! میری ایک بات سنتے جاؤ، میرا مطالعہ یہ ہے کہ آج تک ہزارہا مسئلوں سے آپ کے فلاسفر رجوع کر چکے ہیں، اور ان کی صدہا تحقیقیں یا غلط ثابت ہو چکی ہیں، جن حکماء، فلاسفر، ریفارمر اور سائنس دانوں پر تم ایمان لائے ہو، اُن کے پاس قیاس ہے، اندازہ ہے، ظن ہے، جانچ ہے، جس کا غلط ہو جانا ممکن ہے،

آؤ! ایسی ہستی کی تلاش کریں جس کے پاس مشاہدہ اور عین الیقین ہو؟

آواز آئی، اے مفکر! تیرا فکر صحیح ہے،

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ "یہ فلاسفر صرف اٹکل کی پیروی کرتے ہیں، اُن کو صحیح علم نہیں ہے،

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔

"صحیح علم نہ ان حکماء یورپ کے پاس ہے، نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا، باوجود اس جہالت کے منہ سے بڑی باتیں کہتے ہیں، جو سوائے جھوٹی باتوں کے اور کچھ نہیں"

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ،

انسانی نظریات اور مفکر

مفکر نے انسانی نظریات کو کھنگالنا شروع کیا، اس کے سامنے کئی فلسفے پڑے ہوئے تھے، اور بے شمار تھیوریاں، اس نے یونان کے فلسفہ کو دیکھا روما کے فلسفہ کو پڑھا، یورپ کی کتب فلاسفہ کا ایک انبار تھا جو اس کے سامنے تھا، کئی تھیوریاں اس کی نظر سے گذر چکی تھیں، اب وہ تھک گیا تھا یہ خیال کر اب تسکین کی خوشبو اس کا دماغ معطر کردے گی، کئی اور نظریات کے مطالعہ میں منہمک ہو گیا، مگر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اس نے یہ محسوس کیا کہ ابتداء میں جس مسئلہ کے متعلق کوئی رائے قائم کی گئی ہے، تو آگے چل کر اس رائے کو غلط قرار دیا جا رہا ہے

اکثر ملحدین کی ایسی تحریریں اس کی نظر سے گذریں کہ مرتے وقت اپنے خیالات سے منحرف ہو رہے ہیں، نطشے، ڈارون، برنارڈ شا کو بھی دیکھا، دیگر حکماء کا بھی مطالعہ کیا، اور اسے حق و مشاہدہ کی دولت کہیں سے ہاتھ نہ آئی، اس بازار میں اسے ظن و تخمین کے خریدار بہت ملے جو ان ظنون فاسدہ پر ایمان لائے تھے، جنھوں نے ان انسانی اندازوں کو حقیقت تصور کر لیا تھا،

کا اظہار کرتا ہے، یہ اس کا ظن اور قیاس ہے،

ایک اور مشہور سائنس داں ایڈنگٹن EDDINGTON کو بالآخر یہ
اعلان کرنا پڑا کہ حقیقت انسان کی دسترس سے باہر ہے، یہ اس لیے ہے کہ
جب ایک مسئلہ کے متعلق کئی دماغ سوچتے ہیں تو ہر دماغ ایک جداگانہ
نظریہ کا حامل ہوتا ہے، مثلاً کل تک ہم سائنس داں انسان کو مٹی کا کھلونا
سمجھتے رہے ہیں، اور کہتے رہے ہیں کہ حیات LIFE اور توانائی ENERGY
اس مٹی کے کھلونے کو نچا رہی ہے، فکر ان کے نزدیک مادی دماغ کے عمل کا
نتیجہ تھا، مگر آج حیات LIFE اور توانائی ENERGY جداگانہ عناصر مانے جاتے
ہیں، کل تک روح ایک وہمی خیال تھا، مگر آج دلیل و فکر کو نفس MIND کا
نتیجہ سمجھا جا رہا ہے،

فکر کا مطالعہ دلچسپ تھا، علماء سائنس کی نشست کی مثال نفسیات کی
کانفرنس کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے کہا کہ اس کانفرنس میں فرائڈ FREUD
نے اہم حصہ لیا تھا، نفسیات کے متعلق ان کا نظریہ نفسیاتی تجزیہ PSYCHO ANALYSIS
کے نام سے مشہور ہے، شروع شروع میں ان کے نظریے کی بہت شہرت
ہوئی، لیکن بہت جلد یہ انسانی مفروضہ بھی اختلاف کی آماجگاہ بن گیا،
الفریڈ ایڈلر ALFRED ADLER نے اس کے مقابلہ میں انفرادی نفسیات
INDIVIDUAL PSYCHOLOGY کا تخیل پیش کیا، اور ژونگ JUNG نے

"یہ دریفارمر، سوائے عقل اور اپنے غلط نظریوں کے کسی
دوسری چیز کی پیروی نہیں کرتے"

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَ
السَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ،

"دونوں جماعتوں (یعنی انبیاء اور فلاسفر) کی مثال ایسی ہے
کہ ایک طرف اندھے اور بہرے ہیں اور دوسری طرف
آنکھوں اور کانوں والے ہیں، کیا یہ دونوں جماعتیں برابر
ہو سکتی ہیں، پھر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ صحیح بات پر غور
نہیں کرتے"

سقراط، افلاطون اور ہومر جوں یا کارڈ کانٹ یا کانٹے یہ ظنیات کے
امام تو کہلا سکتے ہیں، لیکن اذعان و یقین تو انبیاء علیہم السلام ہی لے کر
آتے ہیں، اس لئے کہ انسانی دماغ کے اختراع کئے ہوئے اصول اور نظریے
ضروری نہیں کہ حقیقت و صداقت کا درجہ حاصل کر سکیں، اگر انسان
ارادۃً خطاکاری کا مرتکب نہ ہو تو بھی غلطی اور کم فہمی کا امکان موجود ہے،
اس بناء پر افلاطون PLATO کو یہ الفاظ کہنے پڑے،

"حقیقت تک انسان کی فہم کی رسائی ناممکن ہے،
انسان واقعات اور تغیرات عالم کے متعلق جن خیالات"

FEELING اصل چیز ہیں، دوسرا صرف اعداد و وجود اور مقدار کا قائل ہے، ایک صداقت، حقیقت اور محبت کو تسلیم ہی نہیں کرتا، اور دوسرا اپنی کتاب THE HUMAN SITUATION میں لکھتا ہو کہ صداقت کی تلاش فکر اور احساس دونوں سے کرنی چاہیے،

ڈکسن DIXON اپنی اس کتاب میں آگے چل کر یہ بھی لکھتا ہو کہ جن باتوں کا تعلق روح SPIRIT سے ہے، ان کو روحانی طریقوں سے جانچنا چاہیے، ڈکسن DIXON موجودہ زندگی کو قابل اعتبار نہیں سمجھتا، وہ کہتا ہو کہ نا قابل اعتبار INCREDIBLE ہو، اور کہتا ہے کہ اس زندگی کے بعد جو دوسری زندگی آنے والی ہو وہ قابل اعتبار CREDIBLE ہے،

مادہ پرستی کی بنیاد اس وقت پڑی جب علمائے سائنس نے یہ کہا کہ مفرد کا ذرہ لاتجزی بلحاظ جسم الگ بھی ہے، وہ قابل فنا بھی ہے، لیکن اس پر بھی وہ قائم نہ رہ سکے، اور پھر کہنے لگے جو ATOM کا تجزیہ ہو گیا، پھر مادہ اور برق کو ایک چیز کہنے لگے، لیکن جب برق کی ایک صفت لہر کو مانا تو وہ غیر مادی نکلی، یہاں پھر ذہن رک گئے، سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ مادہ حرکت میں ہے، مگر جب یہ پوچھا جائے کہ کیوں؟ تو سائنس کا دماغ ساکت ہو جاتا ہے، اسی لئے افلاطون PLATO کو کہنا پڑا کہ

"حقیقت مادہ سائنس کی دسترس سے باہر ہے"

صراحتِ نفسیات پر ANALYTICALAL PSYCHOLOGY پر کتاب لکھ ڈالی،
صرف مسئلہ نفسیات پر علمائے فلاسفہ اور سائنس کا اگر اختلاف رائے پیش
کیا جائے، تو اس کے لئے ایک علٰحدہ کتاب مرتب ہو جائے، اختلاف کی اس
دنیا میں عقل انسان حیران ہے کہ کس کی رائے کو وقیع قرار دے،
اور دیکھئے گلیلو GALILLEO موجودہ نیچرل سائنس کا بانی مانا جاتا ہے، اشیاء
کی حقیقی PRIMARY صفت QUANTITY مقدار کو مانتا ہے، لیکن دوسرے
علماء فلسفہ اس سے اتفاق نہیں کرتے، وہ اشیاء کی مقداری اور صفاتی
دونوں خاصیتیں تسلیم کرتے ہیں،
سترھویں صدی عیسوی میں تاریخ نیوٹن NEWTON کے علم ذہانت کا
ڈنکا بجاتی ہے، حکومتِ وقت دنیا کے اس ہیرو کو سر کا خطاب دیتی ہے،
یہ کششِ ثقل GRAVITATION کا نظریہ پیش کرتا ہے، لیکن دو سو برس کے
بعد اینسٹائن EINSTEIN کششِ ثقل بذریعہ تناسب ماحول کا جب نظریہ
پیش کرتا ہے تو نیوٹن NEWTON کا تجربۂ علمی ہیچ ہو جاتا ہے، دو سو برس تک
دنیا نیوٹن کے نظریئے کی صداقت پر گواہ بنی رہی، لیکن انسٹائن کا جب نظریہ
آیا تو اول الذکر کی صداقتیں اوہام بن گئیں،
آگے آئیے جنھوں نے ڈکسن DIXON اور ہیوم HUME کے خیالات
پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک کے نزدیک فکر REASON اور احساس

نہ پیچھے دیکھ سکیں، بس ایک ہی سمت ان کی نگاہ کام کر سکے
غار کا راستہ اُن کی پشت کی جانب ہو، اور وہاں سے
روشنی آرہی ہو، یہ لوگ صرف ان چیزوں کی پرچھائیوں
کو غار کے اندر دیکھ رہے ہوں جو اُن کی پس پشت گذر رہی
ہیں، اور باہر کی روشنی کی وجہ سے اُن کی پرچھائیں غار کے
اندر پڑ رہی ہیں، اور یہ لوگ ان چیزوں کی حقیقت کے
بارے میں قیاس اور اندازہ کر رہے ہوں"

یہ حال افلاطون کا تھا، لیکن آپ کا ذہن قیاس کو حقیقت سمجھ رہا ہے،
اور مفکر اگر آپ سے یہ سوال کرے کہ فلسفہ کی بنیاد کیسے پڑی، تو شاید آپ یہ بھی
نہ بتا سکیں، اگر اتنا علم عام ہو جائے تو لوگ وحی اور الہام کی بات بھی سننا گوارا
کرلیں،

MYTHOLOGY کا لفظ آپ نے غالباً سنا ہوگا، اس کے معنی
ڈکشنری میں دیکھ لیجیے، "اوہام پرستی"

اوہام پرستی وہ اصل ہے جس سے فلسفہ نمودار ہوا،

اور یہ علوم،

۱. علم کیمسٹری CHEMISTRY مادہ کی کیمیائی ترکیب کا علم،
۲. جی آلوجی GEOLOGY زمین کی ساخت کا علم،

انسان کا علم اکتسابی اور سطحی ہو، فلاسفر آج تک اس عالم کا نام تجویز نہیں کر سکے، پہلے کہتے تھے کہ یہ فضا SPACE ہے، لیکن اب اس کا نام چہار جہتی تسلسل فضا FOUR DIMENTIONAL SPACE TIME CONTINUUM رکھا ہے، کل نہ معلوم اس کو کیا بتائیں،

اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان نے شعوری طور پر کچھ ترقی کی ہے اور کچھ ایجادات بھی کی ہیں، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں لیا جا سکتا کہ سائنس نے حقیقت کل کا سراغ پا لیا ہے، اور جو کچھ ہے یہی سائنس اور فلسفہ ہے، انگریزی کی ایف، اے یا بی، اے پاس کر لینے کے بعد ہمیں اپنے متعلق یہ غلط فہمی بھی ہو جاتی ہے کہ ہم نے پورے علوم پر عبور حاصل کر لیا ہے، تمام حقیقتیں ہمارے سامنے آگئی ہیں، سائنس اور فلسفہ ہمارے امام ہیں جو یہ کہیں، بس وہی تسلیم کرو،

آپ نے افلاطون PLATO کو پڑھا ہے؟ اور اس کی کتاب جمہوریت REPUBLIC دیکھی ہے؟ وہ انسان کی بے چارگی اور بے بسی پر آنسو بہاتے ہوئے لکھتا ہے،

"دوستو! اس دنیا میں انسان کی بود و باش اور اس کا علم کیا ہے؟ جیسے ایک غار میں انسان مقید ہوں، لوگوں کی نگاہیں اس غار میں نہ دائیں اٹھ سکیں، نہ بائیں اور

اس کتاب کا ایک اقتباس مل کر پڑھیں، سنئے، وہ لکھتے ہیں،

"میں تحقیقات سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دنیا کی زندگی

انسان کے عقل اور شعور کو پرورش کرتی ہے۔ انسان کے

تجربات اس کی آئندہ ترقیوں کے لئے بہت کام آتے ہیں

ہیں، موت ایک ایسی کایا پلٹ ہے جس سے انسان کا

مستقل وجود مادی اور روحانی جسم سے جدا ہو جاتا ہے۔"

موت کے بعد کی ترقیات اور انسان کا مستقبل وجود کیا چیز نہیں ہیں !

ایک بہت بڑا سائنس داں ہماری توجہ ان باتوں کی طرف کیوں مبذول کراتا ہے؟

جب انسان کا ذہن فکر کی آخری سرحدوں کو پھاند چکتا ہے تو پھر فطری صداقتوں

کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کا قلم جو پہلے ظن و تخمین کی کنکریوں کے ساتھ کھیلتا

تھا، اب حقیقت کے موتی بکھیرتا ہے، کاش! دل اب بھی موت کے بعد

والی ترقیات پر یقین کرتے، اور مادی دلدلوں سے نکل کر صداقت کی

آواز سنتے،

اور دیکھئے، سر جیمس جین SIR QAMES GEANS کو کون نہیں

جانتا، اس سائنسداں نے اپنی تمام زندگی کائنات کے مطالعہ میں صرف

کر دی، اور بالآخر آنے والی نسلوں کے لئے اپنے فکر و تجربہ سے جس نتیجہ پر پہنچا،

اس کا اعلان ان الفاظ میں کرتا ہے،

۳۔ بائی آلوجی BIOLOGY علم حیات ،

۴۔ زوآلوجی ZOOLOGY علم حیوانات ،

۵۔ سائیکالوجی PSYCHOLOGY علم نفسیات

۶۔ بوٹینی BOTANY علم نباتات ،

۷۔ ہیئت ASTRONOMY عالم فلکیات و اجرام فلکی

ٹھوس معلومات کی بنا پر کھائے علوم اگرچہ متعلق ہیں، لیکن ہمارے معلومات کا دائرہ اتنا تنگ ہے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ جنھوں نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہو کہ ہماری تحقیق غلطی، تغیر اور خطا سے مبرا ہے۔ تو پھر ان صاحب کو سائنس اور فلسفہ کے خیال کو آخری خیال ماننے والوں کے متعلق کہنا پڑے گا کہ یہ مادیت کی دلدل میں پھنس گئے ہیں، اگر انھوں نے اپنے دوست ۔۔ ڈاکٹر کارل DR CARROL کی کتاب MAN THE UNKNOWN تصنیف کردہ دیکھی ہوتی اور اس تحقیقات کا جائزہ لیا ہوتا جس نے ان تھکے ذہنی کاوشوں کے بعد اپنی کتاب میں لکھا کہ مادی MATERIAL اور روحانی SPIRITUAL دونوں حقیقتیں تسلیم کرنی چاہئیں،

آپ نے کبھی روحانی حقیقت کی تلاش کی ہے؟ آپ کو سائنس سے بہت دلچسپی ہے، آپ نے مشہور عالم سائنس سر الیور لاج SIR OLIVER LODGE کا نام سنا ہوگا، اور اُن کی کتاب MAKING OF MAN پڑھی ہوگی۔ آپ نے

سائنس کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان بیکار نہیں، عبث نہیں، اس میں ایک
غیر مادی عنصر بھی موجود ہے، جو جسم کے ساتھ فنا نہیں ہوتا، بلکہ حیات بعد الموت
کی منزل طے کرتا ہے، جہاں انبیات کو انھوں نے جزو حقیقت مانا وہاں روحانیت
کو بھی حقیقت تسلیم کرنا پڑا، چنانچہ اس کی جانچ ماضی سے نہیں ہو سکتی، لہذا
اُن کو اعلان کرنا پڑا کہ،

"روحانیت کی جانچ روحانی ذرائع احساس SPIRI
TUAL SENSE سے کرنی چاہیے۔"

مذکورہ بالا عبارات سے تین نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ فلسفہ اور سائنس کی بنیاد بہت حد تک واہمہ پرستی —
MYTHOLOGY اور ذاتی رجحان پر ہے۔

۲۔ علمائے فلسفہ و سائنس اس بات کا اعتراف کرتے ہیں
کہ ہمیں آج تک بنیادی حقیقت ULTIMATE REALITY
کا علم نہیں ہو سکا، وہ اگر ایک ہے تو ہماری دسترس
سے باہر ہے، اور اگر زیادہ ہیں تو بھی ہماری رسائی
وہاں تک نہیں ہو سکتی، لہذا ہم سے کوئی توقع وابستہ نہ رکھو۔

۳۔ علمائے فلسفہ و سائنس کی ایک کثیر جماعت ان صداقتوں
کا اعتراف کرتی ہے جو دین فطرت کہلاتی ہیں، اور جن کا
ماخذ وحی اور الہام ہے۔

"کائنات کی بنیادی حقیقتیں ULTIMATE REALITIES
اب تک سائنس کی دسترس سے بالکل باہر ہیں اور یقیناً
ہمیشہ انسان کی انفساتی گرفت سے باہر ہی رہیں گی"

یہ مفکرین سائنس کے خیالات ہیں، وہ جانتے ہیں کہ سائنس کی بنیاد
ہم نے کن باتوں پر رکھی ہے، جن کی جانچ پڑتال علم ریاضی کے کسی شعبے
کی جا سکتی ہے، اور بنیادی حقیقت تک سائنس کی رسائی نہیں ہو سکتی،
نہ ہی علم ریاضی اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے، انھوں نے کچھ تو نمبر لے لیا
جن کا حساب لگا لیا گیا ہے، جس سے کچھ کلیں حرکت میں آگئی ہیں، اور کٹ پ
بن گئے ہیں، کچھ مادی مجسمے اکٹھے کر لئے گئے ہیں، جن کو ناپا اور تولا جا رہا ہے،
اب بتائیے اس کے علاوہ صدہا قسم کی باتیں، نیکی، صداقت، اخلاق،
جذبات وکردار کو تو سائنس نے ترک کر دیا ہے، اور اس جزوی دائرہ عمل میں بھی
اوہام وتسلیم کے گرد چکر کاٹ رہی ہے،

کیا سائنس کی اس حقیقت کو دیکھ کر انسان فطرت کے خلاف یہ بغاوت کر کے حدود
اخلاق کو پھاندتا ہے، اپنا تمدن بگاڑتا ہے، اپنی تہذیب غارت کرتا ہے،
سیاست میں طوفان بپا کرتا ہے، آخر تباہی کے کنارے لگتا ہے، کیا علوم جدید
سے آپ کو یہی لینا تھا ؟

میرے عزیز! یہ دور تو انسان کے شعوری ارتقا کا دور ہے، آج علمائ

"چند سال قبل تک میں خود یہ سمجھتا تھا کہ دنیا بے مقصد ہے،
جس طرح میں نے اپنی اغراض کی بنا پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ دنیا
بے مقصد ہے، اسی طرح سے لوگ اپنی جنسی اقتصادی اور
سیاسی اغراض کے لئے دنیا کو بے مقصد مان لیتے ہیں،
تاکہ وہ جو کچھ کرنا چاہیں آزادی کے ساتھ کر سکیں، اس طرح
کچھ دن تو کام چل جاتا ہے" تاہم انسان کا ضمیر ملامت
کرتا ہے اس لئے کہ دل کی آواز یہ ہے کہ دنیا مقصد سے خالی
نہیں لیکن جہاں پہنچ کر بھی انسان خود اپنی سے میں آ جا
نفس کو سمجھاتا ہے، دنیا کو بے مقصد سمجھنے کے لئے اب باطل
اعتقاد گھڑتا ہے اور ان کا سہارا ڈھونڈتا ہے اس طرح
باطل اعتقاد سے باطل پر تکیہ کیا کرتا ہے۔"

انسانوں کی آبادیوں میں جا کر دیکھو، ان میدانوں میں گھومو جہاں سیاست
و اقتصاد کے کھیل کھیلے جاتے ہیں، جہاں تمدن و معاشیت کے سودے ہوتے
ہیں، جہاں گناہ بکتے ہیں، اور نیکیاں خریدی جاتی ہیں، بقول پروفیسر ہکسلے
PROF HUXLEY یہ سب دنیا کو بے مقصد سمجھنے کی حیلہ سازیاں ہیں،
مفکر نے انسانوں کے غلط اعمال کو ان کے غلط بنیاد فکر کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے
کہا، اگر افکار معقول ہوں تو نتائج معقول ظہور میں آتے ہیں، اگر فکر کی بنیاد

ان علوم کے حاملین کا جب یہ اعلان ہو کہ انسان خطا کا پتلا ہے، اور TO ERR IS HUMAN کو اس صداقت کو اپنے فلسفے کی بنیاد قرار دیں، اور نہ اُن کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ علم الہام و وحی سے فیض یاب ہیں، اور نہ وہ یہ کہیں کہ ہماری تحقیق آخری تحقیق ہے، بلکہ جب مشہور ماہر سائنس ڈاکٹر کارل ــــ DR. KARAL نے افلاطون PLATO کا یہ فیصلہ پڑھا،

"دوستو! انسان اپنی سعی و کوشش سے کائنات کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا، انسان تو حقیقت کے بارے میں ظن اور قیاس ہی کر سکتا ہے،"

تو وہ پکار اٹھا کہ،

"اب انسانی اولوالعزمی کا بہترین شاہکار یہ ہے کہ اس حقیقت کی تلاش کی جائے جس کو خدا بھی کہتے ہیں۔"

مفکر یہاں تک بیان کر چکا تھا کہ آواز آئی، اے مفکر تو نے تو علم فلسفہ و سائنس کا پورا تجزیہ کر دیا، اُن کے اقوال سے ان کے علم کو کمزور، اُن کے ذہن سے اُن کے شعور کو ضعیف، اور اُن کے قلم سے اُن کی عاجزی کا اعتراف، یہ چشم عبرت کے لئے کوئی معمولی واقعہ نہیں، اُن کی بصیرت کا یہ تماشہ کو ہم نے دیکھ لیا، کہ وہ دماغ جن پر انانیت کا راج تھا، آج اُن کی آنکھیں ندامت کے آنسو رو رہی تھیں، پروفیسر ہکسلے HUXLEY کا یہ اعتراف کہ،

لوگ حق و یقین کی طرف کیوں مائل نہیں ہوتے، الہام کو چھوڑ کر اوہام پرستی میں
کیوں گرفتار ہو جاتے ہیں، اب مفکر کے سامنے قوموں کے عروج و زوال کی
تاریخ تھی، وہ اُن اسباب کی تلاش میں مصروف تھا، جو حق و یقین کی راہ سے
انسان کو منحرف کر کے اوہام پرستی میں مبتلا کر دیتے ہیں،

مفکر نے جب تاریخ کا باب اقتدار کھولا، تو وہاں بے شمار تہذیبوں کے
نقشے اُس کے سامنے تھے، اور کئی اقتدار ایڑیاں رگڑ رہے تھے، اُس نے محسوس
کیا کہ کس طرح لوگوں نے ہر نئے اقتدار کی پرستش کی، اور ہر نئی تہذیب کی
تقلید میں تنکوں کی طرح بہتے رہے،

مفکر ان اقتدار کے نشانات کی تلاش میں بہت دور نکل گیا، اب اس کے
قدم قدیم تہذیب کے کھنڈرات پر تھے، جن کے آثار تو موجود تھے، مگر
ان کے اپنانے والوں کا کہیں سراغ نہ ملتا تھا، کل ان سر بفلک عمارتوں پر
جن کی تہذیب ناز کر رہی تھی، اور ان محلات پر جن کا اقتدار سایہ فگن تھا، آج
یہ خاک کا ڈھیر تھا، شاہان مغلیہ کے نقوش جن دیواروں پر کندہ تھے، آج وہ
دیواریں زبان حال سے پکار رہی تھیں،

چشم عبرت بیں کشا حال شاہاں را نگر
تا چساں از گردش گردون گرداں شد خراب
پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

ہی غلط ہے تو صحیح اعمال کہاں سے آئیں گے، آج نوجوانوں کی فطرت سے بغاوت کا راز کیا ہے؟ یہ زندگیاں صراط مستقیم سے کیوں ہٹتی جا رہی ہیں؟ آئین خلافت کی حیاداری کیوں مٹتی جا رہی ہے؟ خواہشات کی دنیئیں عالم پر کیوں چھا رہی ہیں؟ اخلاق و تقویٰ کی قیمتیں کیوں گر گئی ہیں؟ گناہ و معصیت کے قلعے آج اتنے مستحکم کیوں ہیں؟ اس لئے کہ بنیاد فکر بدل گئی، بنیاد نظر بدل گئی:

جب فکر و نظر بدل گئے، اب ہر چیز بدل جائے گی، کوئی چیز اپنے صحیح مقام پر باقی نہ رہے گی، دل بدل جائیں گے، ذہنیں بدل جائیں گی، رخوں کی سمت بدل جائے گی، ارادوں کا محور بدل جائے گا، نظریات بدل جائیں گے لوگ وحی و الہام کی حقیقتوں کو اپنے عمل سے جھٹلائیں گے، انسانی نظریات کی تعریفیں ہوں گی، دل کا سکون انسانی تخیلات میں تلاش کیا جائے گا،

مفکر نے کہا اگر یقین نہ آئے تو اس آواز کو سنو جو یونیورسٹیوں سے آرہی ہو، جو کالجوں سے آرہی ہے، آؤ، میں تمھیں شہری آبادیوں میں لے چلوں جہاں تعلیم یافتہ طبقہ تو حکمائے یورپ پر فریفتہ ہو رہا ہے، اور غیر تعلیم یافتہ طبقہ کے پاس نہ علم ہے نہ بصیرت، وہ ہر پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہہ رہا ہے، انھیں الہام کا راستہ معلوم نہیں، اس تاریکی میں کوئی ایسی شمع روشن نہیں جس سے وہ ہموار اور ناہموار راستہ دیکھ سکیں،

مفکر کا مطالعہ وسیع تھا، اس لئے ان اسباب پر غور کرنا شروع کیا کہ

ہے، اس سے غافل ہو۔ یورپ کی مادی ترقی کو دیکھ کر مدہوش ہو گئے ہو۔ دنیا میں
کتنی ترقی یافتہ قومیں آئیں، وہ اپنے ساتھ کتنی تہذیبیں لائیں، آج وہ تہذیبیں
کہاں ہیں؟ جس طرح وہ فنا ہو گئیں اسی طرح یہ آگ، پانی اور لوہے کی مادی
تہذیب فنا ہو جائے گی، پھر تم کس تہذیب کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے
جاؤ گے، قوم یہود کا حال دیکھو، اس کو مادی ترقی نے کس طرح
پیس ڈالا، جب یہ قوم مادی ترقی سے پس چکی، تو ایک ایسی روحانی تہذیب
کی تلاش میں نکلی جہاں اس کی روحانی تسکین حاصل کر سکے، آج ہزاروں جرمن
اسلام کا مطالعہ کر کے اس کی آغوش میں آ رہے ہیں، اسلام کی تہذیب
غیر فانی تہذیب ہے، یہ وہ روحانی تہذیب ہے جسے حضرت موسیٰ، حضرت
عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لائے، یہ آپ کی پسند ہے
کہ فانی تہذیبوں کی پیروی کرو، یا غیر فانی تہذیب کی اطاعت کرو، جو لوگ
فانی چیزوں کی پیروی کی وہ دوسرے نسیا منسیا ہو گئے، لیکن غیر فانی چیزوں
کے ساتھ محبت رکھنے والے ہمیشہ کی زندگی پا گئے۔

مقرر کی یہ تقریر سن کر ایک ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا، اس کی نگاہ
حقائق پر تھی، اور وہ جانتا تھا کہ وہ قوم جس نے دنیا کی بہ تہذیبوں کو مٹا کر
ایک ایسی تہذیب کا درس دنیا کو دیا ہو، جس کی بنیاد پاکیزگی اور
راست بازی پر تھی، وہ قوم آج کس طرح دوسروں کی تہذیب کی نذر ہو گئی۔

اس اقتدار کا سہاگ جب دہلی میں لٹ چکا تو کوئی اس پر آنسو بہانے والا نہ تھا،

مفکر کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر وہ کئی ہزار سال پہلے کی تاریخ تمدن کے صفحات برابر الٹ رہا تھا، مصر اور روم کی تہذیب کا مطالعہ کر چکا، زوال تہذیب یونان کے آخری صفحات دیکھ چکا، تو اس نے سمجھا کہ آج وہ قوم جس کے پاس خدائی تہذیب، خدائی تمدن، اور خدائی قانون ہے، وہ ایک فانی تہذیب کی تقلید میں مدہوش ہے، اس وقت اگر اقتدار کی عنان یورپ کے ہاتھ میں ہے تو یہ ضروری نہیں کہ کل بھی اقتدار کی دولت یورپ کے ہاتھ میں رہے گی، فرنگ کے ایک سو سالہ دور اقتدار نے اس قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ کا تمدن بدل ڈالا، تہذیب بدل ڈالی، اخلاق بدل ڈالے اب اگر کسی اور ملک یا قوم کا اقتدار اُن پر مسلط ہوا، تو یہ اس کی معاشرت اور اس کی تہذیب کو اپنا لیں گے، انسانی تہذیب بدلتی رہے گی، یہ اُس کے ساتھ بدلتے رہیں گے، انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا تمدن بنتا رہے گا بگڑتا رہے گا، یہ بھی اس کے ساتھ بنتے رہیں گے بگڑتے رہیں گے،

مفکر نے آواز دی، اے فانی تہذیب و تمدن کے خوگرو، میری بات سنتے جاؤ، تم نے آج جن کے ساتھ مادی قوتیں دیکھ لی ہیں، تم ان کے دماغ میں روشنی ڈھونڈتے ہو، اور جو تمہارے پاس الہام کی روشنی موجود

آگے جھک رہی تھیں، اُن کے ذہن اللہ کے اوامر سے خالی ہو گئے تھے، اُن کی زندگیاں اُس اونٹ کی طرح ہو گئی تھیں جو راستہ بھول گیا ہو، اور جنگل میں بھٹک رہا ہو۔

مذہب سے بیگانہ بنانے والی یہی تعلیم تھی جس کے سبب ہمارے نوجوان اتنا وقت بھی نہ نکال سکے کہ اپنی کتاب کی چند آیات پر غور کر سکیں، یورپ کا فلسفہ سیکھنے کے لئے تمام عمر دیدی، لیکن اسلام کے مطالعہ کے لئے وقت نہ مل سکا، نہ کبھی مذہب جاننے والوں کے پاس بیٹھے، بس ایسی باتوں پر رائے قائم کر لی، جو سنی سُنائی تھیں، مذہب جس طرح پہلے قابلِ عمل تھا اسی طرح آج بھی قابلِ عمل ہے اور قیامت تک قابلِ عمل رہے گا،

دنیا کی مادّی تہذیبوں کی درخشانی جلد ماند پڑ جائے گی، لیکن اسلام کا آفتاب پوری تابانی کے ساتھ عالم پر روحانی تسکین کے موتی بکھیرتا رہے گا۔

غور کے قابل تو یہ بات ہے کہ ان فلک بوس یونیورسٹیوں کے اندر جو تعلیم دی جارہی ہے، اور اس کے حصول و تجربات پر لاکھوں کروڑوں کے سامان فراہم کئے جارہے ہیں اور بے شمار عمریں لگائی جارہی ہیں، آخر اس کا مآل کیا ہے، صرف دو الفاظ ہیں، فانی مادّی زندگی، اور فانی جاہ و مسرت۔

فرد کا تو یہ حال ہے کہ اپنے ذاتی فوائد میں یہاں تک آگے نکل گیا ہے کہ دوسرے کا فائدہ اس کے پیشِ نظر نہیں رہا، قوموں کی مادّی منفعت کی ہوس نے

دوستو! اس سے بڑھ کر تمہاری بدقسمتی کیا ہوگی کہ تم تو ہمیشہ انسانوں
کے ترتیب دیئے ہوئے اقتدار کو ٹھکراتے رہے، اور آج اقتدار پرستی کی
لعنت میں گرفتار ہو گئے، آج تمہاری یہ حالت ہے کہ مغربی استعمار کے دیئے
ہوئے ٹکڑوں پر فخر کرتے ہو، تمہارا ماضی تو ایسا نہ تھا، لیکن استعماری قوتوں
کی محبت میں انبیاء علیہم السّلام کی صحیح حیثیت کو بھی فراموش کر دیا،
مفکر کا خطاب اُن لوگوں سے تھا جو اُس کی باتوں کو بغور سُن رہے تھے،

سوال کرنے والے نے سوال کیا،
"کیا ہماری سو برس کی محکومی نے ہماری تہذیب کو غارت کر دیا؟"
مفکر نے ایک آہ سرد کھینچی، اور کہا،

اس سو برس کے عرصہ میں ہمیں غیر کی تہذیب کی خوگر بنانے والی جو چیز
ہے وہ ہماری تعلیم ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ اس تعلیم سے آہستہ آہستہ کیا
اثرات ہمارے قلب و ذہن پر مرتب ہوتے رہے، اور خاندان کے خاندان
اس طرح متاثر ہوئے کہ جب انھوں نے آنکھ کھولی تو وہ کتاب اور صاحب کتاب
سے بہت دور جا چکے تھے، اب انھیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آواز بھلی معلوم نہ ہوتی
تھی، بلکہ اُن کے کان پیانو کی آواز سے زیادہ مانوس تھے، اُن کے قدم مسجد
کی طرف نہ اُٹھتے تھے بلکہ تاش خانوں کے عادی ہو چکے تھے، اُن کی جبینیں
خالق کی بارگاہ میں اب سجدہ ریز ہونے سے ہچکچاتی تھیں، وہ خواہشات کے

نسوا اللہ فانسٰھم خدا کو بھلا دینے کی یہ سزا دی گئی کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے، اپنی بربادی کا سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے، جس چیز کو حاصل کرنے کے لئے سربفلک عمارتیں تعمیر ہوتی تھیں، جس مقصد کے لئے جانیں کھپائی گئی تھیں، آج وہی دنیا اُن کے لئے جہنم بن گئی،

یہ خدا اور آخرت کے انکار کے نتائج ہیں، جب عذاب کے بھیانک بادل فضا پر چھا جائیں تو پھر کون کسی کو بچا سکتا ہے،

آؤ جارج برناڈشا سے بھی دریافت کریں، وہ کیا کہتا ہے،

"ایسے حالات میں اس متبرک ہستی کے اصول دنیا کا واحد آسرا ہیں، جن سے دنیا کی دوزخ کے شعلے گلستانِ انسانیت کے لئے امن واطمینان کا موجب بن سکتے ہیں"

اج عالم کے کسی گوشہ میں امن وامان کا نشان باقی نہیں چھوڑا، انسانی بستیوں میں
جنگل کا قانون کارفرما ہے، جنگل کے جانور سینگ اور پنجے مارتے ہیں، اور دانتوں
سے نوچتے اور پھاڑتے ہیں، اسی طرح مادی تعلیم و مادی تہذیب کے یہ اثرات
انسانی آبادیوں میں دیکھنے میں آتے ہیں، کبھی حسد و رقابت، بغض و عناد نے
ان کے نقشے کتنے پھیلا رکھے ہیں، اور آنکھیں ان کی کس قدر شعلہ بار ہیں،
افراد سے نگاہ بلند کر کے مادی حکومتوں کا نقشہ سامنے لاؤ کہ آج ان کا
پورا ذہن ان مہلک ہتھیاروں کی تیاری میں اس طرح صرف ہو رہا ہے کہ انسانوں
کی جیتی جاگتی آبادیاں چشم زدن میں یہ خاک کا ڈھیر کر دیں گے،

امریکہ کا ایک امیرالبحر (پائنیر میں) اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے،

"مختلف قوموں نے دور دراز فاصلوں تک تباہی و بربادی
لانے والے ایسے آلات حرب تیار کئے ہیں جو روئے زمین
سے انسانی و حیوانی و نباتی زندگی کا آخری نام و نشان تک
مٹا دیں گے،،

پائنیر میں ایک اور مضمون "جہنم بم" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس زمانہ
کا مشہور سائنسدان آئنسٹائن لکھتا ہے کہ

"اس بم کا زہر ساری فضا میں پھیل کر کسی متنفس کو
زندہ نہ چھوڑے گا"

باب دوم

چند حقائق

تاریخی شہادت

فرمایا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ	چاند اور سورج کو ایک خاص پروگرام کے تحت
وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ	تمہارے کام میں لگا دیا ہے، اور رات اور دن کو
لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ،	تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے،

دوسری جگہ فرمایا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ	رات، دن، چاند، سورج اور ستارے
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ	اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہاری خدمات
مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ،	کے لئے مسخر ہیں۔

بادل، ہوا، بارش، اور اس کے اثرات کا تذکرہ اس طرح کیا،

وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ	ہواؤں کا چلنا اور آسمان و زمین کے درمیان
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ	بادلوں کا معلق رہنا
الْأَرْضِ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ	حق تعالیٰ کے حکم سے بارش کی بشارت دینے
الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ	والی ہوائیں چلتی ہیں جب وہ ہلکے اور بھاری
حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا	بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم خشک
سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا	زمینوں پر اس سے پانی برساتے ہیں اور
بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ	اس پانی کی وجہ سے ہر قسم کے پھل اور کھانے
كُلِّ الثَّمَرَاتِ،	کی چیزیں پیدا کرتے ہیں،

چند حقائق

زمین و آسمان کی پوری چیزوں میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اُن سب کا وجود بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے مامور ہے، یہ دن اور رات، یہ موسم کا تغیر، یہ چاند یہ سورج، یہ نباتات وجمادات، پھل اور پھول، ہوا، بارش، آگ، مٹی، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی ہے جو صانع قدرت نے انسان کے لئے نہ بنائی ہو؟ اگر ان میں سے ایک چیز کو بھی روک لیا جائے تو انسانی زندگی ایک عذاب بن جائے، صرف سورج طلوع نہ ہو تو تمام دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے، موسم کے اندر اعتدال کی کیفیت ختم ہو جائے، اور برودت چھا جائے کاروبار معطل ہو جائیں، اوقات کی تمیز باقی نہ رہے، زمین پیداوار کا عمل چھوڑ دے، درخت اور پودوں کی پرورش رُک جائے، اگر تھوڑی دیر کے لئے ہوا ساکن ہو جائے تو تمام عالم کے اندر ایک متنفس بھی زندہ نہ بچ سکے، غرضیکہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر ہے اور تمام عالم انسان کے نفع اور اس کی ضرورت پوری کرنے کی خدمت میں لگا ہوا ہے

جسمِ انسانی تو ایک فانی چیز ہے، اور تیر قضا کا ایک نشانہ، اس جسم کی محبوبیت اس وقت تک ہے جب تک اس میں روح ہے، جب روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے تو اس جسم کے ساتھ تمام محبتیں ختم ہو جاتی ہیں شوہر اپنی حسین وجمیل بیوی کو، ماں اپنے لختِ جگر کو، باپ اپنی نورِ نظر کو سپردِ خاک کر دیتا ہے،

لیکن روحِ انسانی جو اصل اور لطیف چیز ہے، جو جسم کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والی ہے، جو تمام امور کی ذمہ دار بھی ہے، اور جواب دہ بھی، کیا اس کی تربیت کی ضرورت نہ تھی ؟

اگر جسم بیمار ہو جائے تو اس کے علاج کے لئے صدہا دوائیں ہوں اور بے شمار معالج لیکن روح کے علاج کے لئے کسی سامان کی حاجت نہ ہو ؟

جس طرح جسمانی صحت کی بقاء کے لئے ہوا، پانی، روشنی، غذا کا اہتمام کیا، اور اس کی شفا کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر طبیب و معالج پیدا کیا، اور کتنی قسم کی ادویات فراہم کیں، اسی طرح روحانیت کی بقا اور روح کے علاج کے لئے روحانی طبیبوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ گروہ انبیاء کا گروہ کہلایا، یہ اپنے اپنے وقت میں ظاہر ہوتے رہے، ان کا تعلق خالقِ کائنات کے ساتھ اتنا قوی ہوتا ہے کہ روحانی ہدایت کا وہ جو بھی نسخہ تجویز کرتے ہیں وہ اس اطلاع کی بنا پر کرتے ہیں جو حق تعالیٰ سے انھیں دی جاتی ہے، اس لئے ان کی تشخیص

دریاؤں کا ذکر اس طرح فرمایا،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ،	اے مخاطب، تو دیکھتا نہیں کہ خدا کی نعمت کے باعث کشتیاں دریاؤں میں کس طرح چلتی ہیں،

حیوانات، نباتات اور جمادات انسان کے نفع و خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور فرمایا تمہاری عبرت کے لئے اتنا بتا دینا کافی ہے کہ،

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ،	کیا اور یہ کہ تمہیں عبرت ہے کہ گائے بھینسوں کے درمیان سے بہترین دودھ نکالتے ہیں، جو پینے والوں کو انتہائی لطف دیتا ہے، اور وہ گوبر سے نکلتے ہیں،

غرضیکہ کائنات کی جس چیز کی طرف نگاہ ڈالی جائے، وہ مطیع اور خدمتگذار نظر آتی ہے، یہ کیوں ہو، اس لئے کہ جس خالق نے انسان کو اشرف ترین مخلوق بنا کر دنیا میں بھیجا، کیا اس کی جسمانی تربیت کے لئے اعلیٰ انتظام کی ضرورت نہ تھی؟ بے شک!

اب غور کرو کہ جسم انسانی کی پرورش کا تو یہ اہتمام کہ تمام کائنات ارضی و سماوی اس کے لئے مسخر ہو، لیکن روح انسانی کی پرورش اور تربیت کا خالق کائنات نے کوئی انتظام نہ کیا ہو! یہ کیسے ممکن تھا،

تاریخی شہادت

تاریخ کے مختلف دور میں کئی شخصیتیں ظاہر ہوئیں، اور کچھ کام کرکے چلی گئیں، اس وقت مثال کے طور پر صرف تین شخصیتیں پیش کی جاتی ہیں،

تاریخ نے ایک شخص کو خدا کا فرستادہ پیش کیا، تورات کو اس وقت کی آسمانی کتاب، قوم یہود کو اس کی قوم کہہ کر پکارا، اور اُسے موسیٰ (علیہ السلام)،

تاریخ کے ان صفحات کو کئی سو برس گذر چکے تھے کہ تاریخ نے پھر ایک شخص کو خدا کا پیغمبر ظاہر کیا، اور انجیل مقدس کو اس وقت کی آسمانی کتاب، قوم عیسائی کو اس کی قوم کہا، اور اسے عیسیٰ (علیہ السّلام)،

تاریخ کے یہ اوراق پارینہ ہو چکے تھے، لیکن زمانہ ان واقعات پر گواہ تھا کہ کئی صدیوں کے بعد تاریخ نے پھر اس قسم کا ایک اور واقعہ دہرایا کہ رحمۃ اللعالمین کا ظہور ہوا، قرآن کو اس کی الہامی کتاب کہا، قوم مسلم کو اس کی قوم اور اس کا نام محمدؐ پیش کیا،

تاریخ کی شہادت یہاں ختم ہو جاتی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ انسانی ذہن کا

میں نہ تو کوئی غلطی ہوتی ہے، نہ کوئی خطا، اُن کا نطق حق و یقین پر مبنی ہوتا ہے، دنیاوی لیڈروں کی طرح اُن میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے، نہ ظن و وہم کا وہاں گذر ہو سکتا ہے،

اللہ تعالیٰ جس بندے کو چاہتے ہیں اپنی مخلوق میں سے چن لیتے ہیں اور اُسے رشد و ہدایت، صبر و اصلاح کا سامان دے کر دنیا میں بھیجتے ہیں، یہ خدا کی مخلوق کو روحانی امراض کی راہوں سے اس طرح بچا کر لے جاتے ہیں کہ جو بھی اُن کے ساتھ ہو جاتا ہے روحانی موت سے بچ جاتا ہے۔

یوں تو دنیا کی تاریخ کئی عظیم انسانوں کے کارنامے پیش کرے گی، ان میں بادشاہوں کے پُرشکوہ دربار بھی نظر آئیں گے، فاتحینِ عالم کی اولوالعزمی بھی دکھائی دے گی، شعراء کی شعلہ بیانی، فصحاء کی فصاحت و بلاغت، حکمرانوں کی بساطِ سیاست، اور امراء کے خزانوں کی دولت، ان میں اگر انسانیت کی فلاح و ہدایت کا کوئی نمونہ تلاش کرنا چاہو تو مل نہ سکے گا، بلاشک ان میں کسی نے اپنے ملک کی برتری کے لئے میدانِ کارزار میں جان دی ہوگی، کوئی اپنی حکمت کے سبب مشہور ہوگا، کوئی فنِ خطابت میں یکتا، کوئی فصاحت کا شیخ، کوئی یورپ کا نپولین کہلایا ہوگا، کوئی مقدونیہ کا سکندر، کوئی روم کا سیزر، تاریخ کے صفحات پر سقراط، افلاطون، ارسطو جیسے عالم بھی نظر آئیں گے لیکن ان میں سے کسی ایک کی زندگی بھی نوعِ انسانی کی سعادت و فلاح کی کفیل نہ ہوگی،

یہ مقام صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے، کہ جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی اور دل کا خلوص نظر آتا ہے، وہ انھیں کی دعوت و فکر کا نتیجہ ہے، آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اُن کی پکار کی آواز سنائی نہ دیتی ہو، جہاں اُن کے پُرخلوص کارناموں سے درسِ ہدایت نہ لیا جاتا ہو،

دنیا میں بادشاہتیں قائم ہوتی رہیں، اور مٹتی رہیں، لیکن اُن ہستیوں کا یہ اعلان اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ آج بھی قائم ہے، وہ جسم اور زمین پر حکومت

ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے؟
موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ خدا کے فرستادہ تھے؟
خدا کے فرستادہ نہیں تھے؟

غور کیجئے،

- تینوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان کیا،
- ان میں سے کسی نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا،
- ایک کے زمانہ کا فاصلہ دوسرے کے زمانے کے فاصلے سے بہت زیادہ ہے،
- ان تینوں نے لوگوں کی خواہشات کے خلاف جہاد کیا،
- یہ تینوں الہامی کتاب کے حامل تھے،
- یہ تینوں ستائے گئے تھے، بالآخر،
- تینوں کامیاب ہوئے،
- آج دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں جہاں اُن کے ماننے والے
- موجود نہ ہوں،
- اُن کا اکرام نہ کیا جاتا ہو،
- اُن کی کتاب پڑھی نہ جاتی ہو،

یہ وہ حقائق ہیں جو اُن کی صداقت اور عظیم قربانیوں پر گواہ ہیں،

باب ۳ سوم

دعوتِ قربانی کا آغاز

بعثتِ انبیاء علیہم السلام

رہ گئے لیکن دلوں کی ملاقات پہ آج بھی ان کا راج ہے، خیال شعراء کی مجلسیں سونی ہو گئیں لیکن ان کی بلند خیالی آج بھی مسلّم ہے، کئی قانون ساز دماغ پیدا ہو گئے، لیکن آج وہ ان کے قانون کا کہیں سراغ ملتا ہے، نہ ان کی شخصیت کا نشان، لیکن پیغمبران حق کا قانون ہزارہا سال گزر جانے کے بعد بھی زندہ ہے، فراعنۂ مصر کے آثار اگر اہرام کی شکل میں ظاہر ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام لوح دل پر ثبت ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا پاکیزہ جذبہ آج بھی انسانوں کو معصیت سے بچانے کا کام کر رہا ہے،

مخالفت کی آندھیاں ٹھہر گئیں، رقابت کے طوفان تھم گئے، معصیت کی چٹانیں پاش پاش ہو گئیں، ظلم و جور کے پہاڑوں میں جنبش پیدا ہو گئی، جب الحق مدینہ پر عدل و انصاف کا بادل گرجا اور برسا دنیا آج بھی اس بارش رحمت سے اس طرح سیراب ہو رہی ہے، جس طرح کئی سو سال پہلے ہوئی تھی،

اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وّ علیٰ آل محمّد

"اے امتِ محمدیہ! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بدون ان
مصائب کے برداشت کئے ہوئے جنت میں چلے
جاؤ گے جو تم سے پہلے لوگوں پر آچکے ہیں، اُن پر
اس قدر سختیاں، تکالیف اور پریشانیاں نازل ہوئی
تھیں کہ اس زمانے کے رسول اور ان کے ساتھی بار بار
اللہ سے مدد مانگتے تھے، اور گھبرا گھبرا کر کہتے تھے،
اے خدا! تیری مدد کب آئے گی، خدا کی طرف سے
اطمینان دلایا جاتا تھا کہ گھبراؤ نہیں، اللہ کی نصرت و
امداد بہت قریب ہے"

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ
مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ
الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ
الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ
أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں، ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی
برتری نہیں پاتے، بلکہ سمجھتے ہیں تم جھوٹے ہو"

اُن کا یہ جواب سن کر اللہ کا یہ پہلا داعی ذلت و اہانت کے تمام تیر برداشت
کرتا ہے، ان کے جواب میں کہتا ہے،

"اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ
اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر
ہوں اور اس نے اپنے پاس سے ایک رحمت (راہ حق)
بھی بخش دی ہو مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو میں اس کے
سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں"

"میرا کام تو اللہ کی بات تم تک پہنچانا ہے، اگر تم نے اللہ
کی بات مان لی تو اس کے فضل کے مستحق ٹھہرائے جاؤ گے
اگر نافرمانی کی راہ اختیار کی تو افسوس کرو گے،
لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں تو اس پر مال و دولت کا تم سے
طالب نہیں، میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف
اللہ پر ہے"

ایک داعی کے اخلاص کا ان الفاظ سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے،
یہ انبیاء کے مقام کی بلندی ہے، کہ جس مقام پر یہ پیغمبر کھڑا ہے، وہ دنیاوی

دعوتِ نوحؑ

ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس
سے پہلے کہ پہنچے اُن پر عذاب دردناک، بولا اے قوم میری
میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی،
اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو ۔

یہ ایک غریب نزار انسان کی آواز ہے، جو ضعیف بھی ہے اور کمزور بھی
ایک ایسی قوم کے درمیان کھڑا ہے جو سرکش ہے، اور دولت کی، غنی قوم کے سرداروں
کے غرور و تکبر کا یہ حال ہے کہ اپنے سے کم رتبہ انسانوں کو حقارت و نفرت کی نگاہ
سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں،

"اے نوحؑ: ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ
ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو، اور جو لوگ تم سے
پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی
نہیں دیتا جو ہم میں ذلیل و حقیر ہیں، اور بے سوچے سمجھے

اور ہم اور یہ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے ،،

حضرت نوح ؑ اپنی قوم کے سرداروں کو مخاطب کر کے سمجھاتے ہیں کہ
جو میرے پاس بیٹھے ہیں یہ تو اللہ کے مخلص بندے ہیں ،
یہ اخلاص و ایمان سے نوازے گئے ہیں ، اللہ کے ہاں انہی
لوگوں کی قدر ہے ، اگرچہ یہ مفلس و نادار ہیں ، میں انہیں
کیسے اپنے پاس سے دور کر دوں ، میں تو اس کے دردناک
عذاب سے ڈرتا ہوں ،،

حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی ، مگر جس قدر
وہ عاجزی اور خوشامد کے ساتھ قوم کو حق کی طرف بلاتے تھے اُن کی ایذا و
سرکشی اتنی ہی بڑھتی گئی ،

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا
وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ،
وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ
جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ
وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا
وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ، ثُمَّ إِنِّي
دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ، ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ

بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور
دن پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے
اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو
بخشے ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں
اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی
اور غرور کیا بڑا غرور ، پھر میں نے بلایا ان کو
برملا پھر میں نے ان کو کھول کر کہا ،

اغراض و منافع سے بہت اونچا ہے۔ اور وہ تحریک جسے کر آیا ہے وہ روحانی تحریک
ہے، دنیاوی تحریکوں کے پس پردہ دنیاوی اغراض کارفرما ہوتے ہیں، ان کے
ساتھ ڈیلیو جیسی کام کرتی ہے، طمع و لالچ، مکر و فریب کی زنجیریں ہوتی ہیں۔ تو یہ
تحریکیں چلتی ہیں، دنیاوی لیڈر دل کے بھی اجلے نہیں ہیں، لیکن یہ ہستیاں
انسانی فلاح و بہبود کا ایک آسمانی پیغام لے کر آتی ہیں اور حق و یقین کے ساتھ
لے کر آتی ہیں کہ تمام قوم ایک طرف کھڑی ہے اور یہ تنہا ایک طرف کھڑے ہیں،
اُن کی خواہش کے خلاف، اُن کے رواج کے خلاف، اُن کے بتوں کے خلاف،
اُن کی تہذیب کے خلاف ایک آواز ہے کہ برابر گونج رہی ہے، ایک دعوت ہے کہ
بار بار پیش کرتے ہیں، ایک سوز ہے جس کا الاپ جگہ جگہ ہو رہا ہے،

اس راستے کی منزلیں اتنی کٹھن ہیں، بات کرتے کرتے زبان خشک
ہو جاتی ہے، لیکن امید میں ساتھ چلنے والا برسوں ایک بھی نہیں ملتا، یہ
کس مپرسی کا عالم ہے، چاروں طرف یاس و ناامیدی، اس حالت میں بھی دعوت
کی صدا بلند ہو رہی ہے،

سالہا سال کی جد و جہد کے بعد کچھ لوگ جب ایمان لے آئے تو قوم
سردار یہ اصرار کرنے لگے کہ اے نوح،

"ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لاتے ہیں یہ حقیر لوگ ہیں ان کو
اپنے پاس سے ہٹا دے کہ ہمیں ان سے گھن آتی ہے،

ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ نے نوح علیہ السلام کو تھکا دیا تھا
جب وہ دیکھتے کہ ان کی باطل پرستی عناد کے درجہ تک پہنچ چکی ہے تو آپ کا ملال
اور پریشانی بڑھ جاتی،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن
يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا
مَن قَدْ آمَنَ فَلَا
تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ،

اور نوح پر وحی کی گئی کہ جو ایمان لے آئے
وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی ایمان
لانے والا نہیں، پس ان کی حرکات پر
غم نہ کھا،

اب نوح کی قوم تاریخ کے ایسے دور سے گذر رہی تھی جو معصیت و عدوان
کا دور تھا، اللہ تعالیٰ کی حجت ایک پیغمبر کے ذریعہ ان پر تمام ہو چکی تھی، جب ان کے
اعمال و حرکات سے اللہ کے برگزیدہ بندوں کو گزند پہنچنے لگا تو اللہ کا یہ نبی پکارا،

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ
الْكَافِرِينَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ
يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا
فَاجِرًا كَفَّارًا،

اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی
زمین پر باقی نہ چھوڑ، اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دیگا
تو وہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے، اور
ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان ہوگی،

اللہ تعالیٰ کے اعمال کی جزا کا قانون ہے، سرکش و متمرد انسانوں کی سزا
کا جب اعلان ہوا تو نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ،

بیٹوں کی ہلاکت (کرتوتوں کے سبب تم ہی پر آئی)

کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند تھا، جو اس کے خاندان کے ماحول کا اثر تھا، مشرکہ والدہ کی آغوش تربیت کا نتیجہ کہ آپ کی نصیحت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا

داعی کے آزمائش و امتحان کے طریق بھی عجیب ہیں۔ قوم مخالف، خاندان بیزار، بیوی کافر، پسر نافرمان، ان حالات میں جب دعوت کی ناکامی سامنے آئی تو اس وقت داعی کے اضطراب کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے!

عذاب الٰہی کے آثار بڑھنے لگے تو شفقت پدری جوش میں آگئی، نوح علیہ السلام اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا اے اللہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے، اس کو اس عذاب سے نجات دے، بارگاہ خداوندی سے تنبیہ ہوئی کہ ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں کہ یہ بات بھی بھول جائے کہ آج تو نجات صرف مومنین کے لئے ہے، اس کے کفر نے اسے تیرے اہل سے بھی نکال دیا، اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ،

جب خدا تعالیٰ کا یہ خطاب عتاب آمیز سنا تو حضرت عبدیت کرتے ہوئے سجدے میں گر گئے اور مغفرت طلب کی،

پانی کی سطح برابر بڑھ رہی تھی، اپنے بیٹے زد میں، مگر یہ تقاضائے بشریت تھا کہ وہ کسی طرح اس عذاب کی گرفت سے بچ جائے، پھر آواز دی

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا — اے نوح! تو ہماری حفاظت میں ہماری وحی
وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا — کے مطابق سفینہ تیار کرکے جا اور اب مجھ سے
اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ، — اُن کے متعلق کچھ نہ کہو یہ بلاشبہ غرق ہونے والے ہیں

کشتی تیار ہونے لگی، جب یہ اُدھر گذرتے تو ہنسی اور مذاق کی باتیں کرتے اور کہتے کہ خوب! جب ہم غرق ہونے لگیں گے تب تُو اور تیرے پیرو اس کشتی کے ذریعہ نجات پا جائیں گے، یہ ایک احمقانہ خیال ہے،

آخر ایمان والوں نے اپنا سفینہ تیار کر لیا، اور خدا کے عذاب کا وقت آپہنچا عذاب کی پہلی علامت ظاہر ہوئی، زمین کی تہہ سے پانی کا چشمہ اُبلنا شروع ہوا، تو حکم ہوا کہ اپنے خاندان کو کشتی میں بیٹھنے کا حکم دو، اور اُن چالیس افراد کو بھی جو کہ ایمان لا چکے ہیں، تمام جانداروں میں سے ایک ایک جوڑا بھی کشتی میں بٹھا لے

پھر آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسائے، چالیس دن اور چالیس رات تک برابر آسمان سے پانی برستا رہا، سمندر کے چشموں سے پانی اُچھلتا رہا، زمین کے چشموں سے پانی اُبلتا رہا،

خدا کے بندوں کی یہ کشتی خدا کی حفاظت میں ایک مدت تک پانی کی سطح پر تیرتی رہی، آخر حکم ہوا،

قِیْلَ یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا — نوح سے کہہ دیا گیا اے نوح ہماری جانب
وَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ — سے تو اور تیرے ہمراہی ہماری سلامتی

دعوتِ ہود علیہ السلام

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ،

پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کیا

آخرت کے یقین کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا راستہ خوشنودی و رضا کا راستہ ہے، انبیاء کی ساری دعوت اسی راستہ کی دعوت ہے، اس سے انحراف کے نتائج دنیا اس سے قبل بھی دیکھ چکی ہے، اور آج بھی دیکھ رہی ہے، کہ انکار و فساد کی یکار فرمائی اقوامِ عالم پر کیا آفت لانے والی ہے،

جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو آخرت کی یاد دلائی تو ایک دوسرے سے کہنے لگے،

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ	تم سے یہ کیا کہتا ہے، یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ
وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا	جب مرنے کے بعد مٹی اور ہڈیوں کا چورا
أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ، هَيْهَاتَ	ہو جاؤ گے، تو پھر تمہیں قبر سے نکالا جائے گا
هَيْهَاتَ ، لِمَا تُوعَدُونَ	کیسی انہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع ہے

اے کنعان، مومنین کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، مگر اس نے جواب دیا،

قَالَ سَآوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ،	کہا میں بہت جلد کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں کہ وہ مجھ کو غرقابی سے بچا لے گا،

نوح علیہ السلام نے پھر کہا،

قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ	آج کوئی خدا کے حکم سے بچانے والا نہیں ہے
اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ	صرف وہی بچے گا جس پر خدا رحم ہو جائے
بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ	پھر ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی،
مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۔	وہ غرق ہونے والوں میں سے ایک ہو گیا،

یہ واقعہ ایک قوم کے اعمال و نتائج کا عبرت خیز واقعہ ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اسوۂ پیغمبر کے احیاء میں اپنی فلاح سمجھیں۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا — زندگی تو بس یہی زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر
نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ — کرتے ہیں، یہیں مرتے ہیں اور یہیں جیتے ہیں
بِمَبْعُوثِينَ، إِنْ هُوَ — یہ کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر ہم جی اٹھیں گے
إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ — کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے جس نے اللہ
كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ — کے نام سے صرف جھوٹ بات بنا دی ہے ہم
بِمُؤْمِنِينَ، — کبھی اس پر یقین لانے والے نہیں،

یہ انکارِ آخرت کا اعلان ہے، جو قومِ عاد کے سرغنوں نے کیا ہے، باقی افرادِ قوم بھی اُن کا ساتھ دے رہے ہیں، اور اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی تکذیب و تحقیر پر کمر بستہ ہیں، لیکن اللہ کا یہ برگزیدہ رسول جس کے چہرے سے دیانت و صداقت کی خوشبو آرہی ہے، کمال لطف و مہربانی کے ساتھ اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کی ترغیب دیتا ہے، اس کی لازوال نعمتوں کی یاد دلاتا ہے، خدا کی عظمت و جبروت بیان کرتا ہے، اس کا جواب متکبرانہ انداز میں ملتا ہے، مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً بتلاؤ! آج دنیا میں ہم سے زیادہ شوکت و جبروت کا کون مالک ہے؟ مگر ہود علیہ السلام برابر دعوت و تبلیغ کا فرض سر انجام دیتے رہے، انھیں غرور و سرکشی کے نتائج سے آگاہ کرتے رہے، کبھی قومِ نوح کے واقعات دہراتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے، مگر عاد نے اُن کی ایک بات نہ مانی، اور کہنے لگے

يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ — اے ہود! تو ہمارے پاس ایک دلیل بھی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ، — ڈرتا ہوں کہ کہیں تم اس کے مستحق نہ ٹھہر جاؤ ،

یہ روز روز کی بحث و تکرار ہمیں پسند نہیں، اگر تو

سچا ہے تو جلدی لے آ عذاب ۔

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ — پس لا تو اس شے کو ہمارے پاس جس کا تو ہم سے

مِنَ الصَّادِقِيْنَ ، — وعدہ کرتا ہو اگر تو واقعی سچوں میں سے ہے،

حضرت ہود علیہ السلام نے کہا، اگر میری مخلصانہ دعوت کا یہی جواب ہے تو

عذاب الٰہی کے لئے تیار ہو جاؤ ،

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ — بلاشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے

رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ، — تم پر عذاب اور غضب آ پہنچا،

عذاب کی پہلی حالت ملک میں خشک سالی کی شکل میں ظاہر ہوئی اور قوم ہود سخت فکرمند ہوئی، پیغمبر نے ایک مرتبہ پھر مشفقانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی، کہا: ابھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آؤ، نجات کی یہی راہ ہے، مگر اس بدنصیب قوم پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی، آخر دردناک عذاب نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، آٹھ دن اور سات راتیں لگاتار ایسی تیز و تند ہوا چلی کہ وہ قوی ہیکل انسان جو کبھی زمین پر چلتے تھے تو گردنیں ان کی اکڑی ہوئی ہوتی تھیں ، جنھیں اپنی توانائی پر گھمنڈ تھا، جنھیں اپنے زور بازو پر ناز تھا، آج ان کے لاشے اس طرح اوندھے پڑے ہوئے تھے کہ جس طرح آندھی میں بڑے بڑے تناور درختوں

یہ باطل عقیدہ ابتداء سے قوموں میں چلا آرہا ہے، کہ اپنے باپ دادا کے رسم رواج اور غلط عقائد کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہیں کرتے، اور یہ اعتقاد رہا ہے کہ اگر ان خود ساختہ طریقوں کے خلاف کوئی شخص آواز اٹھائے گا تو ان اصنام کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا، جب قوم میں ان مشرکانہ عقائد کی وبا پھیلی، وہ صراط مستقیم پر قائم نہ رہ سکی، اگرچہ قوم ہود کے سامنے قوم نوح کی تباہی و بربادی کا لرزہ خیز منظر تھا، مگر یہ اپنے باپ دادا کے طریق کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی، بلکہ اپنے پیغمبر سے جھگڑا کرنے لگی، تو ہود علیہ السلام نے فرمایا،

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ،

کیا تم مجھ سے ان من گھڑت ناموں (بتوں) کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لیا ہو، کہ جن کے متعلق تمہارے پاس خدا کی طرف سے کوئی سند نہیں آئی، اب تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں،

آخر قوم کے بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھی، اور وہ برملا کہنے لگے،

"اے ہود کہاں ہے تیرا عذاب جس کے متعلق تو ہمیں یہ کہہ کر دھمکاتا رہتا ہے،

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ میں تمہارے اوپر بڑے دن کے عذاب کے

وَنُذُرِ، اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ — میرا کھڑکھڑانا؟ ہم نے بھیجی ان پر ہوا تند،
رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ — ایک نحوست کے دن جو ٹلنے والی نہ تھی ہانکا
مُّسْتَمِرٍّ، تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ — پھینکا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی اکھڑی
اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ، فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ — پڑی، پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا!

عبرت و موعظت کی بڑی ہی دردناک داستان ہے قوم عاد کی، مبارک ہو وہ آنکھ جو اس واقعہ کو پڑھتی ہے اور اس سے آنسو گرتے ہیں۔

دعوتِ صالح علیہ السلام

حجاز اور شام کے درمیان وادیٔ قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے قوم ثمود یہاں آباد تھی، اور یہ جگہ "حجر" کے نام سے مشہور تھی، آج کل اس مقام کا نام "فج الناقہ" ہے، دیکھنے والے آج بھی جب ثمود کی آبادیوں کے کھنڈرات پر جاکر کھڑے ہوتے ہیں تو زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ

"واقعی یہ آثار تو بڑی عبرت کی چیز ہیں"،

مصری سیاح جب یہاں پہنچے تو اُن کا بیان ہے کہ ہم نے ایک ایسا مکان دیکھا جو پہاڑ کو تراش کر بنایا گیا تھا، یہ شاہی حویلی کے نام سے موسوم ہے اس میں کئی کمرے اور ایک بڑا حوض ہے،

قرآن پاک ان آثار کی صداقت پر ان الفاظ میں گواہی دیتا ہے،

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ	اے ثمود وہ وقت یاد کرو کہ خدا نے تمھیں قوم
خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ	عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور اس
فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ	سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں

الربع الخالي
الأحقاف

سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۔ | محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش تراش کر گھر بنا لیتے ہو

دنیا کے مورخین قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ لکھتے ہیں تو وہ انسانی شجاعت و عزیمت، بزدلی و بغاوت، سلطنت و حکومت کے تذکرے ہوتے ہیں لیکن قرآن جب کسی قوم کا واقعہ پیش کرتا ہے تو وہ تمام تر حق و باطل کا ایک عبرت خیز معرکہ ہوتا ہے، ایسا بصیرت خیز کہ سننے والے کے دل میں گھر کر جائے اور ایسا بے مثل کہ مردہ دلوں میں بھی ایمان و یقین کی کرن جلوہ گر ہو۔ یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ آج تک دنیا کی کوئی تحریر اس کے اسلوب کا مقابلہ کر سکی، نہ اس کی فصاحت و بلاغت کو پہنچ سکی، فرمایا،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِىٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۔

تمہارا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک ان کے صدر مقام میں ایک رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیات سنائے اور ہم اس وقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے جب تک ان کے بسنے والے ہی ظلم پر نہ اتر آئیں ۔

ثمود ایک بالادست قوم تھے، دنیا کی ہر قسم کی فراوانی انہیں حاصل تھی، بڑے بڑے چشموں اور باغات کے مالک تھے، زندگی کا ہر قسم کا آرام و راحت

شخص کو اس حالت میں ہلاک کر ڈالا جس حالت میں وہ تھا،

وَأَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ — جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک ہولناک
فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ — دہل کر ہلاک نے آ لیا جب صبح ہوئی تو سب
جٰثِمِيْنَ كَأَنْ لَّمْ — اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے اور اس طرح
يَغْنَوْا فِيْهَا، — چپک مرگئے گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے مصاحبین کو جمع کیا، ثمود کے مُردہ اجسام کو مخاطب کرکے فرمایا،

يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ — اے قوم میں نے سب سے پہلے اپنے پروردگار کا
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ — پیغام تم تک پہنچا دیا اور تم کو نصیحت کی لیکن
لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ — تم نصیحت کرنے والوں کو دوست ہی نہیں
النّٰصِحِيْنَ، — سمجھتے،

کتب سیر میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب کبھی ایسی بستیوں پر گذر ہوتا تو آپ وہاں سے اپنی سواری کو تیز کر دیتے، اور صحابہ کرام کو بھی فرماتے کہ یہاں سے تیزی کے ساتھ گذر چلو، کہ یہاں مغضوب انسانوں کی آبادیاں تھیں، جن پر خدا کا عذاب آیا،

ایک مرتبہ آپ ان مقامات سے گذر رہے تھے، جو کبھی قوم ثمود کا مسکن تھا آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں قوم صالح

بِسُوْءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ، کی اذیت نہ پہنچانا، ورنہ فوراً عذاب تمہیں آ پکڑیگا

دولت و طاقت کا نشہ بھی ایک عجیب نشہ ہے، حق بات کے قبول کرنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں، پند و موعظت کا کوئی خطاب کام نہیں دیتا آنکھیں ایسی اندھی ہو گئیں کہ مخلص پیغمبر کی مخلصانہ بات کا کچھ اثر نہیں، اس کی درد و اضطراب میں ڈوبی ہوئی آواز بھی بے اثر ہے۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا — لیکن ان لوگوں نے ضد میں آکر اونٹنی کو ہلاک

فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ — کر ڈالا، تب صالح نے کہا اب تمہیں صرف

اَيَّامٍ ، — تین دن کی مہلت ہے اپنے گھروں میں کھا پی لو۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب اونٹنی کے دردناک طریق پر قتل کا حال معلوم ہوا تو درد بھری آواز میں فرمانے لگے۔

"اے بدبخت قوم! آخر تجھ سے صبر نہ ہو سکا، اب عذاب الٰہی تم پر آیا چاہتا ہے"

واقعہ ناقہ کے اگلی صبح عذاب کی علامات ظاہر ہونا شروع ہوئیں، خوف و وحشت کے مارے پہلے اُن کے چہرے زرد ہو گئے، دوسرے روز اُن کے چہروں کی رنگت سرخ پڑ گئی، یہ خوف و ہراس کا دوسرا درجہ تھا، تیسرے دن اُن کے چہرے مسخ ہو گئے، اُن پر سیاہی اور تاریکی چھا گئی، اور رات کے وقت ایک مہیب آواز نے، ایک کپکپا دینے والی چیز نے، ایک کڑکت چیخ نے

دعوت ابراہیم علیہ السلام

انبیا علیہم السلام کی ساری دعوت اللہ کے یقین کی دعوت ہے، عذاب و عقاب کا یہ سلسلہ اسی یقین کے انکار کا نتیجہ ہے، عقیدۂ توحید اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے، توحید کا ضد شرک ہے، جس سے ہر پیغمبر نے آکر نفرت و بیزاری کا اعلان کیا، توحید سے مقصود یہ ہے کہ خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا شرک کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اور صفتوں میں کسی دوسری ہستی کو شریک کرنا، توحید ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ڈرنے اور جھکنے کی سزاوار صرف خدا کی ذات ہو اس کے سوا کوئی طاقت نہیں کہ جس سے ڈرا جائے یا جس کے سامنے جھکا جائے۔

اسوۂ ابراہیم تمام تر توحید کی ایک سرگذشت ہے، ایک ایسی سرگذشت کہ کسی قوم کی تاریخ دعوت حق کے لئے قربانی کی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی،

اللہ کا یہ داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرتا ہے تو ہر تکلیف و راحت سے بے نیاز ہوکر اپنا فرض سرانجام دیتا ہے، اگر اس راہ میں اسے پھولوں کی سیج ملے یا اس کا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے تو بھی وہ تبلیغ حق سے

نے نشان طلب کیا تھا، تم نشانیاں طلب نہ کیا کرو۔ اس قوم کے لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا تھا جس کے سبب ان پر چیخ کا عذاب مسلط ہوا اور وہ سب کے سب گھروں کے اندر ہی مردہ پائے گئے، صرف ایک شخص ابو رغال جو حرم میں گیا ہوا تھا باقی بچ گیا لیکن جب وہ حدود حرم سے واپس آیا تو وہ بھی اس عذاب سے نہ بچ سکا۔

محدث ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ کا گذر اس بستی پر ہوا تو صحابہؓ نے ثمود کے کنوئیں سے پانی بھر لیا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ پانی گرا دو اور ہنڈیاں انڈیل کر آٹا ضائع کر دو کہ یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا، یہاں نہ قیام کرو نہ یہاں کی چیزیں استعمال کرو بلکہ آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی کوئی آفت آجائے نیز فرمایا کہ جب تمہارا گذر ان بستیوں پر ہو تو نہایت عاجزی کے ساتھ گذرو اور روتے ہوئے ان بستیوں میں داخل ہوا کرو۔

اے اللہ! ہمیں اپنی فرمانبرداری میں زندہ رکھ اور ہمیں موت آئے تو تیری فرمانبرداری میں اور ہمارا حشر بھی فرمانبرداروں میں فرما۔

آمین

نہیں رہ سکتا،

يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن — اے ابا جان! میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ
يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ — خدائے رحمان کی طرف سے کوئی عذاب تجھے
الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ — آگھیرے اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے،
لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا

یہ کیا بات ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اس محبت پدری کے باوجود اپنے باپ کو چھوڑ رہے ہیں، صرف ایک خطا پر اور ایک ہی جرم کہ وہ شرک سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہیں، اور توحید کی دعوت دے رہے ہیں

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ — اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا
آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي — کیا ٹھہراتا ہے تو بتوں کو خدا، میں تجھ کو اور تیری
أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، — قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں،

اس سے قبل باپ مخالف تھا، لیکن جب دعوت و تبلیغ کا حلقہ وسیع ہوا تو آپ قوم سے بھی چند سوال پوچھنے لگے،

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ — کہا یہ کچھ سنتے ہیں تمہارا جب تم پکارتے ہو
أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ قَالُوا — یا کچھ بھلا کرتے ہیں یا برا، بولے نہیں، پر ہم نے
بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ، — پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے،

اس کا نتیجہ ہوا کہ قوم بھی مخالف ہو گئی، داعی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح

باز نہیں آتا، قربانی و جاں بازی کی راہ میں اس کا جو قدم اٹھتا ہے پھر اس طرح
جم جاتا ہے کہ نہ تو اسے کوئی طمع ہلا سکتی ہے، اور نہ اسے کوئی خوف ڈرا سکتا ہے، وہ
اپنی دعوت میں سمندر کی طرح پُرجوش ہوتا ہے، اور پہاڑ کی طرح مضبوط،

نزول الجبال الراسیات وقلبهم
علی العهد لا یلوی ولا یتغیّر

ایک جان ہے اور قدم قدم پر مقابلہ، باپ کہتا ہے، ابراہیم کیا تو باپ دادا
کے دین سے نکل گیا! میں تجھے سنگسار کر دوں گا،

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِيْ — ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے،
يَا إِبْرَاهِيْمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ — اور کہا اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسا
لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ — ر کرکے چھوڑوں گا، اگر جیتا رہنا ہے تو جان سلامت
مَلِيًّا، — لے کر مجھ سے الگ ہو جا،

اِس کا جواب اللہ کا یہ مواحد ان الفاظ میں دیتا ہے،

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ، سَأَسْتَغْفِرُ — ابراہیم نے کہا سلام علیک! اچھا میں سلام کہتا
لَكَ رَبِّيْ إِنَّهُ كَانَ بِيْ حَفِيًّا، — میں الگ ہو جاتا ہوں اب میں اپنے پروردگار سے
بخشش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے

اپنے باپ کے متعلق اپنے اندوہ و فکر کا اظہار جن الفاظ میں کرتے ہیں، وہ
ایک قابل قدر یادداشت ہے جس سے رقیق القلب انسان متاثر ہوئے بغیر

سے بے نیاز ہو کر اپنی دعوت میں کوئی کمی نہیں ہونے دیتا۔ اس کی نگاہ دعوت کے نتائج
پر نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کے امر پر ہوتی ہے، وہ اس کے حکم کو دیکھ کر جانبازی سے لگا ہوا
ایمان کا خلاصہ اور عمل کی روح استقامت علی الدعوت کو کہتے ہیں اور

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ، — وہ جو ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو نہ ان کے لئے کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے،

کا مضمون اس کے سامنے ہوتا ہے،

اللہ کی یہ آیات آپ کے سامنے ہیں جس عقیدۂ توحید پر حضرت ابراہیم
علیہ السلام اپنی قوت صرف فرما رہے ہیں کیا امت محمدیہ آج اپنے اس مورث اعلیٰ کے
نقش قدم پر قائم ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم لکڑی اور پتھروں کے بتوں کی پرستش کے
ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتی تھی، آپ نے ہر قسم کے دلائل دے کر اپنی تبلیغ
کر کے ان کو قائل کرنے کی کوشش کی، جب رات کو اندھیرا چھا گیا تو ایک چمکتے ہوئے
ستارے کو دیکھ کر کہنے لگے، یہ خدا ہے، جب وہ ڈوب گیا تو کہا یہ ستارے تو ڈوبتے
اور نکلتے ہیں، یہ خدا نہیں ہو سکتے، پھر جب چمکتا ہوا چاند نکل آیا تو کہا یہ میرا خدا ہے
مگر جلدی وہ بھی غروب ہو گیا، کہا یہ خدا نہیں ہو سکتا، جب سورج نکلا تو کہا یہ ضرور
خدا ہے کہ یہ بڑا ہے، لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر
فرمایا،

اب وہ ایک آخری اور فیصلہ کن ٹکر کے لئے تیار ہو گئے، قریب ہی عرصہ میں
قوم کا ایک مذہبی میلہ آگیا جس میں شریک ہونے کے لئے سب چلے گئے حضرت
ابراہیم علیہ السلام اسی وقت اور موقع کے منتظر تھے، کہ دیوتاؤں کی حقیقت ان پر
واضح کریں، آپ اس بڑے ہیکل میں پہنچے جہاں مورتیوں کے سامنے قسم قسم کے
کھانے بطور چڑھاوا رکھے ہوئے تھے، مخاطب ہو کر کہا، اے دیوی دیوتاؤ تمہیں
کیا ہو گیا ہے، تم یہ کھانے کیوں نہیں کھاتے؟ اور نہ ہی میری کسی بات کا جواب
دیتے ہو، پھر ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا، اور سب سے جو بڑا بت تھا، اس کو چھوڑ دیا
اور اس کے کندھے پر وہ گرز رکھ دیا جس سے قوم کے بتوں کو نیچے گرایا تھا،

فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ — پس چپکے سے گھس گیا ان کے دیوتاؤں میں
أَلَا تَأْكُلُونَ مَا لَكُمْ لَا — تم کیوں نہیں کھاتے تمہیں کیا ہو گیا، کیوں نہیں
تَنطِقُونَ، فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا — بولتے، پس کر دیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ان میں
إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ — بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع
إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ، — کریں، اور کہیں کیا ہو گیا،

جب لوگ میلہ سے واپس آئے تو بتوں کا یہ حال دیکھ کر پکار اٹھے،

قَالُوا مَن فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا — وہ کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے خداؤں کے ساتھ
إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ، — کس نے کیا ہے بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے، ان
قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى — میں سے بعض کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو

ادا کر دیا، بلکہ عدم سے وجود میں لانے کا امر بھی ہے، وہی موت پر قدرت رکھتا ہے کذب کی بڑی دلیل ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا یہ کیسا تھا، فوراً ایک دوسری بات کہہ دی جس سے وہ مبہوت ہو کر رہ گیا

قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ۔ ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔

یہ دلائل و براہین کی تیری پیش کش تھی جسے دلوں کی کثافت قبول نہ کر سکی اب کوئی بھی نہیں جو مونس و مددگار ہو، باپ دشمن، عوام مخالف، بادشاہ جان لیوا، نفرت وحقارت کا ہر جانب ہجوم، ایک داعی کی ذات کو حق کی راستہ کے اندھیروں میں چل رہی ہے، اس راستے کی خوفناک گھاٹیوں کو عبور کر رہی ہے، اس راستے کی روح فرسا منزلوں کو طے کرتی جاتی ہے۔

مادی سہارے ختم ہیں، دنیاوی اسباب کا کہیں پتہ نہیں چلتا، انسانی حمایت و نصرت کی تمام راہیں مسدود ہیں، اس راہ میں اسی لئے تو ایک جان نثاری تھی کہ یہ راستہ بہت ہی دشوار ہے اس اعتبار سے دیکھا ہے کہ انبیاء کا راستہ کوئی معمولی راستہ نہیں، آج اگر اس راستے کی حقیقتیں ہم سے پوشیدہ ہیں تو اس راستے کی عظمتیں بدستور قائم ہیں۔

اللہ کے اس خلیل کے لئے سزا تجویز ہوئی ہے کہ اُسے آگ میں ڈال دیا جائے
ب کا الاؤ مسلسل کئی دن تک جلتا رہا، جب اس کی تپش قرب و جوار کی چیزوں کو
ملسانے لگی، تب ابراہیم علیہ السلام کو اس دہکتی آگ میں ڈال دیا گیا،
خالقِ تاثیر نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا، آگ
ں وقت ٹھنڈی ہو گئی،

جو انسان اس کلام کو وحیِ الٰہی کا کلام سمجھتا ہے، اُسے اس کی صحت و تسلیم میں ذرہ بھر
ی شک نہیں ہو سکتا، جس زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے ہیں اُس کی صداقت
ا آزمائی جا چکی ہے، اور پھر یہ یقین کہ تمام اشیاء میں خواص و تاثیر پیدا کرنے کی
قت خدا کو ہے، وہ چاہے تو اس تاثیر کو سلب کر لے، یا بدل دے،

فلسفہ اور سائنس پر اعتقاد رکھنے والے بھی اس معجزہ سے انکار نہیں کر سکتے، کہ
ب سائنس کی مدد سے ایسی گیسیں ..... تیار ہو گئی ہیں کہ ان کی موجودگی میں
ی سے بڑی آگ بھی جلانے کی قوت نہیں رکھتی، اور ایسے فائر پروف تیار ہو گئے
ں کہ انسان آگ کے شعلوں میں کود جاتا ہے، مگر اس پر آگ کا کچھ اثر نہیں ہوتا،
انسان کی تدبیر اشیاء کے خواص اور اس کی تاثیر پر غالب آ سکتی ہے، تو جو انسان کا
خالق ہے اس کو یہ قدرت نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی خاص موقع پر کسی شے کے خاصہ
عمل سے روک دے،

بہرحال مخالفین کی سازش ناکام ہوئی، ابراہیم علیہ السلام کیونکہ اس سرزمین

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ — اے پروردگار مجھے نیک اولاد عطا کر، پس ہم نے

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ — اُسے ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی،

یہ فرزند اسماعیل کی خوش خبری تھی جو ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ سارہ
کے ہاں ابھی تک کوئی بچہ نہیں ہوا تھا، جب اسماعیل پیدا ہوئے تو انھیں شاق
گذرا، اور ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہ اور اسماعیل کو کسی دوسری جگہ جا کر
چھوڑ آئیے، یہ میرے پاس نہ رہیں،

اگرچہ یہ سخت ناگوار تھا کہ ایک ننھی جان اور اس کی والدہ کو جدا کریں، لیکن
حکم خداوندی کی جب تائید شامل ہوئی تو تیار ہو گئے، ہاجرہ اور شیر خوار بچے کو ہمراہ
لیا، ایک ویران اور غیر آباد جگہ پر پہنچے، جہاں نہ کوئی انسانی آبادی تھی، اور نہ پانی کا
نام و نشان، ایک مشکیزہ پانی کا اور کچھ کھجوریں اُن کے پاس چھوڑ کر خاموش واپس
ہو گئے، تو ہاجرہ اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی ہولیں کہ اے ابراہیم آپ ہمیں اس
وادی میں چھوڑ کر کہاں چل دیئے، کیا یہ خدا کا حکم ہے، آپ نے کہا ہاں یہ خدا کے
حکم سے ہے، ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں اگر یہ خدا کا حکم ہے تو وہ ہمیں کبھی
ضائع نہیں کرے گا،

اگرچہ ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو مکہ کے بیابان میں چھوڑ آئے
تھے، لیکن آپ اکثر اس بے آب و گیاہ صحرا میں آتے اور اپنے اس خاندان کی
دیکھ بھال کرتے،

دعوتِ لوط علیہ السلام

سرزمینِ اردن کے آثار بھی عجیب آثار ہیں، تاریخ کی اس کے دامن میں ایک ایسی قوم کی یادداشت محفوظ ہے، جہاں سے عبرت، عبرت کی صدا بلند ہو رہی ہے، اردن کا وہ مقام جو آج بحرِ لوط کے نام سے مشہور ہے یہ قطعہ سمندر نہ تھا، بلکہ قطعہ زمین تھا جہاں سدوم اور عامورہ کی خوشنما بستیاں آباد تھیں، لیکن آج صرف ساحل کے قریب بعض مقامات پر ان بستیوں کے تباہ شدہ آثار دیکھنے میں آتے ہیں،

حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و قربانی کا پہلا ثمر تھے ایک جلیل القدر پیغمبر کی صحبت سے مقامِ ولایت حاصل کیا، پھر رتبۂ پیغمبری سے سرفراز ہوئے، اور اپنی قوم کو نیکی و طہارت کی زندگی کی دعوت دینے لگے،

قوم وہ فحش خصائل اختیار کر چکی تھی جنہیں اخلاقی پستی کا اسفل ترین درجہ کہا جاتا ہے آپ کی پاکیزہ باتوں کا یہ جواب ملتا تھا،

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ — اور ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ

قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ — کہنے لگے ان (لوط اور اس کے خاندان) کو اپنے شہر

بیت اللہ کی تعمیر کے وقت جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی
تھی، اس کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا کہ یہ ملت ابراہیمی کے لیے قبلہ، اللہ کے سامنے
جھکنے کا نشان، اور توحید کا مرکز قرار پایا،

جس قدر عظیم قربانیاں تھیں، اسی قدر عظیم اس کے ثمرات و نتائج مرتب ہوئے
اس جگہ کو نوازا جہاں صرف اللہ کی مرضی دیکھی جا رہی تھی، جب انسان کی اپنی کوئی
خواہش نہ تھی، ایسا نوازا کہ عالم پر اس جگہ کو مسلط کر دیا، وہ چند ریزے بھی جو ضعیف
ہاتھوں سے اٹھائی گئی تھی، لیکن ان ہاتھوں میں اخلاص تھا، وہ ہاتھ ایسے نوازے
گئے کہ مرجع خلائق بن گئے، جس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر ہوئی وہ پتھر بھی بارگاہ
الٰہی میں مقام ابراہیم کا لقب حاصل کر گیا،

یہ راہِ خداوندی میں قربانی کے ثمرات ہیں، قیامت تک
ان نفوس کے حصہ میں رحمتیں اور برکتیں ہیں،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ،

اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَ، سے نکال دو یہ بہت ہی پاک لوگ ہیں،

لوط علیہ السلام کے ساتھ قوم کا مذاق بھی ہوتا رہا، وہ ٹھٹھا بھی کرتے رہے، اور آپ یہ طنز بھی سنتے رہے کہ بڑے پاکباز آئے ہیں، ان کا ہماری بستی میں کیا کام! جب ذرا بھی اپنے بداعمال پر نادم نہ ہوتے اور اپنی مجالس میں اعلانیہ اپنے بُرے اعمال کے تذکرے کرتے اور اُن پر فخر کرتے، تو غم کے سبب حضرت لوطؑ کا دل بھر آتا، اور مخاطب کرکے کہتے،

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ، اور لوطؑ کا واقعہ، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسے فحش کام میں مشغول ہو جس کو دنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا،

قوم نے لوط علیہ السلام کو اذیت دینی شروع کی، تاکہ یہاں سے چلے جائیں اور ان کی زندگی پر حرف گیری کا سلسلہ ختم ہو، مگر داعی کی زندگی تو ان ہی مصائب و آلام کے لئے ہوتی ہے، وہ صبر و استقامت سے نوازا جاتا ہے، وہ اپنی جان سے زیادہ تسلیم و رضا کی جستجو میں ہوتا ہے، حضرت لوطؑ شدائد و مصائب کی آندھیوں سے گذرتے رہے، اور ایک ایسا بھی سخت وقت قوم کی طرف سے اُن پر آیا کہ آپ دُکھ اور درد بھرے دل کے ساتھ پکار اُٹھے۔

لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ، کاش میرے لئے تم سے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا پناہ ملتی کسی زبردست قوت پناہ کے ساتھ،

دعوتِ یحییٰ علیہ السلام

دبی آواز سے کوئی اپنے رب کو پکار رہا ہے اور یہ دعا کر رہا ہے کہ:

"اے میرے پروردگار، میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور سر ہے کہ
بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا ہے اور اے میرے پروردگار
تیری جناب میں دعا کر کے میں کبھی محروم نہیں ہوا اور مجھے
مجھ کو اپنے بھائی بندوں سے خوف ہے کہ کہیں میرے بعد دین میں
کچھ خرابی نہ ڈالیں، اور میری بیوی بانجھ ہے، پس اپنی طرف سے
مجھ کو ایک جانشین یعنی فرزند عطا فرما، جو میرا بھی وارث ہو اور
نسل یعقوب کا بھی وارث ہو یعنی دین کو سنبھالے۔"

یہ داعی کی شان ہے کہ تحریک دعوت کا ہر آن فکر ہے کہ میرے بعد کیا ہوگا!
ایک جانشین فرزند کے لئے دعا طلب کی گئی ہے تاکہ دین میں خرابی
پیدا نہ ہو، یہ کام بدستور ہوتا رہے۔

زکریا علیہ السلام کی دعا بارگاہ رب العزت میں مستجاب ہوئی، آواز آئی

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ،

نہیں وہ پیچھے وہ جائے گی اور جو کچھ ان لوگوں
پر گذرنا ہے وہ صبح ہی گذر جائے گا ان لوگوں
کے لئے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور
صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں اور جب ہماری
ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آپہنچا تو لے پچھڑ
ہم نے اس بستی کی تمام بلندیاں پستی میں
بدل دیں، اس بستی کو الٹ دیا اور زمین کے برابر
کر دیا، اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر
لگاتار برسائے اگر تیرے پروردگار کے حضور
نشان کئے ہوئے تھے، یہ بستی نافرمانوں سے کچھ
دور نہیں، یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے
گذرتے رہتے ہیں اگر چاہیں تو اس سے عبرت
پکڑ سکتے ہیں،

سدوم اور عمورہ کی یہ جیتی جاگتی آبادیاں چشم زدن میں زیر و زبر ہو گئیں،
اس لئے کہ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ کے سبب اُن پر یہ عذاب آیا،
چار سو میٹر زمین کا مسکن انسانوں کی بستی کا خطہ تھا ایسا سمندر کے نیچے چلا گیا
کہ پانی اُبھر آیا، آج اسی کا نام بحر لوط ہے، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۔
"بلاشک اس واقعہ میں اُن لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو پہچان رکھتے ہیں"

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً — اور رقت قلب بخشی ہم نے اپنے خاص فضل سے
وَكَانَ تَقِيًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ — اور نرمی دل اور نفس کی پاکی عطا فرمائی وہ پرہیزگار
وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۔ — ماں باپ کا خدمت گزار تھا سخت گیر اور
وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ — نافرمان نہ تھا اس پر سلامتی ہو جس دن وہ پیدا
يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۔ — ہوا جس دن وہ مرے اور جس دن پھر زندہ کیا جائے گا

منصب نبوت پر فائز ہوتے ہی ذمہ داریوں کا احساس اس قدر بڑھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ سے دعوت و تبلیغ میں کوتاہی ہوئی تو مجھے خوف ہے کہ کہیں عذاب الٰہی کا نشانہ نہ بن جاؤں۔ اس راہ میں اپنے آپ کو اس طرح پیش کیا کہ بیت المقدس آپ کی تعلیمات کا مرکز بن گیا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق بنی اسرائیل کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

پہلا حکم یہ تھا کہ اے بنی اسرائیل ایک اللہ کی اطاعت و عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوسرا یہ کہ نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرو تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہو۔

تیسرا ۔ روزہ رکھو۔

چوتھا ۔ مال میں سے صدقہ نکالا کرو تاکہ آفات و مصائب سے نجات پاؤ۔

پانچواں یہ کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ معصیت و گناہ سے محفوظ رہو۔

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا

اے زکریا! ہم بیشک تم کو بشارت دیتے ہیں ایک فرزند کی، اُس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس سے قبل ہم نے کسی کے لئے یہ نام نہیں ٹھہرایا،

اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں اُن کے اندر وہ خصوصیات رکھ دی تھیں جو عام بچوں میں نہیں ہوتیں، جب لڑکے ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے اصرار کرتے تو وہ اُن سے کہتے، خدا نے مجھے کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا، یہ دیکھا گیا ہے کہ جن بچوں کے سینے رشد و ہدایت کے لئے کھل جاتے ہیں اُن کے احوال بدل جاتے ہیں، عموماً ان کے اندر غیر معمولی تغیر رونما ہوتا ہے، صلاحیتیں عود کر آتی ہیں، اور کچھ ایسی باتیں ان سے سرزد ہونے لگتی ہیں کہ ایک عام انسان سمجھ نہیں سکتا، صاحب کتاب کی عمر پانچ برس ہوگی، کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ ہم سفر تھے، راستہ میں نماز کا وقت آگیا، لاری کا سفر تھا، سفر کے دوران میں نماز کا خیال غالب رہا، گھر پہنچتے ہی والدہ سے پہلا جملہ یہی کہا، امی! میری نماز ضائع ہوگئی، جب حضرت نظام الدین میں آخرت کا سفر پیش آیا تو وہاں بھی نماز کی یاد ستاتی تھی، اور کہتے تھے، میں نماز پڑھوں گا،

یحییٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا،

يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا

اے یحییٰ کتاب الٰہی (توراۃ) کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کر، چنانچہ وہ لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کو متوجہ ہو کر فرمایا میں بھی تمھیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں،

۱۔ جماعت کے اندر رہو، ۲۔ اچھی باتیں سنو،

۳۔ ان کی اطاعت کرو، ۴۔ انکو دوسروں تک پہنچانے کیلئے ہجرت کرو،

۵۔ جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کے راستہ میں جان اور مال کے ساتھ جہاد کرو،

یحیٰی علیہ السلام کی اشاعت دین کا سلسلہ وسیع ہوا، تو یہود مخالفت پر اتر آئے، اللہ کی آیات کا انکار کرنے لگے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی جو بشارت حضرت یحیٰی دے رہے تھے، اس سے اور زیادہ برافروختہ ہوئے چنانچہ فرمایا،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل
وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ، کرتے ہیں ناحق پیغمبروں کو،

بنی اسرائیل کے مظالم اور نافرمانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے صرف ایک دن میں تینتالیس نبیوں کو اور ایک سو ستر مبلغین کو قتل کر دیا تھا، جو اُن کو امر بالمعروف کی دعوت دیتے تھے،

یحیٰی علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ بھی اس قوم کے ہاتھوں ہوا، جب یہ یحیٰی علیہ السلام کا کام تمام کر چکے تو زکریا علیہ السلام کی تلاش میں نکلے،

فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ — کہ میں تمہیں بتاؤں ایک گھرانہ جو اس کی پرورش
يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ ۔ — کریں تمہارے لئے۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے، اس کی وہ گود جو خالی کی گئی تھی بچہ کی شادمانی کا اس رنگ میں مظاہرہ کرتی ہے۔

فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ — اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں
كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا — لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور
وَلَا تَحْزَنَ ۔ — بچہ کی جدائی سے غمگین نہ ہو۔

عمران کا یہ فرزند تربیت شاہی میں جب جوان ہوا تو ایک پُر جلال شخصیت کا مالک تھا، وہ سمجھتا تھا کہ میرا نہ شاہی خاندان سے کوئی تعلق ہے نہ کسی مصری خاندان سے قرابت، بلکہ میں اسرائیلی ہوں، وہ اب یہ مشاہدہ کرنے لگا تھا کہ بنی اسرائیل ایک غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اور سخت مظالم کا شکار ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن ایک مصری کو جان سے مار دیا جو ایک اسرائیلی کو ذلت کے ساتھ گھسیٹ رہا تھا، اس دن کسی کو علم نہ ہو سکا لیکن دوسرے دن جب اسی شخص کے ساتھ پھر واقعہ پیش آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بھی جھڑک دیا، جس کی وجہ سے وہ بولا،

أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ — جس طرح کل تو نے ایک قبطی کو ہلاک کر دیا تھا

دعوتِ موسیٰ علیہ السلام

ماں کی ممتا بھی عجیب چیز ہے، بچہ پیدا ہوا تو بھی فکرمند کہ قاتلوں کے ہاتھ نہ لگ جائے، تین ماہ ڈرتے اور کانپتے ہاتھوں سے گذار دیئے، حالات کی نزاکت کے احساس نے مجبور کیا تو اپنے ہاتھوں دریا میں ڈال دیا، اور پھر پریشان ماں کو آخر چین آئے تو کیسے، آواز آئی،

وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ — نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے
اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ، — اس کو تیری طرف،

خالقِ کائنات ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ بچے کو دشمن کے گھر پہنچا دیا، اور اسے ہی کو ڈھال بنا دیا،

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ — بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک
لِّیْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ، — ہے میرے لئے اور تیرے لئے اس کو مت ماریو،

لیکن ماں کو قرار آئے تو کیوں کر، اب اس کا سامان ہوتا ہے، بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا، آخر اس کی بہن جو خفیہ طور پر وہاں پہنچ گئی تھی اُن سے کہتی کہ

نَفْسًا بِالْاَمْسِ، اسی طرح آج مجھ کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے،

اب قاتل کا سراغ مل چکا تھا، جلاد کو حکم ہوا کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے، دیکھئے قدم قدم پر کس طرح اللہ کی نصرت آ رہی ہے، بچاؤ کی دعوت کا سامان ہو رہا ہے، ایک شخص نے آکر خبر دی اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ مصری جماعت تیرے قتل کا مشورہ کر رہی ہے،

یہ خبر پاتے ہی آپ ارضِ مدین کی طرف بھاگ گئے، شہر میں پہنچے تو یہ منظر تھا،

وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پانی پلاتے ہوئے
يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ پایا، ان سے دوسری طرف دو لڑکیوں کو کھڑی
امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ، تھیں اپنی بکریاں،

یہاں بھی کمزور کو حالت بے کسی میں دیکھا، اور آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، لڑکیاں جب گھر پہنچیں تو انھوں نے اس بات کا تذکرہ اپنے ضعیف باپ سے کیا، تو ان میں سے ایک لڑکی ان کو بلانے کے لئے آئی اور کہا،

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى پھر آئی اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک
اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ چلتی تھی شرماتے ہوئے بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے،

موسیٰ علیہ السلام نے اس شیخ کبیر کو اپنا تمام قصہ کہہ سنایا، تو اس نے ان الفاظ میں تسلی دی،

تجھے اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے، پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے

اس کو کان لگا کر سن،

اللہ کے دین بھی نرالے ہیں، کل جو بکریوں کا چرواہا تھا آج منصب نبوت سے سرفراز ہو رہا ہے، نبوت ایک وہبی چیز ہے، عطیۂ الٰہی ہے وہ منصب ہے جہاں کسب ریاضت کی رسائی ناممکن ہے،

موسیٰ علیہ السلام حیران کھڑے ہیں، پھر آواز آئی،

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ — موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے،

"یہ میری لاٹھی ہے، اس پر بکریاں چراتے وقت سہارا لیا کرتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں"

أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ — موسیٰ اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو،

"موسیٰ نے لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا، پس وہ ناگہاں زندہ جن کر دوڑنے لگا،"

موسیٰ یہ دیکھ کر گھبرا گئے، اور وہاں سے بھاگے ہی والے تھے کہ آواز آئی،

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا — فرمایا موسیٰ اس کو پکڑ لو، اور مت گھبراؤ ہم

سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ، — اس کو اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے،

یہ داعی کے لئے سامانِ دعوت کا پہلا تحفہ تھا، لیکن ایک قاہر اور جابر حکومت کے ساتھ ٹکر تھی، داعی کے ثابت قلب کے لئے ایک دوسری عجیب

گھر پرورش پائی، اور آج پیغمبر بن کر سامنے آیا ہے، اور بنی اسرائیل کی رہائی چاہتا ہے،

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ،

(اے فرعون) میرے ساتھ تیرا یہ احسان جتاتا ہے بڑا احسان ہے کہ ساری قوم بنی اسرائیل کو تو غلام بنائے رکھے،

اور کیا تو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ تو ہی زمینوں اور آسمانوں کا خالق ہے، اور کائنات کا یہ سارا کارخانہ تیرے ہی قدرت میں ہے؟ ایمان لا! اس رب العالمین پر ایمان لا جس نے تجھے اور تیرے باپ دادا کو پیدا کیا،

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ .

بولا فرعون (لوگو) یہ تمہاری طرف جو رسول بھیجا گیا ہے یہ پاگل ہے،

پھر اپنے مشیر ہامان سے مخاطب ہو کر بولا،

فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ ،

اے ہامان اینٹیں پکا اور ایک بہت بلند عمارت بنا تاکہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کا پتہ لگا سکوں،

یہ طنز اس زمانہ کا طنز تھا، آج کے استہزا کا طریق کیا ہے!
موسیٰ علیہ السلام فرعون کی کج بحثی کو سمجھ گئے، اور کہا میں تو اپنی صداقت

هٰرُوْنَ اَخِیْ، میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے

اس کے جواب میں فرمایا،

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی، اے موسیٰ تیری درخواست منظور ہوئی،

اِذْهَبَآ اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ تم دونوں جاؤ ان لوگوں کے پاس جنھوں نے

کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا، جھٹلا رکھا ہے ہماری باتوں کو،

"اے فرعون! ہم کو خدا نے پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا ہے، ہم تجھ سے کسی مال یا دنیاوی جاہ و منصب کے طالب نہیں ہو کر آئے ہیں، بلکہ ہم دو باتوں کے لئے آئے ہیں، ایک یہ کہ خدا پر ایمان لا، دوسرے یہ کہ ظلم سے اپنا ہاتھ روک، اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے، اس قوم کو اجازت دے کہ وہ میرے ساتھ پیغمبروں کی اس سرزمین میں جا کر رہے، جہاں یہ صرف خدائے واحد کی ہی پرستش کرنے والے ہوں، ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں کوئی بناوٹ نہیں، اور نہ ہم خدا تعالیٰ کے ذمہ کوئی غلط بات لگانے والے ہیں حق و صداقت کے اس پیغام کو قبول کر، اگر تجھے اس میں کچھ کلام ہے تو تجھے وہ نشانیاں بھی دکھانے کے لئے تیار ہیں جو ہم ساتھ لائے ہیں،

فرعون یہ باتیں سُن کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ وہ دن یاد کر جب تو نے میری ہی

کے دو نشان لایا ہوں، قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فرعون نے
کہا اگر تو سچا ہے تو وہ نشان دکھا،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، اس وقت وہ
ایک اژدہا تھا، پھر اپنے ہاتھ کو بغل میں لے جا کر نکالا تو وہ ایک روشن ستارے
کی طرح چمک رہا تھا،

نسیم سحری کا ایک ہلکا سا جھونکا پھول کی نازک پنکھڑیوں کو ہلانے کے
لئے کافی ہوتا ہے، لیکن بڑے بڑے تناور درختوں کو تند ہوا کے جھونکے بھی
نہیں ہلا سکتے، یہ معجزات موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے معمولی گواہ تھے
لیکن

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ   فرعونیوں کی قوم کے سرداروں نے کہا
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ   یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے اس کا ارادہ ہے
يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ   کہ تم کو تمہاری سرزمین مصر سے نکال دے
اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ،   تو تمہارا کیا مشورہ ہے،

اسلام کی تعلیم یہ ہے عَمَلُ السِّحْرِ حَرَامٌ وَهُوَ مِنَ الْكَبَائِرِ
عمل سحر حرام ہے اور وہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس طرح جادو منتر کے
متعلق حکم ہے، لیکن قرآن سے ثابت ہے کہ مصری علوم میں سحر کو کافی دخل
تھا، اس بنا پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزات دیے گئے تھے۔

کی جائیں خطرے میں ہیں تو دوسری طرف پوری قوم بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم دیا گیا ہو کہ ان کی لڑکیوں کو لونڈی بنانے کے لئے زندہ رکھو اور لڑکوں کی نسل کشی کی جائے، اس سے بڑھ کر کسی قوم کی ذلت و رسوائی کا کیا تصور ہوگا، بنی اسرائیل نے گھبرا کر موسیٰ سے کہا کہ ہم پہلے بھی مصائب میں گرفتار تھے تیرے آنے سے ہماری کچھ تسکین ہوئی تھی، مگر اب تو سخت آفت نے گھیرا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اطمینان دلایا، کہ گھبراؤ نہیں، انجام کار کامیابی تمہارے حصہ میں آئے گی،

فرعون اور اس کی قوم پیہم انکار و فساد میں مبتلا رہی، اور خدا کے پیغمبر کی آیات کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا، تو اُن پر کئی قسم کے چھوٹے چھوٹے عذاب آئے، مگر اُن کی آنکھیں نہ کھلیں، بلکہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی جماعت پر انھوں نے مظالم کی انتہا کردی، کفر کی نشر و تبلیغ پر بے دریغ روپیہ صرف ہونے لگا، بچے قتل ہونے لگے، آہ و فغاں کے ان طوفانوں میں یہ اللہ کے بندے گذرتے رہے، مصائب کے بادل اُن کے سروں پر ایسے گرجے کہ وہ پکار اٹھے، مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کہاں ہے اللہ کی مدد؟ جواب ملتا ہے اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ گھبراؤ نہیں، اللہ کی نصرت و امداد بہت قریب ہے"

اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کی ایک جماعت رات کی تاریکی میں بحر احمر کے راستے پر چل رہی ہے، یہ مظلوموں کا گروہ ہے، ستم رسیدوں کا

کو اپنا قادر مطلق سمجھ رہی تھی، اور دوسری فرعون کے شاہی جلال کو سجدہ کر رہی تھی،

ایمان والوں کے لئے صبر کی گھڑی اور امتحان کا وقت ہے، اُدھر اعلان ہوا ہے لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى، اچھا دیکھو، میں کہا کرتا ہوں، تمہیں تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کٹواؤں گا، اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا، پھر تمہیں پتہ چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے، اور کس کا عذاب زیادہ دیرپا ہے"

انھوں نے جواب دیا سلے فرعون! یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے منہ موڑ لیں، اور تیرا حکم مان لیں، تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گذر، تو زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ اس زندگی کا فیصلہ کر دے، ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں،

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی،

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ،	اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈال، اور ہم کو اپنی رحمت سے منکروں سے نجات دے،

باطل اپنی پوری قوت کے ساتھ نبرد آزما ہے، ایک طرف اگر بیداد

قلزم کے اس پار اتر گئے۔ فرعون نے جب دیکھا تو اپنی قوم کو ان کے پیچھے بڑھنے اور انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر بھی اسی راستے پر قلزم میں اتر گئے۔ جب یہ درمیان پہنچے پل کے دونوں کنارے پھر مل گئے۔ بحکم الٰہی بحر قلزم اپنی اصلی حالت پر آ گیا، قوم غرق ہوئی۔ اور فرعون پکارا "آمنت برب موسیٰ و ہارون"

"میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لایا" اسے جواب ملا۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ — اب یہ ہے حالانکہ اس سے پہلے تو اقرار

قَبْلُ وَكُنْتَ — کا وقت تھا اس میں انکار اور خلاف کرتا رہا

مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ — درحقیقت تو مفسدوں میں تھا

اس واقعہ میں عبرت کے بہت سے مقام ہیں، لیکن سب سے بڑا مقام عبرت مصر کا وہ عجائب خانہ ہے جہاں اس بدبخت کی لاش آج بھی دیکھنے کے لئے محفوظ ہے، تاکہ یہ سامنے آنے والوں کے لئے نجات کا موجب بنے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۔

آج کے دن ہم تیرے جسم کو ان لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں باقی رکھیں گے کہ وہ عبرت کا نشان بنے۔

کا قافلہ، اپنے باپ دادا کی سرزمین کی طرف جارہا ہے، مصر کو چھوڑ کر آج فلسطین کی سمت اُن کی نگاہیں لگی ہیں، دشمن کا ہر آن کھٹکا ہے کہ اگر خبر ہو گئی تو وہ پیچھے سے آلیں گے، چلتے چلتے جب سہم جاتے ہیں تو دو برگزیدہ ہستیاں تسلی دیتی ہیں!

فرعون کو جب معلوم ہوا تو ایک بھاری لشکر لے کر اُن کے تعاقب میں نکلا، اور صبح ہونے سے پہلے اُن کو جالیا، توراۃ میں ہے کہ جب انھوں نے فرعون اور اس کی فوج کو دیکھا تو پکار اُٹھے،

"کیا مصر میں قبریں نہ تھیں، جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے، تو نے ہم سے یہ کیا کیا، کہ ہم کو مصر سے نکال لایا، کیا ہم تجھ سے مصر میں نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں، کیوں کہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہے"

موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو تسلی دی کہ خوف نہ کرو، پھر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو ندا آئی،

"موسیٰ اپنی لاٹھی کو پانی پر مار تاکہ پانی پھٹ جائے اور راستہ نکل آئے"

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، دونوں جانب قلزم میں پانی کھڑا ہو گیا، بیچ میں گذرنے کے لئے راستہ بن گیا، تمام بنی اسرائیل

کوئی سند بھیجی نہیں، اے بھٹکے ہوئے انسانو! یقین کرو کہ تمام جہاں
میں حکومت صرف اسی خدا کے لئے ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ صرف
اسی کے آگے جھکو، یہی اسلام کا سیدھا راستہ ہے، لیکن افسوس کہ
اکثر لوگ نہیں سمجھتے (القرآن)

یہ صدا معصیت کے طوفانوں میں اٹھی تھی جن سے ایوان کا دشاہی بھی چکنا چور
ہو چکے تھے،

وہ وادی ایمن کا مقدس چرواہا جو کوہ سینا کے کنارے اپنی بکریوں کی
رکھوالی کر رہا تھا جب اس کا دل تجلی الٰہی کا مسکن بنا تو ظلم و استبداد کے اندھیاریوں
میں درد بھری آواز میں پکارا،

اے لوگو! مجھ کو جھٹلانے میں جلدی نہ کرو، خدا خوب جانتا ہے کہ
کون شخص اس کی طرف سے سچائی لے کر آیا ہے، اور آخر کار
کس کے ہاتھ میں نتیجہ کی کامیابی آنے والی ہے، یقین کرو کہ خدا
کبھی اُن لوگوں کو فلاح نہیں دیتا جو برسرِ ناحق ہیں (القرآن)

دین موسوی کو اپنی تعلیم و اشاعت و توسیع کے لئے ایک بہتر زمانہ ملا لیکن
انقلاب حالات کے ایسے دور آئے کہ یہ بھی تحریف و مبتذل ہونے سے نہ بچ سکا،
قوم یہود تورات کی تعلیم سے ہٹ گئی، ان کا دین اب خدا کا دین نہ رہا تھا، اب
ان کی خواہش کا دین تھا، کسی کی نگاہ کتاب اللہ پر نہ تھی، موسیٰ علیہ السلام کی

دعوتِ عیسیٰ علیہ السّلام

دنیا معصیت کی چٹانوں سے ٹکراتی رہی، طغیان کے اندھیروں میں بھٹکتی رہی، اظلام کی آندھیوں سے کھیلتی رہی، گناہوں کی وادیوں میں اپنے نشیمن بناتی رہی، لیکن قدرت کے انفصال بھی عجیب انفصال ہیں، انسانوں کی سرکشی و عصیاں کی جب صدائیں بلند ہوتیں، تو ان صداؤں کے پیچھے خدا کے مخلص بندوں کی دردو اضطراب میں ڈوبی ہوئی آواز بھی آتی رہی،

وہ کون تھا جس نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض اس طرح سرانجام دیا تھا کہ چھری ہاتھ میں لے کر اپنے فرزند کو خاک و خون میں تڑپانے لگا، تاکہ عالم میں پھر سے محبتِ الٰہی کی بے خودی کا اعلان کرے، دنیا اس برگزیدہ انسان کو بھولی نہ تھی کہ مصر کے قید خانے سے کنعان کے قیدی کی پُرسوز آواز آئی،

> اے یارانِ مجلس! بہت سے مالک اور آقا بنا لینا اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کے آگے جھکنا، تم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کر رہے ہو تو اس کے سوا کیا ہے کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے پیشروؤں نے گھڑ لئے ہیں، حالانکہ خدا نے تو اس کیلئے

آموجود ہوا،

راہِ دعوت کے خلوص کا مقام بہت اونچا مقام ہے، زمین کی کوئی کشش اسے اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی، یہ وہ مقام ہے جہاں ایک داعی بیوپار کرنے اور حاصل کرنے کی راہ مسدود کر دیتا ہے، اور اپنے لئے لٹنے اور لٹانے کی راہ کھولتا ہے، قدم قدم پر اپنی ذات، اپنے جسم، اپنی راحت، اپنی صحت اور اپنے اموال کو قربان کرتا ہے، وہ انہی موسموں، وقتوں اور حالات سے عشق کرتا ہے جو اس کے لئے دکھ اور درد کا پیغام لاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی بھی تو ایک ہی جیسی ہے، جس کے رہنے کے لئے نہ کوئی گھر ہے، نہ مکان، نہ کوئی سامانِ زندگی ہے اور نہ اس کی خواہش، شہر شہر اور گاؤں گاؤں اللہ کے دین کو لے کر پھر رہے ہیں۔ لوگوں کی والہانہ محبت و عقیدت کا یہ عالم ہے کہ جس سمت میں ان کا گذر ہوتا ہے طلبہ کا جمِ غفیر ان کے گرد جمع ہو جاتا ہے، وہ ان کے امراضِ جسمانی کا بھی علاج کرتے ہیں اور ساتھ ہی احکامِ الٰہی بھی پہنچاتے ہیں، کیونکہ

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ،

اور خدا اسے سکھا دے گا کتاب، حکمت، تورات اور انجیل اور وہ بنی اسرائیل کی جانب رسول ہے۔

اب مخلص اور فدا کار حواریوں کی ایک جماعت آپ کا ساتھ دیتی ہے

زندگی اور ان کی قربانیاں یکسر فراموش ہو چکی تھیں، آخرت والی زندگی کا یقین قیامت، حشر نشر، جزا، سزا کا اعلانیہ انکار ہو رہا تھا، فرقہ صدوقی کہتا تھا کہ انسان کے اعمال نیک و بد کی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے، ایک گروہ ترک دنیا کے پردے میں دنیا کی گندگیوں میں ملوث ہو چکا تھا، زہادت کے اجزاء پریشان تھے، زہد رسم و طریق رسوا تھا، فریسی خانقاہیں اب معصیت کی پناہ گاہیں تھیں،

اعمال کا انحصار خلوص پر نہ تھا، مذہب انسانی اغراض کے لئے استعمال ہو رہا تھا، مذہبی رسوم، خدمت ہیکل تجارتی کاروبار کا درجہ حاصل کر چکی تھی، کاہن ہر ایک رسم ہیکل پر نذر و نیاز اور بھینٹ لیتے تھے، اور اس کے جواز کے لئے انھوں نے تورات کے احکام تک بدل دیئے تھے،

علماء بنی اسرائیل کی یہ حالت تھی کہ وہ عوام و خواص کی خوشنودی کے لئے احکام دین میں تحریف کرتے تھے، انھوں نے اپنے لئے یہ منصب مخصوص کر لیا تھا کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیں، لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ اُن کا فیصلہ خدا کے ہاں اٹل ہے، جس کو چاہیں جنتی قرار دیں، اور جس کو چاہیں جہنمی بنا دیں،

یہ وہ وقت تھا کہ اللہ کی زمین میں فسق و فجور کی آندھیاں چل رہی تھیں کفر کے اندھیروں میں اقلیم قلب و معنی ڈوب رہی تھی کہ دفعتاً آفتاب ہدایت نے اس دریچۂ ظلمت سے اپنا سر نکالا، اور لوگوں کو ہدایت ربانی کا پیغام سنا نے لگا

جب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام آخری مرتبہ ظاہر ہوا تو اس وقت بھی اس کی پکار یہی تھی،

ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت ضائع کرتا ہے، اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ لے کر اپنی آخرت سنوارتا ہے،

بنی اسرائیل کے اس واقعہ کے ذیل میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا خطبہ بڑی معرکہ کی چیز ہے، فرماتے ہیں،

عیسیٰ سے انکی قوم نے نزول مائدہ کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا "تمہاری درخواست اس شرط پر منظور کی جاتی ہے کہ نہ اس میں خیانت کرنا نہ اسکو چھپا کر رکھنا اور نہ اسکو ذخیرہ کرنا ورنہ مسخ کر دیا جائیگا اور تم ایسے عبرتناک عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے جو کسی کو نہ دیا جائیگا۔ اے معشر عرب تم اپنی حالت پر غور کرو کہ اونٹوں اور بکریوں کی دُم پکڑ کر جنگلوں میں چراتے پھرتے تھے پھر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے درمیان ایک برگزیدہ رسول بھیجا جس سے تم اچھی طرح واقف ہو اس نے تم کو یہ خبر دی کہ عنقریب تم عجم پر غالب آ جاؤ گے اور ان پر چھا جاؤ گے اور اس نے تم کو منع فرمایا کہ مال و دولت کی کثرت دیکھ کر ہرگز تم چاندی اور سونے کے خزانے جمع نہ کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ تم ضرور سونے چاندی کے خزانے جمع کرو گے اور اس طرح خدا کے بدترین دردناک عذاب کے مستحق ہو گے،

حضرت عیسیٰ خدا کی مخلوق کو خالق کے رشتہ محبت و مودت میں منسلک کرتے رہے اور یہی انکی زندگی کا محبوب

اور اُن کی تمنا یہ ہو کہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر دعوتِ حق کا فرض سرانجام دیں، اور غیب سے اُن کے لئے دسترخوان نازل کر دیا جائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو اُن سے مخاطب ہوئے اور کہا، مومن کا یہ کام نہیں کہ خدا کو آزمائے اور نشان طلب کرے، پس اللہ سے ڈرو اور ان خیالات سے اپنے آپ کو بچاؤ، یہ سن کر وہ کہنے لگے، ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ہم خدا کو آزمائیں، ہم تو رزق کی جدوجہد سے آزاد ہونا چاہتے ہیں، اور ایمان کامل کے خواہش مند ہیں،

قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ	عیسیٰ نے کہا خدا سے ڈرو (ایسی فرمائش نہ کرو)
مُّؤْمِنِيْنَ،	اگر تم ایمان رکھتے ہو

اُن کا جب اصرار بڑھا تو حضرت عیسیٰؑ نے بارگاہ ایزدی میں ان کے سوال کے متعلق دعا کی، اس کے جواب میں وحی الٰہی سے ندا آئی،

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ	اللہ نے فرمایا میں تمہارے لئے خوان بھیجوں گا لیکن
فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ	جو شخص اس کے بعد بھی (راہ حق سے) انکار کریگا
اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ	تو میں اسے (پاداش عمل میں) عذاب دوں گا،
اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ،	ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی دیا
	عذاب نہیں دیا جائے گا،

دنیا امن و عافیت کی جگہ ہے، لیکن طمع، حرص اور لالچ نے فساد کا گھر بنا دیا ہے یہی اسلام کی تعلیم اُس وقت بھی یہی تھی جب حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے، اور

ہوں اور ایک آنیوالے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا جسکا نام احمد ہوگا (الصف ۶)

آخر وہ وقت بھی آیا کہ بنی اسرائیل کے امراء دیکھا ہوئے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں حضرت
عیسیٰؑ اور انکے حواری بند تھے۔ وقت کا مقتدر طبقہ اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں سنگ گراں بنکر
آیا ہے لیکن جب خدا تعالیٰ کا قانون پوری شان سے حرکت میں آتا ہے تو ان ہستیوں کا انجام تاریخ
کے اوراق میں دیکھ لو، جنھوں نے نادر دینی غیری کا نعرہ لگایا، کس طرح مقہور اور مغلوب
ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰؑ کو ان کے شر سے محفوظ فرما کر

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ — سو ہم نے مومنین کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ
فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۔ — میں امداد کی پس وہ (مومن) غالب رہے۔

دنیا اور آخرت کی سرفرازیاں ان کے حصہ میں آئیں، جو اس
راہ دعوت میں اس شاہد یکتا کی ایک چشم مہر کے لئے بے قرار رہے۔

مشغلہ تھا اور فرض منصبی اگرچہ مومنین اور مخلصین کی ایک جماعت آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئی تھی لیکن یہود اپنی سرکشیوں میں بدستور مبتلا تھے صدیوں کی کجروی نے انکے قلوب کو سخت بنا دیا تھا انکی اکثریت نے حق کی مخالفت کی مذہبی جاہ و جلال نے چاہا کہ اس کمزور اور ضعیف طبقہ کو پامال کر دے تاکہ خلوص نیات کی جگہ خواہش و تکبر کی فراوانی ہو بغاوت و سرکشی کے مظاہر ہوں یا اللہ کے دین کی مدد کرنیوالے ناپید نہیں ہوئے بلکہ راہ دعوت میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کے بعد بھی جب انھیں آواز دی گئی تو پکار اٹھے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى	اے ایمان والو تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے جب
ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ	حواریوں سے کہا اللہ کے راستے میں میرے کون مددگار ہوتے ہو تو حواریوں نے
الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ،	جواب دیا ہم ہیں اللہ کی راہ کے مددگار،

یہ پاک اور مقدس ہستیاں تھیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لا کر دین کی سربلندی و سرفرازی کیلئے اپنے پیغمبر کے اسوہ کو اختیار کیا، یہ رفقاء کی جماعت تھی جو دنیا کو شیطان کے تسلط سے نکالنے والی تھی اور اسکے دعوت والے اعمال سے دنیا کے احوال بدلنے والے تھے، بونے والے نے اگرچہ ایک حقیر اور چھوٹا بیج بویا تھا لیکن جب اگا تو وہ سب کا رائی سے بڑا تھا اور ایسا درخت تھا کہ پرندے آکے اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتے تھے،

بنی اسرائیل کی ایک جماعت آسمان کی اس بادشاہت کو دیکھنا گوارا نہیں کرتی اور انکی مخالفانہ سرگرمیاں برابر بڑھتی جا رہی ہیں اور فیصلہ یہ ہو کہ ناصرہ کے اس اسرائیلی نوجوان کو تختۂ دار پر کھینچ دیا جائے حالانکہ اس کا جرم اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ پچھلی کتابوں کی پیشینگوئی کے مطابق آیا ہی تاکہ عہد اسرائیلی کے خاتمہ کا اعلان کرے اور دور اسماعیلی کے آغاز کئے جانیکی پیشتر ان الفاظ میں بشارت دے

میں اللہ کیطرف سے تمہارے پاس بھیجا ہوا آیا ہوں میں کوئی نئی شریعت نہیں
لایا بلکہ میرا کام صرف یہ ہو کہ کتاب تورات کی جو مجھ سے پہلے آچکی ہو تصدیق کرنا

باب چہارم

خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ،

اس نے (خدا نے) مجھ پر اس قرآن کی وحی کی، تاکہ اس کے ذریعہ تمھیں (اہل عرب) اور انھیں جن تک اس کی تعلیم پہنچ جائے انکار اور بدعملی کے نتائج سے ڈراؤں ،

حضرت محبوب محمد ﷺ مصطفیٰ کے مکتوب بنام نجاشی

(فاروق العرس)

دعوت ربانی کا یہ سلسلہ دنیا میں جاری رہا، داعیانِ حق کا یہ مقدس گروہ مختلف وقتوں میں آکر تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا، اُن کا پیغام ایک خاص قوم اور ایک خاص وقت کے لئے ہوتا تھا، لیکن جب خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ایک عالمگیر اور دائمی پیغام لے کر آئے، اور فرمادیا کہ آج کے دن تمھارے لئے دین مکمل ہو گیا،

جس طرح یہ پیغام عالمگیر تھا، اُس کے نتائج بھی عالمگیر ظہور میں آئے جس طرح یہ پیغام دائمی اور ابدی تھا، اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کہہ کر اس کے دائمی اور ابدی ہونے کی سند بھی عطا کر دی،

مادی و روحانی انقلاب | اس کرۂ ارضی پر دنیا مادی انقلابات کے تماشے بارہا دیکھ چکی ہے، تاریخ میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا انقلاب بھی ایسا نہیں جس کی گراں قدر قیمت ادا نہ کی گئی ہو، آپ کہتے ہیں دنیا میں تبدیلی پیدا کرنا آسان ہے فوجوں کے سمندر میدان کارزار میں جھونک دیئے گئے ہیں، بے شمار انسانوں

الى النجاشي

هذا كتاب من محمد النبي الى النجاشي الأصحم عظيم الحبشة

سلام على من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له لم يتخذ صاحبة ولا ولداً وأن محمداً عبده ورسوله

وأدعوك بدعاية الإسلام فإني رسول الله فأسلم تسلم، يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون، فإن أبيت فعليك إثم النصارى من قومك

جواب النجاشي الى النبي صلعم

بسم الله الرحمن الرحيم

إلى محمد رسول الله من النجاشي الأصحم بن أبجر

سلام عليك يا نبي الله ورحمة الله وبركاته من الله الذي لا إله إلا هو الذي هداني إلا الإسلام، أما بعد فقد بلغني كتابك يا رسول الله فيما ذكرت من أمر عيسى فورب السماء والأرض أن عيسى ما يزيد على ما ذكرت ثفروقا، إنه كما قلت وقد عرفنا ما بعثت به إلينا وقد قربنا ابن عمك وأصحابه، فأشهد أنك رسول الله صادقاً مصدقاً وقد بايعتك وبايعت ابن عمك وأسلمت على يديه لله رب العالمين

وقد بعثت إليك بابني أرها بن الأصحم بن أبجر فإني لا أملك إلا نفسي وإن شئت أن آتيك فعلت يا رسول الله فإني أشهد أن ما تقول حق

والسلام عليك يا رسول الله

ایک امتیازی شان پیدا کردی تھی۔

معروضات کا اثر دیکھئے | وہ شخصیت جو مکہ و عرب میں اکرام کی نگاہوں سے دیکھی جارہی تھی۔ آج اُبی بن خلف پاس آبیٹھا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی ہے، وہ کہتا ہے لے محمدؐ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ اس ہڈی کو دوبارہ تخلیق کرے گا؟ یہ کہہ کر وہ آپ کے سامنے اس ہڈی کے ریزے ریزے کرکے ہوا میں بکھیر دیتا ہے، یہ آپ کی دعوت کے استہزاء کا پہلا طریق ہے، جو دعوت کے نہ سمجھنے ہی سے پیش ہوتا ہے، آواز آئی، اسے جواب دیجئے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ	اور اس نے (یعنی ابن خلف) ہماری شان
نَسِيَ خَلْقَهٗ ۚ قَالَ مَنْ	میں عجب بیان کیا ہے اور اپنی اصل کو بھول گیا
يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ	کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں
قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ	کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ
اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ	زندہ کرے گا جس نے اول بار ان کو پیدا
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۔	کیا ہو اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

اپنے نفس کا جائزہ لیجئے جس پر آپ کے ارادہ کو پوری قدرت حاصل ہے، چھوٹی سے چھوٹی تبدیلی جب پیدا کرنا چاہتے ہو تو نفس کے اندر کتنا تردد پیدا ہوتا ہے، جب اپنے

کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، انسانی خون کی ارزانی کا یہ عالم ہے کہ ندیاں بہہ رہی ہیں، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے ہیں،

یہ کیا ہو رہا ہے؟ دنیا میں ایک مادی تبدیلی لائی جا رہی ہے،

شہروں کے شہر اور آبادی کی آبادیاں مسمار ہو رہی ہیں، قیمتی سے قیمتی آلات حرب حرکت میں آچکے ہیں، خزانوں کے خزانے خالی ہو رہے ہیں،

یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک مادی تغیر کا سامان ہو رہا ہے،

ہزاروں مدبرین سر جوڑ کر بیٹھے ہیں، کتنے دماغ پریشان ہو چکے ہیں، ملک کروڑوں پونڈ کے مقروض ہوتے جاتے ہیں، پھر وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کوششیں رائگاں اور امیدیں پامال تو نہیں ہوں گی،

یہ دنیا کے مادی انقلاب کا حال ہے جو صرف حکومت کے تخت بدلنا چاہتے ہیں، اب سوچو اور غور کرو کہ دلوں اور روحوں کی اقلیم کو پلٹنے کے لئے اس ذات اقدس (فداہ ابی وامی) نے اور آپ کی جماعت صحابہؓ نے محض چند اخلاقی رسمی اصولوں کو پکارنا کافی سمجھا ہوگا، یا اس روحانی اور قلبی انقلاب کے لئے اپنی جانوں اور مالوں کی بازی لگائی ہوگی؟

آپ کا خاندان عرب کا یگانہ اور ممتاز خاندان تھا، جس کے حصہ میں ریاست سرداری اور برتری متوارث چلی آئی تھی، جس کے سبب آپ کی شخصیت بہت بلند تھی، لیکن سیرت و کردار کی گل کا، یوں تو نبوت سے قبل ہی

قوم کی یکجہتی پامال ہوتی جاتی ہے، تب اس سلسلہ میں ہم گفتگو کرنا چاہتے ہوں، اگر اس نئے دین سے آپ کا مقصد دنیا کی کوئی غرض ہو، تو ہم ہر وقت پوری کرنے کے لئے تیار ہیں، دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کردیں، بادشاہت چاہیں تو سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں، سلطنت کی خواہش ہو تو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، اگر دماغ میں (نعوذ باللہ) خلل واقع ہو تو ہم اپنے خرچ پر علاج کرانے کے لئے تیار ہیں،

آپ کے عزم واستقلال اور جوش وخودداری کو سرد کرنے کے لئے یہ اقدامات ان کی نگاہ میں کارگر تھے، آپ عتبہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں،

ابوالولید سن،

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ	حٰم یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا
الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ	گیا ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں
اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ	صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یہ ایسا قرآن ہے
يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا	جو عربی میں ہے، ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ	ہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے
فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ،	اکثر لوگوں نے روگردانی کی، پھر وہ سنتے ہی نہیں

غور کا مقام ہے کہ ایک داعی کو راہِ حق میں کتنے دوروں سے گذرنا پڑتا ہے، آپ پر ایک یہی وقت آیا کہ تحقیر وتوہین کے تیروں سے آپ کا قلب طیب چھلنی کیا جارہا ہے، مگر آپ اف نہیں کرتے،

دل کا یہ حال ہے تو اندازہ کیجئے اُن لاکھوں انسانوں کے قلوب
بدلنے کے لئے عزم و استقلال کے اس پیکر نے اپنی جان پر کیا
کچھ نہ جھیلا ہوگا۔

لا الٰہ الا اللہ دعوت کی پہلی صدا تھی، یہ آواز کوئی معمولی آواز نہ تھی، قریش
مکہ کے دین کے ساتھ تصادم کا ایک اعلان تھا جس سے اپنے بیگانے سب
دشمن ہو گئے، ایک تنہا ذات ہے، چاروں طرف مخالفت کا طوفان، ایک
چچا ابوطالب ہیں، آج وہ بھی کہہ رہے ہیں، میرے بھتیجے! مجھے تیری قوم سخت
دھمکیاں دے رہی ہے، اس لئے تو اپنے اور میرے حال پر رحم کھا، اور
مجھے ناقابل برداشت مصائب سے دوچار نہ کر،

"چچا جان اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر
رکھ دیں، اور کہیں کہ میں اس دعوت کو چھوڑ دوں خواہ میری جان کیوں نہ نکل جائے
میں اپنے عزم سے منہ موڑنے والا نہیں"، یتیم بھتیجے کی آنکھوں میں آنسو تھے،
اور چچا کا دل بھر آیا تھا،

عتبہ بن ربیعہ قوم کا پیغام لے کر آتا ہے، اور کہتا ہے" اے میرے چچا زاد
بھائی! آپ خاندان میں ہم سب سے زیادہ معزز ہیں، اور آپ کی وجہ سے آج
قوم ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہے، آپ نے اُن کے آباؤ اجداد کے صدیوں
کے دین کو غلط ٹھہرایا ہے، ان کی عقلوں کو کم زور، اور بتوں کو جھوٹا قرار دیا ہے،

گرد جمع ہو جاؤ،

یہ تمسخر و استہزاء کا طریق جسمانی ایذاؤں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں بڑی بڑی جری انسانوں کے پائے استقلال کو متزلزل کر سکتا ہے، لیکن ایک داعی کی شان ہے کہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے، اور داعیان امت کے لئے ایک نمونہ پیش ہو رہا ہے، اور بتایا جا رہا ہے کہ منصب دعوت کا مقام کیا ہے؟ صرف ایک مقصد سامنے ہے، اور ایک جان، اور کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں، تمام طرف سے ٹوٹ کر ایک سے جوڑنے کی دھن ہے،

دوسری اذیتوں کا دور آیا، تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ صحن حرم ہے اور چادر کا پھندا گردن میں ہے، کوشش ہے کہ پھانسی دے دی جائے، دوسری موقع پر نجاست کا ڈھیر آپ کے جسم مبارک پر ڈال دیا گیا ہے، راستہ میں کانٹے بچھائے جا رہے ہیں، طائف میں آپ کو زخمی کیا گیا، آپ زخموں کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے، ذرا بیٹھ جاتے تو لڑکے آپ کو بیٹھنے بھی نہیں دیتے آخر آپ پر وہ وقت بھی آیا کہ آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ ہو گیا، کوئی نہیں جرات کرے، بنی ہاشم کی پہاڑی گھاٹی میں قید و بند کی اب صعوبتیں جھیلی جا رہی ہیں، نہ دانہ ہے نہ غلہ، بچے بھوک سے بلبلاتے ہیں، جوان، درختوں اور جھاڑیوں کے پتے کھا کر دن گذار رہے ہیں،

یہ داعی کے امتحان کے وہ مقامات ہیں جہاں راسخ العقیدہ انسان کے

آپ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہیں، اور بلند آواز سے قریش کو بلاتے ہیں،
اور انھیں عذاب آخرت سے ڈراتے ہیں، مگر کوئی آپ کی بات سننے والا نہیں
اور ابو لہب نے کہا "تو ہلاک ہو جائے اسی لئے ہمیں بلایا تھا"

ایک دن ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو ایک جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا، تو آپ کو بہت سخت سست کلمات کہے،
اور گالیاں دیں، حمزہ بن عبد المطلب سے نہ رہا گیا، طیش میں آگئے، قریش کے
مجمع میں جا کر اپنی کمان سے سخت زخمی کر دیا،

جب آپ قرآن پاک کی آیات اُن کو پڑھ کر سناتے تو لَا تَسْمَعُوا
لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ کا شور بلند ہونے لگتا، اور آپ مجبوراً خاموش ہو جاتے،

قرآن مجید میں دوزخ پر انیس فرشتوں کے مامور ہونے کا ذکر آیا
تو وہ آپس میں بطور تمسخر کہتے کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں، ہر سو آدمی ایک کے مقابلہ
کے لئے کافی ہے،

شجرۃ الزقوم کی وعید آئی تو مذاق اڑاتے اور کہتے سارے جماعت قریش،
محمد تمھیں زقوم کے درخت سے ڈراتا ہے،

نضر بن حارث کا یہ طریق تھا کہ آپ جب کسی اجتماع میں اپنی دعوت پیش
فرماتے تو یہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا، اے قوم قریش! مجھے عزیٰ کی قسم
میں اس شخص سے زیادہ اچھے قصے اور افسانے تمھیں سناتا ہوں، میرے

یہ ہماری قوم میں سے ہے، پھر دوسری آواز آتی ہے، تو جا سکتا ہے، لیکن اپنے بیٹے کو نہیں لے جا سکتا، یہ ہمارے خاندان سے ہے، بیوی اور بچہ اُن سے چھین لیا جاتا ہے، وہ اُن دونوں کو روتا ہوا چھوڑ کر مدینہ کی طرف چل دیتے ہیں، آج کا منظر عجیب منظر ہے، صبر آزما منظر ہے، اللہ کے راستے میں اموال چھوٹ رہے ہیں، اہل و عیال چھوٹ رہے ہیں، جان، آبرو، اور اولاد کی زندگی خطرہ میں ہے، لیکن ہجرت حق کی خاطر سب کچھ گوارا کیا جا رہا ہے، آپ کہتے ہیں دنیا میں تبدیلی پیدا کرنا آسان ہے، یہاں تبدیلی کی اساس ہی قربانی ہے، لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے کہ عالم کے حالات خود بخود بدل جائیں گے، عالم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلیں گے جب تک صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین والی یہ قربانیاں وجود میں نہیں آئیں گی، جب تک یہ قربانیاں وجود میں نہیں آئیں، مشرکین مکہ کی اجتماعی قوت مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما رہی، لیکن جب قربانیوں کی نصاب بندی ہو گئی تو کفار مکہ کی اجتماعی زندگی کی ہلاکت کے آثار نمایاں ہو گئے یہ فتح مندی کے نشان اس وقت طلوع ہوئے، جب ایمان و یقین کی قوت اُن کے اندر آ گئی، اور وہ اپنے تمام اعمال و خصائل میں پیکر اخلاق الٰہی بن گئے، پھر وہ کام جس کے لئے انھوں نے قربانیاں دی تھیں ان کے کام نہ رہے، بلکہ اس قادر مطلق کے کام ہو گئے جن کے ــــ کبھی انتظار و حسرت ہے، نہ ناکامی، پھر دنیا نے دیکھا، لیکن وہ پہنچ ـ ی آ ـ اُن کی

قدم بھی متزلزل ہونے سے نہیں بچ سکتے، آپ نے قربانی وایثار، صبر و استقامت اور شجاعانہ حریت رائے کی جو مثال پیش کی ہے، وہ تاریخ عالم کے صفحات میں ایک غیر فانی یادگار ہے،

آپ کے قتل کی سازش ہوتی ہے، مکہ چھوٹ رہا ہے، ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں، خاندانِ قریش کا چہیتا فرزند جو کبھی عبدالمطلب کی مسند پر اس مسند پر جہاں کسی کو بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، دادا اپنے پاس بٹھاتا، اور کہتا، بخدا میرے پوتے کی ایک نرالی شان ہے، آج بے یار و مددگار ہے، غار سے نکل کر آگے چلتے ہیں تو سراقہ بن جعشم گھوڑا دوڑاتا ہوا پاس پہنچ جاتا ہے، نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے، غار میں بھی اللہ کی معیت تسکین کا موجب تھی، اور جب سراقہ سامنے آیا تو دل کی سکینت کا وہی عالم تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی پیہم مخالفت کا سلسلہ بڑھ چکا تھا، ایذا رسانی اور ہولناک طریقہائے عذاب نے مکہ کی سرزمین اُن پر تنگ کر دی تھی،

صبر و استقلال کی راہیں مسلمانوں کی ایک جماعت عیسائی حکمران اصحمہ کی پناہ میں افریقہ کی سمت روانہ ہے، کچھ مدینہ پہنچ چکے ہیں، کچھ اونٹ لیے بھی کھڑے ہیں کہ اُن کی مہاریں روکی جارہی ہیں، اور انھیں میں سے آواز آرہی ہے، اے ابو سلمیٰ اگر تو مکہ چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تو چلا جا، لیکن اُمِ سلمہ کو نہیں لے جاسکتا

قبیلہ طے کا عیسائی رئیس عدی بن حاتم دربار رسالت میں حاضر ہوتا ہے، وہاں غیر معمولی حالات دیکھ کر حیران ہوتا ہے، اور یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ محمدؐ کو بادشاہ کہے یا پیغمبر، اسی دوران میں مدینہ کی ادنیٰ کنیز آکر کھڑی ہو جاتی ہے، اور کہتی ہے کہ آپؐ سے کچھ عرض کرنا ہے، آپؐ یہ سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مدینہ کی جس گلی میں چاہو مجھے لے چلو میں تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہوں، جب اُس کی حاجت کا حال معلوم ہوا تو اس کی حاجت پوری فرمادی، بادشاہت کے پردے میں عجز و انکساری تواضع و خاکساری کی یہ مثالیں ڈھونڈو گے تو نہ مل سکیں گی، عیسائی سردار نے جب یہ کیفیت دیکھی تو گلے سے صلیب اُتار دی، اور کہا بخدا یہ شان تو پیغمبر کی شان ہے،

مکہ فتح ہوا تو اس دن ابوسفیان نے دیکھا کہ لشکر اسلام ایک نرالی شان سے گذر رہا ہے، قبائل عرب میں وہ جوش ایمانی اُمنڈ آیا ہے کہ تھمنے کا امکان نہیں، لیکن اس کی آنکھیں اب بھی آفتاب حق کو نہیں دیکھ سکتی تھیں، حضرت عباسؓ سے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے تمہارا بھتیجا بادشاہ بن گیا ہے، لیکن عباسؓ جواب دیتے ہیں یہ بادشاہی نہیں یہ پیغمبرانہ شان ہے،

عین اس وقت جب آدھا عرب فتح ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کاشانۂ نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ کھری چارپائی

یہ صدائے دعوت تھی یا سیلاب انقلاب، پھر اُن کی زبانوں سے جو کچھ نکلا وہ دلوں
اور روحوں پر نقش ہو گیا، اُسے پھر نہ تو زمین کا پانی دھو سکا، ورنہ آسمان کی بارش
محو کر سکی، وہ اب اگر خاموش بھی رہتے تھے تو ان کی ایک صدائے عمل پر
کروڑوں ہستیاں اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر پیشکش کر رہی تھیں اُن کی دنیا
جب لسانِ الٰہی کی صدائے دعوت سنیں تو خدا کی اس آواز کو سن کر کوئی مخلوق
ایسی نہ تھی جو لبیک نہ پکار رہی ہو، وہ جس طرف کو سر اٹھا کر دیکھتے تھے
وہ پیشانیاں جو کل تک غیر اللہ کے سامنے جھک رہی تھیں آج خدائے واحد
کے سامنے سجدہ ریز تھیں، مدتوں کی بھٹکی ہوئی اور ڈری ہوئی انسانیت
آستانۂ محمدیؐ پر آ کر اطمینان وسکون کا سانس لے رہی تھی،

وہ کیا بات تھی کہ کل کی بادیہ نشین وصحرا نورد قوم جو اونٹوں کی گلہ بانی کرتی
تھی آج شاہانِ قیصر وکسریٰ کے درباروں میں دندناتی داخل ہو رہی ہے،
لیکن کوئی روکنے والا نہیں یہ اب نبی اُمی کے مکتب کے فرزند تھے جن کے
سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی، ایک ایسی زندگی جو مختلف انسانی
احوال کا ایسا آئینہ تھی جس میں صحیح جذبات وکامل اخلاق کے خط وخال نظر
آتے تھے، وہ اسی زندگی کو دیکھ کر چل رہے تھے، جو اُن کے ظلمت خانہ
کے لئے ہدایت کا چراغ بن کر آئی تھی، اور ایسی جامع اور کامل ہدایت کا
نمونہ کہ ہر نوع [illegible] اور ہر گروہ انسانی کے لئے ایک نظیر بن گئی،

اے بیوی بچوں کا فکر کرنے والو ذرا اس کے فکر کو دیکھو، کہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا دنیا کی اس مخلوق کی فکر میں مستغرق ہے' جو خدا کو بھول چکی ہے، یہ وہ ذات اقدس ہے جس نے برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی ہمیشہ نیک سلوک کیا، اور اپنی جان کا کسی سے بدلہ نہیں لیا، دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کرتا رہا،

اخلاق جمیل کی جھلک | آپ کی مجلس بھی عجیب مجلس ہے، جو ایک مرتبہ آکر بیٹھیا ہے خوش ہو جاتا ہے، فیاضی، سخاوت، راست گوئی، اور نرم دلی ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے کو دائمی گرویدہ کر لیتی ہیں، کسی کا دل نہیں دکھاتے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے، لوگوں کا ہر بات میں شکریہ ادا کرتے ہیں' کھانا جیسا سامنے آجاتا ہے کھا لیتے ہیں، آپ اپنے ذاتی معاملہ میں کسی پر غصہ نہیں ہوتے،

عبادات کا یہ حال تھا کہ آپ ہر وقت اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے، اور رات رات بھر کھڑے کھڑے اللہ کی عبادت میں گذار دیتے، اور پاؤں مبارک متورم ہو جاتے، کئی سخت مواقع ایسے ہیں، کفار کی فوجیں مقابل کھڑی ہیں، تیر و خنجر چل رہے ہیں، لیکن اُدھر نماز کا وقت آیا اور ادھر صفیں بندھ گئیں، معرکہ بدر میں جنگ کا آغاز ہو چکا ہے، لیکن یہ ذات، خالق کائنات کے آگے سجدے میں جھکی ہوئی ہے،

پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر
جَو رکھے ہیں، اور ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے، یہ رحمتِ عالم کے گھر کی کُل کائنات
ہے، حضرت عمرؓ رو دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں، یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ
عیش و نشاط کے مزے لُوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت
میں ہیں، آپ فرماتے ہیں عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ وہ دنیا کے مزے
لُوٹیں، اور ہمارے حصہ میں آخرت کی سعادت آئی، صحن مسجد میں اطراف سے آئے ہوئے
اموال کے انبار لگ رہے ہیں، لیکن اس بادشاہ کے گھر میں دو دن سے
فاقہ ہے، یہ وہ عہد ہے کہ لڑائیوں کے قیدی لونڈی اور غلام بن کر مسلمانوں
کے گھروں میں بھیجے جا رہے ہیں، لیکن اپنی لختِ جگر کا یہ حال ہے کہ چکی پیستے
پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، اور مشکیزہ بھرتے بھرتے جسمِ نازک
پر نشان بن گئے ہیں، آؤ اپنی عیش و راحت کی زندگی کا ان زندگیوں سے موازنہ
کرو، پیغمبرانہ زندگی کا عمل پیغمبرانہ اوصاف کی نقل کے ساتھ وابستہ ہے، راحت
کے ظاہرہ اسباب عارضی اسباب ہیں، دنیا کا استغراق اور ہوس کی مشق
بھی چند روزہ ہے، اس دن کے آنے میں دیر نہیں جس دن رئیس کا امتیاز نہ
ہے نہ غریب کا، نہ بادشاہ کے لئے جائے مفر ہے نہ ایک درویش کے لئے
کوئی پناہ، اس دن تو صرف پوچھا جائے گا کہ اللہ کے امر کو دیکھ کر چلے تھے،
یا اپنی خواہش کے تابع زندگی گذاری تھی؟ یہ دن بہت ہی سخت دن ہوگا،

کر دو،

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا کرتیں کہ حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہیں ہوا، جب آپ کی وفات ہوئی تو گھر میں اس دن سوائے تھوڑے سے جو کے اور کچھ نہ تھا، اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی،

یہ عرب کے بادشاہ کا حال تھا جس کی آمد نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا، دلوں کی اقلیم اس طرح جیتی جا رہی تھی کہ اب دل وہ دل نہ رہے تھے، دعوت کی قوت نے اُن کو اخلاق و کیرکٹر کی اُن بلندیوں پر پہنچا دیا تھا، جب غیر اقوام کے وفد اُن کے دربار میں آتے تھے تو تعجب کا اظہار کرتے تھے جب اپنی قوم میں واپس جاتے تھے تو اُن کی فداکاری، جاں نثاری اور محبت رسول کی داستانیں ساتھ لے جاتے تھے،

اے مشاہدہ کی زندگی اختیار کرنے والو! تمھارے پیغمبر نے تو تمھیں غیب کی زندگی کا درس دیا تھا، مشاہدہ کی زندگی اور اس کی ساری چیزیں فانی ہیں، لیکن غیب کی زندگی اور اس کے ساتھ والی چیزیں غیر فانی ہیں آج توجہیں مشاہدہ پر لگ رہی ہیں، لیکن اُس وقت غیب پر نگاہ تھی، داعی عالم نے آکر انسانوں کی توجہ مشاہدہ سے ہٹا کر غیب پر لگائی، اور فرما دیا کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے،

آج اللہ کے یقین کے ساتھ اللہ کے اوامر کا یقین بھی کمزور ہو گیا ہے، جس انہماک کے ساتھ دنیا کے کام سرانجام دیے جا رہے ہیں، اگر اس فکر کے ساتھ دین کے احکام کی بھی تعمیل ہونے لگے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے،

بحرین سے خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا، اور صحن مسجد میں ڈال دیا گیا، آپ صبح کی نماز کے وقت تشریف لائے، آپ نے اس طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، اور نماز کے بعد بیٹھ کر تمام تقسیم کر دیا، اور خود دامن جھاڑ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے،

چار اونٹ غلہ کے آئے بلالؓ سے پوچھا، کچھ بچ تو نہیں رہا، عرض کیا، اب کوئی لینے والا نہیں، کچھ بچ گیا ہے، آپ نے فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا، رات مسجد ہی میں بسر فرمائی، ام سلمہؓ کہتی ہیں، ایک مرتبہ آپ گھر تشریف لائے، آپ کچھ رنجیدہ معلوم ہوتے، میں نے سبب پوچھا، آپ نے فرمایا کہ کل والے سات دینار بستر پر پڑے ہیں اور شام ہو گئی ہے،

نماز عصر کے بعد ایک مرتبہ آپ جلدی اندر تشریف لے گئے، لوگ متعجب ہوئے تو فرمایا چھوٹا سا ٹکڑا سونے کا گھر میں رہ گیا ہے، خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ میرے گھر میں پڑا رہ جائے، مرض الموت میں خیال آتا ہے، کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، فرماتے ہیں انھیں خیرات

يَصْلَوْنَهَا ، نیک لوگ بہشت میں ہوں گے اور بیشک بدکار لوگ البتہ

يَوْمَ الدِّيْنِ ، وَمَا دوزخ میں ہوں گے اور جزا کے دن یعنی قیامت کو

هُمْ عَنْهَا اس (دوزخ) میں جا داخل ہوں گے اور وہ

بِغَائِبِيْنَ ، اس سے غیب نہیں ہونے پائیں گے،

وَمَا أَدْرٰىكَ اور اے پیغمبر تم کیا جانو یہ روز جزا کیا چیز

مَا يَوْمُ الدِّيْنِ پھر ہم تم سے دوبارہ پوچھتے ہیں کہ تم کیا جانو

ثُمَّ مَا أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ کہ یہ روز جزا کیا چیز ہے، یہ وہ دن ہوگا جب کہ

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ کوئی شخص کسی شخص کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا

شَيْئًا ، وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ، اور حکومت اس دن اللہ ہی کی ہوگی،

پس جس نے اس دن کا فکر کر لیا، وہ فائز المرام ہوا، اور جس نے اس دنیا کو اپنا مطمح نظر بنا لیا، اس سے کہہ دو کہ یہ دنیا تو چند روز کے بعد تم سے چھن جانے والی ہے، اور آخرت میں بھی تمہارے لئے کوئی حصہ نہیں،

دعوت عمومی| آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے، جب یہ آیات نازل ہوئیں، وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ،

"ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے بشارت پہنچانے والا اور ڈر سنانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے"

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ، کہہ دیجئے اے تمام

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ، وَإِذَا
الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ، وَإِذَا
الْبِحَارُ فُجِّرَتْ، وَإِذَا الْقُبُورُ
بُعْثِرَتْ، عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا
قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ،
يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا
غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ
الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ
فَعَدَلَكَ، فِي أَيِّ صُورَةٍ
مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ، كَلَّا
بَلْ تُكَذِّبُونَ
بِالدِّينِ، وَإِنَّ
عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ
كِرَامًا كَاتِبِينَ
يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ
إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ
وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ

جب کہ آسمان پھٹ جائے اور ستارے
جھڑ پڑیں، اور جب دریاؤں کو ان کی اصل
جگہ سے اچھال کر دوسری طرف کو بہا دیا
جائے، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں،
اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا
عمل پہلے سے روانہ آخرت بنا کر بھیجے ہیں،
اور کیسے آثار دنیا میں پیچھے چھوڑ آیا ہے، اے
آدم زاد تجھ کو کس چیز نے اپنے پروردگار کریم
کی جناب میں گستاخ کر دیا ہے جس نے
تجھ کو بنایا اور درست کیا تو بہت درست
بنایا اور تیرے جوڑ بند مناسب رکھے اور
جس شکل سے چاہا تیرا (یعنی تیرے اعضا)
جوڑ ملا دیا، مگر بات یہ ہے کہ تم (بنی آدم
روز) جزا کو نہیں مانتے، حالانکہ تم پر پہرا
چوکیدار تعینات ہیں، یعنی کراماً کاتبین (
فرشتے، جو کچھ بھی تم کرتے ہو ان کو معلوم
رہتا ہے بے شک نیکوکار لوگ بالتہ

زیاد بن حارث صدائی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہی، جب اپنے وطن واپس جاتا ہے تو اپنی قوم کے سرکردہ لوگوں کی ایک جماعت لے کر حاضر ہوتا ہے، جب یہ لوگ قبیلہ میں واپس جاتے ہیں تو تمام قبیلہ میں اسلام پھیل جاتا ہے،

عروہ بن مسعود ثقفی پہلا شخص ہے جو قبیلۂ ثقیف سے حاضر خدمت ہوا، یہ اپنی قوم کا سردار تھا، اسلام سیکھ کر اپنی قوم میں جانے کی اجازت چاہی تاکہ دعوت حق کا پیغام اُن کو پہنچائے، قوم میں آکر تبلیغ شروع کی، ایک روز یہ نماز میں مشغول تھے، کہ کسی بدبخت نے تیر چلا کر آپ کو شہید کر دیا، دین کے لئے عروہ کی یہ قربانی رنگ لائی،

سردار عبد یالیل، وہ عبد یالیل جس کے اشارے پر طائف میں پتھر برسے تھے اور لڑکوں اور اوباشوں نے جس کے کہنے پر آپؐ کی تحقیر کی تھی، آج وہ ایک جماعت کے ساتھ ادب سے حضورؐ کے سامنے بیٹھا ہے، اور یہ لوگ کہہ رہے ہیں، ہم نے محمدؐ کو تقویٰ میں یاد و دنا درجم میں، صدق و ایفا میں سب سے بڑھ کر پایا ہے،

ثمامہ بن اثال اسلام لانے کے بعد بنو حنیفہ میں دین کی اشاعت کرتے رہے، یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس قبیلہ کی ایک جماعت مدینہ میں آکر مسلمان ہوئی، اس جماعت میں مسیلمہ کذاب بھی تھا وہ آکر کہنے لگا کہ اگر محمد صاحب مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں بیعت کروں گا،

نسلِ انسانی! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"

تو دعوت و تبلیغ کا سلسلہ سرزمین عرب سے نکل کر مختلف ممالک میں پھیلنے لگا، اب صرف مکہ اور اس کے گرد و نواح کی آبادیاں ہی تبلیغ کا محور نہیں بلکہ حبش، یونان، ایران، اور وسط ایشیا بھی اسلام سے مانوس ہونے لگا، بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، عداس نینوائی وہ بزرگ ہستیاں تھیں جو اُن ممالک سے آ کر اسلام کا ثمرِ اوّل بنیں،

آفتابِ حق کی کرنیں اب دور دور تک پہنچ گئی تھیں، قبائل کے وفود کا دربارِ رسالت میں تانتا بندھ گیا، ازد، فردہ، ہمدان، بنی سعد، بنو اسد، صدا محاریب، نجران، بنی عبس، غامد، کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کے معززین بارگاہ نبوی میں حاضری نہ دے رہے ہوں، اب یہاں سے جو بھی جا رہا ہے وہ مبلغ بن کر جا رہا ہے، طفیل بن عمرو دوسی اسلام لاتے، اور اپنے قبیلہ میں واپس جانے لگے تو عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ میری قوم میری دعوت پر مسلمان ہو جائے، اللہ کا یہ داعی جب اپنے وطن پہنچا تو دین کا فکر لے کر پہنچا، اور لے چین آیا، اپنی قوم میں دیوانہ وار پھرا، دین کی دعوت کو لے کر پھرا، ایک باپ اور ماں کے سوا کوئی نہیں جو اس دعوت کو قبول کرے، لیکن ۶ھ میں ایک وہ وقت بھی آیا کہ طفیلؓ کی دعوت دوس کے ستر خاندانوں کو مسلمان کر چکی تھی،

عکس مکتوب حضور صلے اللہ علیہ وسلم بنام المنذر بن ساوی
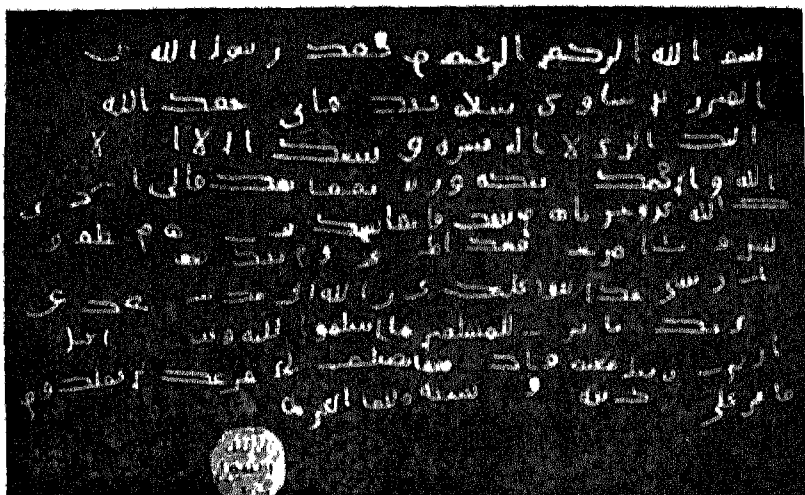
ان خطوط کی اصلیں موجود ہیں ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ ابو العباس عبداللہ بن محمد نے شہر ایجہ والوں سے ان کا معاہدہ نبوی تین سو اشرفی میں خرید کیا۔

(فاروق العزیز)

جب حضورؐ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ میں اس معمولی کھجور کی چھڑی دینے کی شرط پر بھی بیعت لینا نہیں چاہتا،

حبیب بن عمر سلامان کا وفد لے کر حاضر ہوا، یہ سترہ اشخاص تھے جو اسلام سیکھ کر واپس لوٹے، وطن پہنچے تو ان میں سے ہر ایک اسلام کا داعی تھا،

جس طرح اسلام عالمگیر مذہب تھا اس کی دعوت بھی عالمگیر تھی، قبیلوں اور خاندانوں سے گذر کر اب ملکوں اور بادشاہوں تک پہنچنے والی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر میں رہتے تھے کہ عالم کا کوئی گوشہ دعوت ہدایت کے اس پیغام سے تشنہ نہ رہ جائے،

شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام

آنحضرتؐ نے ارادہ فرمایا کہ شاہان عالم کے پاس سفیر روانہ کئے جائیں، اور بذریعہ خطوط اسلام کی دعوت دی جائے،

اصحم بادشاہ حبش کے پاس عمرو بن امیہ الضمری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے، یہ بادشاہ عیسائی مذہب تھا، آپ کا خط پڑھ کر مسلمان ہو گیا، اور جواب میں لکھا، اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے" نجاشی کے اسلام لانے کے بعد تمام حبش بلکہ افریقہ میں اسلام پھیل گیا،

منذر بن ساوی شاہ بحرین کے پاس علاء بن حضرمیؓ آپ کا نامہ مبارک

لے کر گئے، یہ خود مسلمان ہو گیا، اور اس کی رعایا بھی کثیر تعداد میں ایمان سے مشرف ہو گئی،

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ملک عمان کے پاس خط لے کر پہنچے ہیں، عبد کے ذریعہ جیفر جلندی سے ملاقات کرتے ہیں، ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رسول کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے، اور کن سے منع کرتا ہے، فرمایا، وہ ایک اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور معصیت سے روکتے ہیں شراب اور فاحشہ کاموں سے روکتے ہیں، پتھروں، بتوں، اور صلیب کی پرستش سے منع کرتے ہیں، یہ سن کر دونوں بھائی مسلمان ہو جاتے ہیں، ان کے اسلام لانے کے بعد خطہ عمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی آواز سے گونج اٹھتا ہے،

منذر بن حارث والی شام کے پاس شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ بحیثیت سفیر پہنچے، منذر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر غصہ میں آگیا، لیکن آپ کے سفیر کو باکرام رخصت کیا، اگرچہ اس نے اسلام قبول نہ کیا، لیکن تاجدار مدینہ کے قاصد کی آمد نے شام و دمشق کی آبادیوں میں اسلام کی آمد آمد کا شور برپا کر دیا تھا،

اسکندریہ و مصر عیسائی المذہب حکومت کے زیر نگیں تھے جریج بن متی شاہ مقوقس کے لقب سے اس وقت پکارا جا رہا تھا، حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی [illegible] گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کے آخر

الي المنذر بن ساوي

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله إلى المنذر بن ساوي

سلام عليك فإني أحمد الله إليك الذي لا إله غيره وأشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله

أما بعدُ فإني أذكّرك الله عزّ وجلّ، فإنه من يَنصح فإنما يَنصح لنفسه، وإنه مَن يُطِع رُسُلي ويتبع أمرهم فقد أطاعني، ومَن نَصَح لهم فقد نصح لي وإنّ رُسُلي قد أثنوا عليك خيراً، وإني قد شفّعتك في قومك فاترك للمسلمين ما أسلموا عليه، وعفوتُ عن أهل الذنوب فَاقبَل منهم وإنك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك، ومَن أقام على يهودية أو مجوسية فعليه الجزية

الله

رسول (علامة الختم)

محمد

جواب المنذر الي النبي صلعم

أما بعد يا رسولَ الله فإني قرأتُ كتابك على أهل البحرين، فمنهم من أحبّ الاسلام وأعجبه ودخل فيه ومنهم مَن كرِهه، وبأرضي مجوس ويهود فأحدِث إليّ في ذلك أمرك

عکس مکتوب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بنام المقوقس
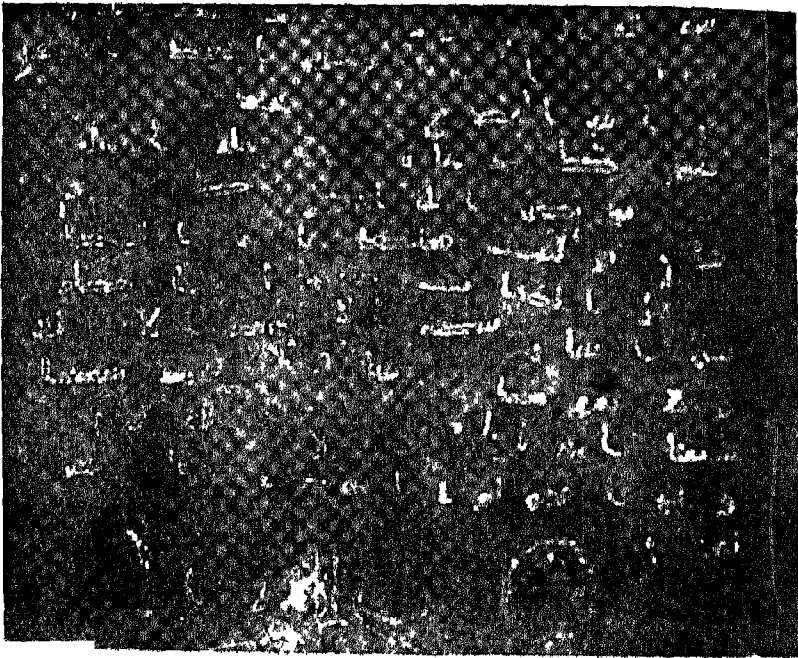
(فاروق العزیز)
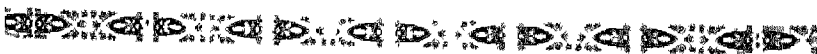
میں اُسے لکھا تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو تمام مصریوں کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمھاری گردن پر ہوگا، سفیر نے بادشاہ کے سامنے فرعونِ مصر کی تاریخ دہرائی، اور کہا کہ جس طرح موسیٰؑ نے عیسیٰؑ کی بشارت دی تھی، اسی طرح عیسیٰؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے، قرآن کی دعوت اسی طرح کی دعوت ہے جس طرح اہل تورات کو آپ انجیل کی دعوت دیا کرتے ہیں، اللہ کے رسول کا انکار غضب خداوندی کو بھڑکا دیتا ہے، آج اللہ کے اس نشان کی ہر طرف سے تائید ہو رہی ہے تو ایمان لے آؤ، شاہ مقوقس نے یہ تقریر سُن کر جواب دیا، میں جانتا ہوں ان میں نبوت والی علامتیں ہیں، لیکن میں اس میں مزید غور کرنا چاہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحائف بھیجے، اور جواب میں لکھا کہ مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے،

ہوزہ حاکم یمامہ عیسائی مذہب تھا، سلیط بن عمرو نامہ مبارک لیکر اس کے پاس پہنچے، اس نے جواب دیا کہ اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کی جائے، یہ چند دنوں کے بعد ہلاک ہوگیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہر چہار طرف عیسائیت کا زور تھا، اور عیسائی سلطنتیں پھیلی ہوئی تھیں، ہرقل شاہ روم ایک نامور عیسائی سلطنت کا مالک تھا، دحیہ بن خلیفہ بیت المقدس کے مقام پر اس سے جا کر ملے، ہرقل نے اسلام کے سفیر کا بہت اعزاز کیا، اور اس کے اکرام

میں شاندار دربار منعقد کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال دریافت کئے، مزید تحقیقات کے لئے ابوسفیان کو بلایا، جو دوسرے تاجروں کے ہمراہ بغرض تجارت آیا ہوا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ابوسفیان اسلام نہیں لائے تھے، اور آپ کے سخت دشمن تھے،

ہرقل نے تاجروں سے کہہ دیا کہ اگر ابوسفیان کسی بات میں غلط بیانی کرے تو مجھے مطلع کرنا، اس کے بعد اس نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا،

قیصر:- محمد کا خاندان ونسب کیا ہے؟

ابوسفیان، شریف واعلیٰ،

قیصر، محمد سے پہلے بھی اس کے خاندان یا عرب میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

ابوسفیان، نہیں،

قیصر، اس نے دعویٰ نبوت سے قبل کبھی جھوٹ بولا؟

ابوسفیان، نہیں،

قیصر، اس کے ماننے والے رئیس وسردار ہیں یا غریب؟

ابوسفیان مسکین لوگ،

قیصر کوئی شخص اس کے دین سے منحرف بھی ہوجاتا ہے؟

ابوسفیان، نہیں،

الى المقوقس عظيم القبط

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد عبد الله ورسوله إلى المُقَوقِس عظيم القبط

سلام على من اتبع الهدى . أما بعدُ فإني أدعوك بدعاية الاسلام أسلم تسلمْ يُؤتِك الله أجرَك مرتين فإن توليتَ فعليك إثم القبط . « يا أهلَ الكتاب تعالوا إلى كلمة سواءٍ بيننا وبينكم أن لا نعبُدَ إلاّ الله ولا نُشرِكَ به شيئا ولا يتّخِذَ بعضنا بعضاً أرباباً من دُونِ الله فإن تولّوا فقولوا اشهَدوا بأنّا مسلمون »

الله
رسول (علامه الختم)
محمد

جواب المقوقس الى النبي صلعم

لمحمد بن عبد الله من المُقَوقِس

سلام . أما بعد فقد قرأت كتابك وفهمتُ ما ذكرتَ وما تَدعو إليه .
وقد علمتُ أنّ نبياً قد بَقِي وقد كنتُ أظنّ انه يَخرج بالشام وقد أكرمتُ رُسلك وبعثتُ إليك بجاريتَين لهما مكانٌ في القبط عظيمٌ وبكسوةٍ وأهديتُ إليك بغلةً لتركبها

والسلام

عذاب الٰہی کا ڈر سنا دیا جائے، اور جو منکر ہیں،
اُن پر خدا کا قول پورا ہو تو مسلمان ہو جا سلامت رہے گا
ورنہ مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا،،

کسریٰ اس خط کو پڑھتے ہی غضبناک ہوگیا، اور نامہ مبارک کو اسی وقت چاک کر ڈالا، اور کہا کہ میری سلطنت کا ایک ادنیٰ آدمی مجھے خط لکھتا ہے، سفیر نے واپس آکر اس واقعہ کی حضورؐ کو اطلاع دی کہ شاہ فارس نے نامہ مبارک چاک کر دیا ہے، آپؐ نے فرمایا مزّق ملکہ، خسرو نے آپ کی گرفتاری کے لئے ایک فوجی دستہ بانویہ کی سرکردگی میں روانہ کیا جب یہ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کل ملاقات کے لئے حاضر ہوں، دوسرے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک کر ڈالا، جب یہ واپس ایران پہنچے تو معلوم ہوا کہ واقعی کسریٰ اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل کیا جاچکا تھا سلطنت کے اندر وہ خلفشار پیدا ہوا کہ پانچ ہزار برس کی یہ سلطنت باہمی خانہ جنگی کا اس طرح شکار ہوئی کہ ہمیشہ کے لئے اس کا نام مٹ گیا،

اب مدینہ طیبہ کا عجیب نقشہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار التبلیغ کا ایک ایک داعی جہاں جہاں پہنچا وہاں سے ایک جماعت لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہو رہا ہے، اب مسجد نبوی میں نگاہ کرو کئی جماعتیں بیٹھی ہیں، ایک تجیب کی جماعت ہے تو دوسری دومۃ الجندل سے آئی ہے، یہ

قیصر: اس کی تعلیم کیا ہے؟

ابوسفیان: کہتا ہے، ایک خدا کی عبادت کرو، نماز، روزہ، پاکدامنی، سچائی، نیکی اور تقویٰ اختیار کرو،

ہرقل نے جب ایک آنے والے نبی کی یہ علامتیں سنی، تو کہنے لگا، کہ اگر میرے استفسارات کے یہ جواب صحیح ہیں تو یقین کرلو کہ شام اور بیت المقدس کی یہ حکومت جس پر آج میں متمکن ہوں ایک دن اس کے قدموں میں ہوگی۔

ایران کی زرتشت سلطنت کسریٰ کے زیر نگیں تھی جو مشرقی دنیا کے نصف حصہ تک پھیلی ہوئی تھی، اس وقت خسرو پرویز شہنشاہ کسریٰ کہلاتا تھا، حضرت عبداللہ بن حذافہ رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر اس کے دربار میں گئے، نامہ مبارک کا یہ مضمون تھا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے نام سے، محمد رسول اللہ کی طرف سے، کسریٰ بزرگ فارس کے نام، سلام اس پر جو راہ مستقیم پر چلتا اور رسول پر ایمان لاتا اور یہ شہادت ادا کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اس کا بندہ اور رسول ہے، میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں، اور میں خدا کا رسول ہوں جسے تمام نسل آدم کی طرف بھیجا گیا ہے، تاکہ جو زندہ ہے اسے

اللہ کے راستہ میں قربان کردی،

عرفات کا منظر | سنہ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا، اطراف ملک میں اس کی اطلاع پہنچی، تو لوگ جوق در جوق مدینہ میں اکٹھے ہونے لگے، ذی الحلیفہ میں احرام باندھا گیا، اور مکہ معظمہ کی سمت انسانوں کا یہ مقدس قافلہ روانہ ہو گیا، راستہ میں جہاں سے گذرتے بے شمار جماعتیں اُن کے ساتھ ہو جاتیں، نویں ذی الحجہ کو آپ وادی نمرہ میں اُترے دن ڈھلنے کے بعد آپ عرفات کے میدان میں تشریف لائے، یہاں ایک لاکھ چوالیس ہزار فدا کاران محمد کا اجتماع تھا، جن کی آنکھیں کسی کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں، آپ نے اس موقع پر جو خطبہ دیا، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہوں گے، لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسا کہ تم اس دن کی، اس شہر کی اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو، لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی بابت سوال فرمائیگا خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں، لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو،

غسان کے لوگ ہیں، یہ یمنی ہیں، یہ قبیلۂ حمیر کے شرفا کی جماعت ہے، یہ وہ قبیلہ ہے جن کا سردار ذالکلاح حمیری، خدا کہلایا کرتا تھا، اور لوگ اسے سجدہ کرتے تھے، یہ آج مسلمان ہوگیا ہے تاریخ میں آتا ہے کہ اس نے اسلام لانے کے بعد اٹھارہ ہزار غلام ایک دن میں آزاد کردیے تھے، نجران، خولان اور محارب کی جماعتیں اپنے امراء کے ساتھ تعلیم و ہدایت میں مصروف ہیں، آپ کا ارشاد ہے، جو جاننے والے ہیں وہ نہ جاننے والوں کو دین سکھادیں، اسی پر عمل ہورہا ہے، جو لوگ دین سیکھ چکے ہیں وہ آبادیوں میں جانے کے لئے تیار کھڑے ہیں رخصت کا انتظار ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھیں تو وہ چل پڑیں، جماعتوں کا، وفود کا ایک سلسلہ شروع ہے، کچھ آرہے ہیں کچھ جارہے ہیں، دین کے لئے ایک نقل و حرکت ہے، جو وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے، عرب کے تمام گوشے لا الٰہ الا اللہ کی آواز سے گونج رہے ہیں، عرب کی ہمسایہ سلطنتوں کے حکمران اسلام کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں، ثمامہ، جبلہ، اکیدر، فروہ بن عمرو خزاعی یہ کون لوگ ہیں، یہ والیان ملک ہی تو ہیں، جن کی پیشانیاں آج پہلی مرتبہ خدائے واحد کے سامنے جھکی ہیں، فروہ بن عمرو کا تو یہ حال ہے کہ جب یہ اسلام لائے ہیں تو قیصر کی طرف سے شام کے گورنر تھے، قیصر کو ان کا اسلام لانا ناگوار گذرا، قید کردیا، اذیت دی، پھر بھی نہیں مانے، آخر قتل کرادیا، دولت، حکومت، عزت اور جان سب

کہ یہ سب کے سب صاف اقرار کر رہے ہیں، دیکھو
جو لوگ موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں
تبلیغ کرتے رہیں، ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ
لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے
ہوں جن پر تبلیغ کی جائے،

وفات | آہ! وہ وقت بھی آیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ سرورِ کائنات کو سہارا
دیئے پسِ پشت بیٹھی ہیں، بہت تیز بخار ہے، چہرۂ مبارک کبھی سرخ
ہو جاتا ہے، کبھی زرد ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ
لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ، پھر ہاتھ کو بلند فرمایا، اور زبان مبارک پر
یہ الفاظ تھے،

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی

۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے،
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی حادثہ پر فرمایا،

آہ: وہ نبی جس نے ہمیشہ فقر کو غنا پر ترجیح دی،
اور تونگری پر مسکینی کو اختیار کیا، وہ دین پرور
جو اُمتِ عاصی کے فکر میں کبھی پوری رات آرام
سے نہیں سویا،

لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے، اور لوگو! نہ کوئی جدید اُمت پیدا ہونیوالی ہے خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو، مال کی زکوٰۃ نہایت دل خوشی کے ساتھ ادا کرو، خانہ خدا کا حج بجالاؤ اولیاء اللہ کی اطاعت کرو تم پروردگار کی فردوس بریں میں داخل ہوگے،

لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا، مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دوگے ؟

سب نے کہا

ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے، آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا،

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا، آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے، پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے، (فرماتے تھے)

اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے خدا گواہ رہنا کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں اے خدا شاہد رہ

باب پنجم

آہ! جس نے ذرا بھی منہیات کو نگاہ التفات سے
نہیں دیکھا، جس نے احسان و مروت کے دروازے
کبھی کسی پر بند نہ کیے، جس کے موتی جیسے دانت
پتھر سے توڑے گئے، جس کی نورانی پیشانی کو زخمی
کیا گیا،

آج دنیا سے رخصت ہوگیا،
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہٖ
وَرَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی اِمَامِ
الْاَنْبِیَآءِ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اصلاحِ عالم کا آخری ظہور تھی، جس نے اللہ کے دین کو اس کے قدیمی نام اسلام کے ساتھ پیش کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کی جس کو خدا نے اپنے کاموں کے لئے چن لیا، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اتباعِ اعمالِ نبوت کے ذریعہ خود اپنے اندر خصائص و برکاتِ نبوت پیدا کر لئے تھے، گو یہ تعداد میں قلیل تھے، اور دنیا کی تاریکی وسیع تھی، لیکن انہی مبارک ہستیوں سے کارِ نبوت کے لئے وہ لاتعداد چراغ روشن ہوئے، جن میں سے ایک ایک نے زمین کے بڑے بڑے رقبوں، اور انسانوں کی بڑی بڑی آبادیوں میں جب قدم رکھا تو وہ اسلام کے نور سے جگمگانے لگیں،

یہ فقراء و مساکین کی جماعت تھی، نہ اُس کے پاس دنیاوی عزت و ریاست تھی، نہ ساز و سامان دنیوی، نہ اُن کے پاس آلاتِ جنگ تھے، اور نہ کوئی مسلح فوج، پھر عالم کے اندر ایک اصلاحی تغیر کیونکر رونما ہوا،

صحابہ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ،

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں دشمنانِ حق کے مقابلہ میں نہایت ہی سخت، مگر آپس میں نہایت رحم دل، اُن کو تم ہمیشہ اللہ کے آگے عالم رکوع وسجود میں دیکھو گے کہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اُن کی پیشانیوں پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان بن گئے ہیں،

آؤ! ان خاک نشینوں کی زندگی دیکھیں جو اطراف و اکنافِ عالم میں ایک روحانی انقلاب کے داعی بن کر نکلے جن کے سامنے لعل و جواہر کے لبریز خزانے آئے تو زار و قطار رونے لگے، کہ کہیں اُن کی آمد دین سے محروم نہ کر دے بڑے گنبدوں اور ستونوں کے عظیم ایوان و محل، صندل و آبنوس کے تخت جب ہاتھ آئے تو یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہمیں تو اس قدر سامان کی ضرورت ہے جو ایک مسافر کے لئے کافی ہو، گورنر ہوئے تو بھی یہی شانِ قلندری برقرار تھی

حضرت سعید بن عامر رضؓ حمص کے گورنر ہیں، لیکن حالت یہ ہے کہ عام مساکین میں اور گورنر میں کوئی امتیاز نہیں، ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ حمص آئے تو وہاں کے فقراء کی فہرست طلب کی، تاکہ اُن کے معاش کا انتظام کر دیں جب فہرست سامنے آئی تو اس میں سعید بن عامر رضؓ کا بھی نام تھا، حضرت عمر رضؓ نے پوچھا، یہ سعید بن عامر رضؓ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا، یا امیر المومنین! یہ ہمارے اور آپ کے امیر، آپ نے متعجب ہو کر کہا تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کیا کرتے ہیں! لوگوں نے کہا وہ اسے ہاتھ تک نہیں لگاتے، حضرت عمر رضؓ اُن کے زہد و ورع کا یہ حال سن کر رونے لگے، اور فوراً ایک ہزار اشرفی کی تھیلی اُن کے پاس بھیجی، کہ گورنر حمص کے گھر میں بے سر و سامانی کی حالت تھی، جب یہ رقم سامنے آئی تو بے اختیار کانپنے لگے، اور فرمایا، دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے ساری رقم ایک توڑے میں ڈال دی، اور تمام رات نماز پڑھتے رہے، اور

وہ اس جماعت کے اعمال سے ہوا، وہ اس مضبوط ارادے اور ہمت کے ساتھ اُٹھے کہ ایسا محسوس ہوا کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے وہ اُن کا نہیں، اُن کے دل اموال کی محبت سے خالی تھے، اور اہل وعیال کی محبت کی بندشیں ڈھیلی تھیں، وقت آیا تو اللہ کے دین کے لئے ایک ایک نے جان، مال، گھر بار قربان کردیا،

آں کس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند؟
فرزند وعیال وخان ومال راچہ کند؟
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند؟

ترجمہ "جو شخص تیری ذات کا خواہاں ہو وہ جان ومال اور اہل وعیال کو کیا کریگا، جب تو نے اپنا دیوانہ بنا لیا تو اسے دو عالم بخشنے سے کیا فائدہ کیونکہ تیرے دیوانہ کو دو عالم سے کیا سروکار"؟

بے شک ظاہر اُن کا حقیر تھا، لیکن باطن عزیز وجلیل، اُن کے چہروں پر فلاکت کی گرد تھی، مگر دل نور صداقت سے چمک رہے تھے، اُن کے جسم پر پھٹے ہوئے کپڑے تھے، مگر اُن کے دوشِ عزیمت پر قیمتی ردائیں پڑی تھیں،

اے صحابہ رضوان اللہ اجمعین! اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں آپ پر کہ اللہ کے کاموں کے لئے آپ کی جماعت کا انتخاب ہوا،

اے مومنین صادقین! اللہ کے ہزاروں انوار ہوں تم پر کہ تمھارے حصہ میں وہ نسبت آئی جو نبوت کے اعتبار سے بہت اونچی نسبت ہے،

تو روحانی اعمال سے وجود میں آئیں گے، جب تک کوئی داعی اپنے اندر اپنی اصلاح کا نمونہ نہیں رکھے گا، دل اس کی تعلیم کی طرف مائل نہیں ہوں گے، اور نہ روح میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا،

صحابۂ کرام رض اور ان کی اقتدا کرنے والوں کے سینوں میں تعلیمات الٰہیہ کی مقدس آگ تھی جہاں کہیں وہ گئے ہر طرف اس کی گرمی پھیل گئی، دنیا کے تین براعظموں اور ان کے جزیروں میں کونسا خطہ ایسا باقی ہوگا جس نے اس گرمی کا اثر قبول نہ کیا ہو،

براعظم ایشیا میں عرب، شام، فلسطین، آرمینیا، کاکیشیا، جرجان، طبرستان، ایران، خراسان، افغانستان، ہندوستان، پاکستان، کشمیر، تبت، ترکستان، سائبیریا، چین اور چینی تاتار،

براعظم یورپ میں، اسپین اور یورپین روم کے ممالک ترکی، البانیہ، بلغاریہ، سرویہ، جوگسیا، مانٹ نیگرو اور یورپین روس کے خطے،

براعظم افریقہ میں، مصر، نوبیا، حبش، شمالی ساحل افریقہ کے ملک طرابلس، ٹیونس، الجزائر، مراکو، مغربی ساحل اور مشرقی ساحل کے ملک، وسط افریقہ کے صحرا، اور جنوبی حصہ میں کیپ کوسٹ کالونی،

جزائر میں مالدیپ، سماٹرہ (سماترہ) جاوا، سلوکا، بورنیو، سلیبیز، فلپائن، زولو، نیوگنی، کریٹ، امریکہ کے بعض جزیرے، ملایا اور ملاکا

روتے رہے، صبح تمام روپیہ اسلامی ضروریات کے لئے دیدیا،

شام کی امارت پر مامور ہوئے تو آپ کی ہمدردی اور غمخواری نے ملک شام کی عیسائی رعایا کو آپ کا گرویدہ کرلیا تھا، حضرت عمرؓ کو وہاں کے محکوموں کی اس خوشی کا حال معلوم ہوا تو دس ہزار کی گراں قدر رقم آپ کی خدمت میں پیش کی، لیکن یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ میرے لئے میری آمدنی کافی ہے، میں یہ خدمت فی سبیل اللہ کرنا چاہتا ہوں،

عالم کی اصلاح مادیت کی بنیادوں پر تلاش نہیں کی جاسکتی، جب اعمال کے اندر روحانی قدریں زندہ ہوتی ہیں تو امن وعافیت کی فضا میں پیدا ہوتی ہیں، عالم کا امن وسکون اس وقت سلب ہوتا ہے جب مادی افکار کی کارفرمائی ہوتی ہے،

یہ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی کہ ان میں کا ہر فرد اسلام کا ایک صحیح ترین عملی نمونہ اپنے اندر لے کر جس ملک میں پہنچا تو اسی ایک شخص کے احوال سے تمام ملک کے احوال بدل گئے، سعید بن عامرؓ کی زندگی جب حمص اور شام کے سامنے آئی تو حمص اور شام کی حالت بدل گئی،

وہ کیا آتشکدہ اثر تھا کہ جس جس اقلیم میں کوئی پہنچ رہا ہے اس کی تسخیر کا عزم لے کر پہنچ رہا ہے، دنیا کے انقلاب کی یہ تسخیر مدلتے قول سے نہیں ہوئی، آج خیال یہ ہے کہ قول سے روحانی اعمال زندہ ہوں گے، روحانی اعمال

عکس مکتوب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بحنینا و لاہل خیبر

(فاروق العزیز)

جزیرہ نما،

یہ صرف ملکوں کے نام تھے، جہاں دعوت کی صدائیں اس طرح بلند ہوئیں، کہ دلوں کے سمندر حرکت میں آ گئے، اُن قوموں اور مذہبوں کا کہاں تک شمار کیا جائے، جب اسلام کی عملی روح اُن کے سامنے آئی تو وہ دنیا کی تمام طاقتوں اور ماسوا اللہ قوتوں سے باغی ہو کر صرف خدائے واحد کے وفادار اور تابع احکام ہو گئے،

علم التھنولوجی کے عالموں نے بنی نوع انسان کو چھ نسلوں میں تقسیم کیا ہے، ایرین، سریو عربیک، منگولین، امریکن، نیگرو، نمیگرائٹ، ان نسلوں کے متعدد حصے ہیں،

۱۔ ایرانی نسل کی یورپین اور ایشیائی شاخوں میں کیلٹک، ٹیوٹانک، سلوانک، اٹالک، الریک، ہیلنک، ایرانی اور برہمنی ہیں،

۲۔ سریو عربیک نسل میں، ایرامک، عبری، اور عربی قومیں،

۳۔ منگولین نسل میں مغل، تاتار، ترک، تبتی، اور ملائی،

۴۔ امریکن میں ریڈ انڈین،

۵۔ نیگرو نسل کی صدہا شاخیں ہیں،

۶۔ نیگرائیٹ نسل نیگرو کے مشابہ ہے، اور مشرقی مجمع الجزائر ایشیا کے جزیروں میں بکثرت آباد ہے،

جماعتِ صحابہؓ کی تحریکِ صداقت جب اُن قوموں میں پہنچی تو ان میں سے ایک قوم بھی ایسی باقی نہ تھی، کہ جن کے دل و جگر میں دعوت کی یہ آواز نہ اُتری ہو، اُس کے رشتے سے ٹوٹی ہوئی یہ قومیں جُڑ نہ گئی ہوں، اُس کے دروازے سے بھاگی ہوئی یہ نسلیں اُس کے آستاں پر سجدہ ریز نہ ہوئی ہوں،

وہ کون سا مذہب تھا، برہمن، بدھ، موسوی، زردشتی، عیسوی، اور اُن کے صدہا فرقے، بت پرستی کے مذاہب، یا گھاس پھونس، درخت، پتھر، دریا، پہاڑ، کواکب، روحوں اور مورتیوں کے پوجنے والے مناظر قدرت کی پرستش کرنے والے اور فلسفیانہ بت پرست جنھوں نے انسانی خد و خال کے اندر سے جمالِ حقیقی کی شعاعیں نہ دیکھی ہوں، اور ہدایت ربانی کی صدا کا جواب لبیک سے نہ دیا ہو،

عرب سے اٹھ کر اسلام کی دعوت نے دنیا کے ملکوں، قوموں اور مذہبوں کی تاریخ یک قلم اُلٹ دی، یہ وہ روحانی انقلاب تھا جس نے دنیا اور دنیا کے مناظر کو یکسر پلٹ دیا، زمین کے جغرافیے اور اس کی خشکی و تری کی حدیں بدل ڈالیں انسانی نسلوں کے مسخ شدہ خصائل و تمدن کی عمارتوں کو ڈھا کر پھر از سرِ نو تعمیر کر دیا ؎

۱ غیر من در پس ایں پردہ سخن سازے ہست
بازو دل نتواں داشت کہ غمازے ہست

ترجمہ

۱ میرے علاوہ بھی اس پردے کے پیچھے کوئی سخن ساز ہے
دل میں کوئی راز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا کیونکہ غماز وہاں موجود ہے،

حضرات صحابہؓ کے عہد میں جیش اسامہؓ پہلا معرکہ تھا جو حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں سر ہوا، اسامہؓ سولہ سال کے نوعمر لڑکے تھے، راہِ خدا میں نکلے تو شان یہ تھی، حضرت عمرؓ، ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ قتادہ بن نعمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اُن کی ماتحتی میں تھے، خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ پیادہ پا ساتھ چل رہے تھے، اور کہتے جاتے تھے، خدا کی راہ میں میرے پیروں کو گرد آلود ہونے دو، اسامہؓ فتح یاب ہو کر واپس آئے، تو حضرت ابوبکرؓ مدینہ سے باہر اُن کے استقبال کے لئے موجود تھے،

یہ معرکہ اس لئے پیش آیا تھا کہ اسلام کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ جب شاہ بصریٰ سے واپس آ رہے تھے، تو راستہ ہی میں شہید کر دیئے گئے تھے، اُن کے بعد حضرت زیدؓ، حضرت جعفر طیارؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جامِ شہادت نوش کیا تھا،

یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں جو صدق و عدل کا اعلان کر رہی تھیں، دنیا اور اس کی آلائشوں سے پاک ہو کر عشق و محبت کی آگ اُن کے سینوں میں سوزاں ہو گئی تھی،

اس جماعت کے روحانی اعمال کا پرتو جس سرزمین پر پڑا اُس کا یکسر نقشہ بدل گیا، رومۃ الکبریٰ کی عیسائی سلطنت کا آرچ بشپ (اسقفِ اعظم) اپنی تقریر میں کہتا ہے:-

۲ زخم کاریست صراحی و قدح برچیند
نیم بسمل شدہ بر سرِ پروازے ہست

۳ بلبلاں روز گلستاں بہ شبستاں آرند
کہ دریں کنجِ قفس زمزمہ پردازے ہست

۴ عشق بازیم بہ معشوق مزاجے انداخت
زاں نیازیم کہ با اوست بخود نازے ہست

۵ گو کہ ایں صف شکناں قصدِ ضعیفاں نکنند
کہ دریں قافلہ گاہے قدر اندازے ہست

۶ دی نظیری نرسیدست کہ امروز رود
صحبتے را بود انجام کہ آغازے ہست

ترجمہ

۲ ضربِ کاری سے مجھے صراحی و قدح کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے،
کیونکہ میں نیم بسمل ہو چکا ہوں (مغموم ہو چکا ہوں) مجھے پرواز کی (جولاں کی) ضرورت ہے۔

۳ بلبلیں گلستاں سے شبستاں کی طرف واپس آ رہی ہیں،
اس کنجِ قفس میں کوئی نغمہ پرداز موجود ہے جس کی وجہ سے یہ کھنچی چلی آ رہی ہیں۔

۴ عشق کی وجہ سے ہمارا مزاج بھی معشوقانہ ہو گیا،
اس لئے کہ ہم اس بے نیاز پہ نازاں ہیں جو تجھ سے وابستہ ہو۔

۵ کہہ دو کہ یہ صف شکن کمزوروں پر نہ چڑھ دوڑیں،
کیونکہ اس قافلہ میں کبھی کبھی قدر انداز (تیر انداز) بھی ہوتے ہیں۔

۶ اے نظیری کل تو ابھی ختم ہوئی تھی تو آج کا دن بھی گذر گیا،
ہر صحبت اور محفل جس کا آغاز ہوتا ہے انجام بھی ہوتا ہے۔

دعوتِ اسلام کی ساری تاریخ رواداری، عفو اور درگذر کی تاریخ ہے، جو نمونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ملتے ہیں، وہی شانِ صحابہؓ میں نظر آتی ہے، بنو تغلب نے اپنے قدیم مذہب کو جب ترک کرنے کی نیت ظاہر نہ کی، تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے، بنو تغلب اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد ہیں، اور اگر کوئی اپنی مرضی سے اسلام قبول کرے گا تو کوئی مزاحمت کا مجاز نہ ہوگا،[1]

حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کو حکم دیا کہ جزیہ جو عیسائی رعایا پر محصول تھا، ادا کیا کریں لیکن جزیہ جو انکی جان و مال کی حفاظت کے عوض میں تھا، انھوں نے اپنی شان کے منافی سمجھا، اور امیر المومنین کو درخواست دی کہ جس قسم کا محصول مسلمان دیتے ہیں بنو تغلب کو بھی وہی محصول ادا کرنے کی اجازت دی جائے، اس کے بعد یہ لوگ جزیہ کی جگہ صدقہ دیتے تھے، جو خیراتی محصول تھا،[2]

شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور فارس پہلے ملک ہیں جو ابتدا زمانۂ صحابہؓ میں دعوت کا مرکز بنے، حضرت عمرو ابن العاصؓ ۶۴۰ء میں مصر میں داخل ہوئے، تو یہ ملک یعقوبی عیسائیوں کا مسکن تھا، میلینو قبطانیہ، کہ کلیسا۔ یونان کے عیسائیوں نے جو قیصر روم کے دربار میں اثر و رسوخ کے مالک تھے، اُن پر ایسے ظلم کئے کہ آج تک ان کی اولاد بھی اُن کی بدسلوکیوں

---

[1] طبری پہلا سیریز ص ۲۴۸۲، [2] ج ۱، ۱ے ٹبری لائمن سیریز ۹ ص ۹۷۰

اب وہ کیا ہیں اور پہلے وہ کیا تھے، جب مردہ بتوں کو پوجتے تھے،
تو محسوس ہوا کہ ایک روحانی فضا میں اُن کو کوئی لے آیا ہو، آخر کار
اب وہ سمجھے کہ انسان کی شان اور اس کا جلال کیا ہے، یعنی ایک
خدا کا بندہ ہونا جو سب کا خالق اور حاکم ہے، ایسے بندے
مسلمان بنے جن کا کام تھا خدا کی قوت کا اعلان کرنا، یہ کیسی سچائی
تھی جس نے ہزاروں کے دلوں کو تسخیر کیا، اسی سچائی کے بل پر
بے شمار قبیلے جنھوں نے ہمیشہ اس کے سوا کچھ نہیں کیا تھا، کہ
ایک دوسرے کو کاٹیں اور نگل جاویں، ایک قوم میں منظم
ہوگئے، اور ہزاروں طرح کے بے جوڑ جھوٹ کے پوجنے والے
ایک سوسائٹی میں ترتیب پاگئے[۱]،

عرب کے وہ قبیلے جو صدیوں سے عیسائی چلے آتے تھے، بخوشی حلقہ بگوش
اسلام ہوگئے، ان قبائل میں بنو غسان کا قبیلہ بھی تھا، جو فلسطین کے
صحرائے مشرق اور جنوبی شام پر مسلط تھا، جب یہ لوگ اسلام لائے، تو
اُن کے متعلق مشہور ہوگیا تھا کہ وہ جاہلیت کے وقت میں تو سردار تھے، اور
اسلام کے زمانہ میں ستارے[۲]،

---

[۱] دیکھو ان میٹا یول چرچ ہسٹری مصنفہ ٹرنچ ص ۵۲،

[۲] مسعودی، ج ۲، ص ۲۳۸،

عمر ثانی یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ (۲۰، ۱۷ ، ۶ء) کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ مورخ ڈوزی لکھتا ہے آمدنی میں اس قدر کمی ہو گئی تھی کہ گورنر مصر نے یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں وہ جزیہ سے مستثنیٰ نہ کئے جائیں، لیکن نیک دل خلیفہ نے اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا،

"اگر کل عیسائی مسلمان ہو جائیں تو بھی میں خوش ہوں گا، کیوں کہ خدا نے اپنے نبی کو انسانوں کی طرف رسول کر کے بھیجا تھا نہ کہ محصولوں کا جمع کرنے والا،،

اے عمرو ابن العاص تجھ پر اللہ کی رحمتیں ہوں کہ مصر کی سرزمین تیری دعوت سے سیراب ہوئی، جب تیرا پہلا قدم یہاں پہنچا تو تیرے سامنے اللہ کا دین تھا، اور آج جب کہ تو اس سرزمین کا گورنر ہے تیری وہی آواز آرہی ہے،

لوگو! مادیت سے بھاگو، دنیا کی تمنا نہ کرو، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے،

سنہ ۴۳ھ میں مصر ہی میں بیمار ہوئے، موت کے وقت اپنے محافظ دستہ کو بلایا وہ آئے تو پوچھا، بتاؤ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ جواب ملا، آپ ہمارے نہایت اچھے ساتھی تھے، اور ہماری عزت کرتے تھے، نہایت اچھا سلوک کرتے تھے، دل کھول کر دیتے تھے،، فرمایا، کیا یہ سلوک میں

کو فراموش نہیں کر سکی، ان یعقوبیوں کو سخت اذیتیں دی گئیں، سمندر میں غرق کئے گئے، قیصر جسٹینین کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے دو لاکھ یعقوبیوں کو اسکندریہ میں قتل کر دیا، اور قیصر کے جانشینوں نے جو مظالم کئے ان کی وجہ سے قبطیوں نے صحرا میں پناہ لی[1]

مسلمان مصر پہنچے تو ان کو مذہب میں وہ آزادی بخشی، جس کا تجربہ انھیں اس سے قبل نہ ہوا تھا، حضرت عمرو بن العاص رض نے گرجاؤں پر قطعاً ان کو مالک رہنے کی اجازت دیدی، کسی گرجا کے مال پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا، اور نہ غارت گری کی گئی، مسلمان مصر میں داخل ہوئے تو عیسائی خیر مقدم کے لئے موجود تھے[2]

مورخ فون رانکے لکھتا ہے کہ مصر کے متعلق ہم کو صاف شہادت ملتی ہے کہ عرب کے زمانۂ حکومت میں فتح مصر کے بعد جو صدیاں گذریں مصر کے باشندے ہمیشہ امن کی حالت میں رہے،

حضرت عثمان رض (۶۴۴-۶۵۵ء) کے دور حکومت میں جو محصول یہاں آتا تھا اس کی رقم ایک کروڑ بیس لاکھ تھی، چند سال کے بعد یہ آمدنی پچاس لاکھ رہ گئی، جس کا سبب یہ ہوا کہ کثرت سے عیسائی مسلمان ہوئے،

---

[1] "مصر کی موجودہ حالت" مطبوعہ لندن، ۱۹۶۸ء ص ۱۱ (انگلش اڈیشن)

[2] بحوالہ تاریخ یعقوبی بن البطریق، ص ۵۸۴،

یہ فکر تمام جماعتِ صحابہ کا فکر تھا، زندگی میں بھی آخرت کا فکر تھا، موت کے وقت بھی یہی فکر دامن گیر ہے، کہ آہ! مرنے کے بعد اعمال کا محاسبہ کس قدر سخت ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اس محاسبہ کا خیال آتا، تو زار وقطار روتیں، اور دوپٹہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتا، صحابیاتؓ کے اندر بھی یہی یقین کارفرما تھا، کہ اسلام لانے کے بعد تشدد و امتحان کے ان پر کئی دور آئے، اُم شریکؓ وہ خاتون ہیں جن کے اعزہ واقارب نے انھیں کئی کئی دن تک دھوپ میں کھڑا کر کے جلایا، پیاس کی شدت سے تڑپایا، بدحواس ہو جاتی تھیں، لیکن ایمان کی جنبش نے وہ کام کیا تھا، کہ بولنے کی طاقت نہیں، لیکن انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہے کہ میں تو اپنی آخرت بنانا چاہتی ہوں، دنیا اور اس کی مادی منفعتیں، دنیا اور اس کا فانی آرام آخرت کے اسباب نہیں ہیں، آخرت کے اسباب تو آخرت کے یقین والی زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں،

مصر میں قبطی پہلی قوم تھی جب اُن میں دعوت کا رنگ آیا تو اللہ تعالیٰ نے تمام ملک میں دین کی خدمت کا کام اسی قوم سے لیا، اسی طرح افریقہ میں قوم بربر اسلام کا ذریعہ بنی،

سنہ عیسوی میں ملکہ کاہنہ نے مسلمانوں کے غیر معمولی اخلاق وادصاف کی تعریف سنی تو اپنے بیٹوں کو یہ ہدایت دے کر روانہ کیا، کہ وہ جا کر اسلام قبول کریں، اور مسلمانوں کے مقصد کو اپنا مقصد بنائیں، ملکہ نے اپنے خیالات کا اظہار

اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے؟ آج کون ہے جو مجھے موت سے بچائے! پھر فرمایا، کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا، اے اللہ میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں، اگر تیری رحمت نے دست گیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا، اس وقت کیفیت یہ تھی کہ آخرت کے خوف سے جسم کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا، موت کے وقت ہوش و حواس قائم تھے، جب موت کی کیفیت پوچھی گئی تو فرمایا، موت کی صفت ناقابلِ بیان ہے، اس کی تھوڑی سی حقیقت جو مجھ کو معلوم ہو رہی ہے یہ ہے کہ ایک گرز میری گردن پر ٹوٹا پڑتا ہے، کھجور کے کانٹے میرے پیٹ میں پڑے ہیں، جان سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے،

ابن شماسہؒ کہتے ہیں کہ ہم مرض الموت میں عمرو ابن العاصؓ کی عیادت کو گئے، وہ دیوار کی طرف منہ پھیر کر رونے لگے، آپ سے کہا گیا، ابا عبداللہ آپ کو تو بشارتیں ملی ہیں اور آپ روتے ہیں، جواب دیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں مرجاتا تو جنت کی امید تھی، کہ بیعت کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ میری مغفرت ہو جائے آپ نے فرمایا تھا اے عمرو بن العاص دین کے لئے ہجرت پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے، لیکن زندگی کے آخری دور میں مجھ سے مختلف اعمال ہوئے ہیں، اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا،

دین قبول کیا، اور اسلامی اخوت میں سب برابر ہوگئے، جو لوگ اپنے قدیم مذہب زرتشت پر قائم رہے انھیں ہر طرح مذہبی آزادی حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ آج بھی آتش پرستوں کے گروہ ایران کے بعض اضلاع میں موجود ہیں، اُن کے آتشکدوں کا ہمیشہ خیال رکھا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحابہ کرام رض کے ہمیشہ پیش نظر رہا، کہ زرتشتیوں کے ساتھ بالکل ایسا ہی برتاؤ کرو جیسا اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو[1]،

خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ خلافت (۲۱۸ھ/۸۳۳ء) میں ایک اسلامی سالار نے مسجد کے ایک امام ومؤذن کو اس جرم پر دُرّے لگائے تھے کہ سغد کے شہر میں انھوں نے ایک آتشکدہ کو توڑ کر اس جگہ مسجد بنادی تھی[2]،

مسعودی نے لکھا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں فتح ایران کے تین سو برس بعد عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، آذربیجان، اور ایران کے تمام حصوں میں آتشکدے اور دخمے بنے ہوئے تھے،

شہرستانی نے لکھا ہے کہ خود بغداد کے قریب اسفینیہ میں ایک آتشکدہ موجود تھا، یہ تاریخی حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ داعیانِ اسلام جس ملک میں پہنچے حلم و رواداری کی مثال بن گئے، وہ ان ملکوں میں دنیا اور اس کی منفعتوں کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ ایک داعی کی حیثیت سے آئے

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۷۳، [2] طبری، ج ۱، ص ۲۸۷،

اس طرح کیا تھا کہ وہ خود اس دین کی اطاعت کرنا چاہتی تھی[۱]،

افریقہ میں جماعتِ صحابہؓ کے چند افراد پہنچے، اپنی قربانیوں سے بربر قوم کو دعوت پر اٹھایا، یہ انہی کی جدو جہد کا نتیجہ تھا کہ حضرت طارق رہ جیسے جانباز بربر قوم سے پیدا ہوئے، اور چند سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ ان کی سرکردگی میں بارہ ہزار بربر جہازوں پر سوار ہو کر ساحل ہسپانیہ پر اتر گئے،

ایران کے ساسانی خاندان کا زوال حضرات صحابہؓ کی زندگی ہی میں شروع ہوا وہ وسیع سلطنت جس نے چار سو برس تک رومااور بازنطین کی طاقتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، اب مسلمانوں کا یہ ورثہ ہو چکی تھی،

ایران کا قدیم مذہب کئی فرقوں میں منقسم تھا، عیسائی، یہودی، صابی، نوشک، مانویہ، اور بدھ مذہب کے خیالات بھی کثرت سے موجود تھے، لیکن مذہب زرتشت کے پیشواؤں کو سلطنت میں وسیع اختیارات حاصل تھے، اور شاہی خاندان بھی اس مذہب کا پیرو تھا، باقی فرقوں کے ساتھ اس کی سخت مخاصمت چلی آتی تھی، جب مسلمان ایران میں داخل ہوئے تو اُن کے اخلاق وسیرت کی شہرت اس خطہ میں پہنچ چکی تھی، گوبنو لکھتا ہے کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کی آمد کو اپنے حق میں نجات کا باعث سمجھا، شاہی مذہب کا سلوک شہری باشندوں، مزدوروں اور پیشہ ور لوگوں کے ساتھ ایسا تھا کہ یہ ناپاک سمجھے جاتے تھے، اسلام آیا تو انھوں نے خوشی سے یہ

---

[۱] لے سوار، پہلی جلد ص ۴۲۱،

ذات کسکو دیا،   جو کچھ تھا صرف اللہ کے لئے تھا اور اسکی رضا کے لئے

یہ ایسی جماعت تھی جس کے ایک فرد اصفہان کے آتش پرست خاندان
کے چشم وچراغ حضرت سلمان فارسی تھے، تلاش حق کے لئے گھر سے نکلے،
تو باپ نے بیڑیاں پہنا کر قید کردیا، اس قید سے نکل کر مدینہ پہنچے، مشرف باسلام
ہوئے، مقام نبوت کا رنگ غالب آیا، مدائن (ایران) کے گورنر بنا کر بھیجے گئے
ہیں، آرام وراحت کے تمام سامان مہیا ہو سکتے ہیں، مملکت ایران میں سب سے
بڑا اعزاز رکھنے کے باوجود سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا، تمام شاہی سواریاں
منسوخ کردیں، سواری کے لئے ایک ہی گدھا تھا جس کی زین تک نہیں تھی؛
شان وشوکت کے تمام مواقع میسر آسکتے ہیں، لیکن لباس کی فروتنی کا یہ حال
ہے کہ ایک عبا اور معمولی سی جانگھیہ ہے، قمیص اتنی تنگ اور چھوٹی تھی کہ گھٹنے بھی
نہ چھپ سکتے تھے، گورنر کو خادموں کی کیا کمی ہوتی ہے، لیکن یہاں حالت یہ ہے
کہ آٹا خود گوندھتے ہیں، اُن کے ان احوال کی جب تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ
تنخواہ جس قدر ملتی ہے مستحقین میں تقسیم کردیتے ہیں، اور خود چٹائی بُن کر
معاش پیدا کرتے ہیں، چٹائی کی آمدنی بھی تین حصوں میں تقسیم کرتے، ایک
تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے، ایک تہائی خیرات کردیتے، اور ایک تہائی
علم حدیث کے شائقین پر خرچ کرتے،

یہ اسلام کے گورنر کی شان تھی، نگاہ اس زندگی پر لگی تھی، جو موت

راہِ دعوت کا اصل مرکز مقامِ نبوت ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان یہ ہے

وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ،

میں اپنی خدمتوں کا کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتا، میری مزدوری کے اجر و معاوضے کے حساب وکتاب کی جگہ رب العالمین ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان یہ ہے،

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ،

محمد یہ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے (اپنی خدمات کی) کوئی اجرت تم سے مانگی ہو تو اپنے پاس رہنے دو، میرا اجر تو اللہ پر ہے، جو ہر بات کے خوب واقف ہے،

داعی نبوت کے اِس مقام سے منسوب ہوتا ہے، اس کی نگاہ مخلوق پر نہیں ہوتی، اس کی نظریں خالق پر ہوتی ہیں کہ کب اس کی جان اور مال جیسی حقیر چیز خریدی جاتی ہے،

مخلص بندوں کے احوال بھی یہی ہیں، خدا کے بندوں کی خدمت کرتے ہیں، بھوکوں کو کھلاتے ہیں، پیاسوں کو پلاتے ہیں، اپنی ان خدمتوں کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے، اور کہتے ہیں،

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً

یہ جو ہم نے تمھیں کھلایا پلایا سو اس کا کوئی بدلہ اور احسان مندی تم سے نہیں چاہتے،

میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا، وہ اس صدائے الٰہی کا نتیجہ تھا، جو ان نفوس کے اندر سے اُٹھی تھی، جن کی نسبت کہا گیا ہے سِیْمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ، اُن کی پیشانیوں پر کثرتِ سجود سے نشان بن گئے ہیں،

جب یہ زندگیاں لوگوں کے سامنے آئیں تو زردشت مذہب کا عالیشان قصر جس کو شاہان ایران نے اپنے سہارے سے قائم رکھا تھا کھنڈر ہو گیا، اسلام کی تعلیم فطرت قلوب میں جگہ حاصل کرنے لگی، آٹھویں صدی عیسوی میں بلخ کا ایک امیرزادہ جس کا نام سامان تھا، اسد بن عبداللہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوا، اور اپنا نام انھیں کے نام پر اسد رکھا، اور یہی نومسلم شہزادہ تھا، جس سے دولت سامانیہ وجود میں آئی،

نویں صدی عیسوی کے شروع میں کریم ابن شہریار خاندان قابوسیہ کا رئیس مسلمان ہوا ۳۰۱ھ میں جب ابو محمد نصیر الحق نے دعوت دیلمین کا آغاز فرمایا، اُن کے جذبۂ خلوص سے متاثر ہو کر دیلم کی آتش پرست آبادی کثرت سے اسلام لے آئی،

۹۱۲ء میں بحر خزر کے جنوبی سواحل پر حسن ابن علی جو خاندان علویہ کے جانشین تھے صاحب علم تھے، انھوں نے طبرستان کے بت پرستوں اور آتش پرستوں کو اسلام کی دعوت دی، یہ اُن کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ تھا، کہ پھر ان مذاہب کے لوگوں سے اسلام کے ایسے داعی پیدا ہوئے کہ دور دور

کے بعد شروع ہونے والی ہے، فرماتے "یہ زندگی تو کسی نہ کسی طرح بسر ہو جائے گی، فکر تو اس زندگی کا ہے"، اسی لئے تمام عمر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں درخت یا دیوار کا سایہ مل جاتا پڑ رہتے،

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار ہوئے، جماعت صحابہ رضہ عیادت کو آئی، آپ رونے لگے، آپ سے کہا گیا، رونے کا یہ کونسا مقام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے خوش تھے، حوض کوثر پر آپ سے ملاقات ہوگی، فرمایا، خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا، اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا سامان دنیوی ایک مسافر کے زاد راہ سے زیادہ نہ ہو، حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ کہا تھا دیکھا تو ایک بڑا پیالہ ایک لگن اور تسلہ تھا، بستر کیا تھا، ایک معمولی بچھونا تھا، اور دو اینٹیں تھیں، جن کا تکیہ بناتے تھے، یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی جب امارت کے عہدہ پر ممتاز تھے، ہزاروں انسانوں پر حکومت کرتے تھے، اور پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے، تو اس وقت بھی ان کے پاس ایک ہی عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے، آدھا حصہ اس کا اوڑھتے تھے اور آدھا بچھاتے تھے،

یہ اُن افراد کے احوال ہیں جن کے اس اسلامی کیرکٹر نے دنیا کو موقع دیا کہ وہ اسلام کو قریب سے دیکھیں، دنیا کے تین براعظموں اور ان کے جزیروں

کے لوگوں میں آپ کی دعوت مقبول ہوئی، یرموک پہنچے تو قیصر روم کے سفیر جارج نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، حضرت خالدؓ کا ایک زمانہ تھا کہ اسلام کے بدترین دشمن تھے، اب کیفیت یہ ہے کہ آپ کی شجاعت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں، اسلام کے سوا سو معرکوں میں شریک ہوئے، جب ان کا جسم دیکھا گیا تو ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے چھلنی نہ ہوا ہو، تمام عمر آرزو یہی رہی کہ اس راہ میں شہادت نصیب ہو، جب یہ امید پوری نہ ہوئی تو زندگی کے آخری لمحات میں روتے تھے، اور کہتے تھے کہ ساری زندگی میری کارزار میں گذری، اور آج بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہا ہوں، جس وقت مدینہ میں انتقال ہوا تو کہرام مچ گیا،

یاران رسولؐ کے اخلاق و عمل کی جنبش جب عیسائی دنیا میں محسوس ہوئی تو رومتہ الکبریٰ جیسی عظیم سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں،

جستنین قیصر روم کی موت کے بعد سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے تھے، پایہ تخت اور صوبجات میں کوئی مشترکہ قومی خیال باقی نہ رہا تھا، جب قیصر ہرقل کا زمانہ آیا تو اس نے چاہا . کہ عیسوی دین کی تفسیر و توجیہ کر کے تمام مناقشات کو جو مختلف فرقوں میں موجود تھے ختم کر دے، اور جو لوگ کلیسائے قدیم (ارتھوڈوکس) سے برگشتہ ہیں، ان کو کلیسا، اور پایہ تخت کا مطیع

تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آواز گونجنے لگی، سمرقند اور بخارا میں ابن قتیبہؒ کی کوششوں سے اسلام پھیلا، ایران کا مشہور شاعر ابو الحسن اپنے استاد شریف الرضا کی دعوت پر مسلمان ہوا،

جس طرح ایران میں اسلام دعوت کے طریقوں سے پھیلا اسی طرح افغان قوموں میں اسلام پُر امن طریقوں سے رائج ہوا، حضرت خالد بن ولیدؓ پہلے صحابی ہیں جو افغان قبیلہ غور کے ملک میں پہنچے، جو ہرات سے مشرق میں واقع ہے،

بیلو لکھتا ہو کہ حضرت خالدؓ نے غور کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اور کہا کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم کے نیچے جمع ہو جاؤ، قوم غور نے اس نئے پیغام کو توجہ سے سنا، اور حضرت خالدؓ کے ساتھ اپنے سات سردار بھیجے، اُن کے سامنے جب تاجدار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی آئی تو کایا پلٹ گئی، وطن میں پہنچے تو اسلام کے داعی تھے، یہ انہی کی دینی جد و جہد کا نتیجہ تھا کہ آگے چل کر شاہ کابل نے اسلام قبول کیا، اسلام کی داعیانہ کارروائیوں میں خالد بن ولیدؓ کا نام صفِ اول پر نظر آتا ہو، اُن کی زندگی کیا تھی؛ فتح مکہ کے بعد اسلام کی اشاعت کے لئے بڑے طویل سفر اختیار کئے، بنو جذیمہ، بنو عبد المدان، طلیحہ، بنو ہوازن، بنو سلیم، بنو عامر، نجرانی اور اہل یمن انہی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے، آپ کی اولو العزمی اور راست بازی کی اس قدر شہرت تھی کہ ہر درجہ اور ہر طبقہ

ہرقل نے عیسائی فریقین مقابل میں مصالحت پیدا کرانا چاہی، اور فریقین کے عقائد کو سامنے رکھ کر مونوتھیلزم کا مسئلہ ایجاد کیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ اقانیم کی دوئی کو مان کر مسیح کی واقعی زندگی میں ذات کی وحدت کو قائم کیا جائے،

ہرقل اس مسئلے سے چاہتا تھا کہ تمام عیسائی متحد ہو جائیں تاکہ اُن کے سیاسی اور مذہبی تفرق کو اسلام سے جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے اس کا مل کر مقابلہ کیا جائے، لیکن دین مسیح میں ہرقل کی اس جسارت کو دونوں فرقوں نے سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، مناظروں کی آگ زیادہ مشتعل ہوئی قیصر ہرقل بے دین قرار دیا گیا،

سلطنت روما کی ارتھوڈوکس رعایا مسیحی عقائد کی الجھنوں سے تنگ آکر اسلام کے قریب آنے لگی، مسلمانوں نے جب اُن کی سرزمین میں قدم رکھا، تو یہ استقبال کے لئے موجود تھے، مسلمانوں نے اُن کے دین سے کوئی تعرض نہ کیا، ان کے دین کے سلامت رکھنے کا وعدہ کیا، انھیں مذہبی، اور قومی آزادی دی، بلاذری نے لکھا ہے کہ جب ہرقل کی فوجیں حمص کے قریب آئیں تو عیسائیوں نے فصیل کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمھاری حکومت اور تمھارے انصاف کو یونانیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلہ میں بہتر جانتے ہیں،

کر لے،

کیلسدون کی مسیحی مجلس نے اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا تھا، کہ حضرت مسیح کو دو اقنوموں میں بغیر خلط ملط، تبدیلی وتقسیم وعلحدگی تسلیم کرنا چاہئے، دونوں اقنوموں کا فرق ان کے اجتماع سے دور نہ ہوگا، بلکہ ہر اقنوم کے خواص برقرار ہیں، اور ایک ذات اور ایک جوہر میں شامل ہیں، یعنی وہی ایک بیٹا ہے، اکلوتا مولود کلمۃ اللہ،

اس فیصلہ کو فرقہ مونوفزآئت نے تسلیم نہ کیا، کیوں کہ یہ فرقہ مسیح کی ذات میں ایک اقنوم کو مانتا تھا، اور کہتا تھا کہ مسیح مرکب ذات ہے، جس میں تمام ربانی وانسانی صفات موجود ہیں، لیکن جوہر جس کی یہ صفات ہیں اس میں دوئی نہیں ہے، بلکہ مرکب وحدت ہے،

اس مسئلہ پر کلیسا، قدیم (ارتھودوکس) اور فرقہ مونوفزآئت میں جو روم کی عیسائی سلطنت اور اس کے باہر کے ملکوں میں آباد تھا، دو صدیوں تک سخت مناظرہ رہا،

اسلام کی جب پاکیزہ وسادہ تعلیم کا اعلان ہوا، تو وہ ان عیسوی عقائد کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب ہوئی، اس تعلیم کو لے کر پھرنے والے اسلام کا عملی نمونہ بن کر جب اُن کے درمیان آئے تو ان کی سیرت کی گل کاریوں نے وہ بہار پیدا کی کہ اس کی خوشبو دور دور تک پھیل گئی،

کا بڑا کلیسا بھی آدھا آدھا تقسیم کر دیا، اس طرح اسّی برس تک مسلمانوں اور عیسائیوں نے ایک چھت کے نیچے خدا کی عبادت کی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام گرجے عیسائیوں کو واپس کر دیے،

بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہ فرمان جاری کیا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"صلح نامہ کی یہ شرائط ہیں:۔

جن کو میں عمر خدا کا بندہ اور مومنین کا امیر بیت المقدس کے باشندوں کے لئے منظور کرتا ہوں میں حفاظت دیتا ہوں ان کی جان، اور مال اور ان کی اولاد کو، اُن کے گرجاؤں اور صلیبوں کو اور جو کچھ اُن کے ساتھ پیوستہ ہے، میں حفاظت دیتا ہوں ان کی زمینوں کو اور سب باشندوں کو اُن کے مذہب پر، اُن کے گرجے، جو بیت المقدس میں ہوں گے، نہ ان کا مال لیا جائے گا، نہ اُن کو مسمار کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی گرجا کو اور ان کی جائیداد کو، نہ ان کے مرتبہ اور مال کی کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ بیت المقدس کے باشندوں پر مذہب کی پیروی میں جبر ہوگا، اور نہ کسی کو کوئی ضرر دیا جائے گا[1]،،

---

[1] بیت المقدس کی تاریخ بے نیلاٹ (ص ۱۶۸ و ۱۶۹) (مطبوعہ لندن ۱۸۳۶ء)

۶۳۳ء سے ۶۳۹ء تک اسلام کو روم اور شام میں جو کامیابیاں ہوئیں وہ صحابۂ کرام رض کی رہینِ منت ہیں، معصیت و اظلام کی ان وادیوں میں نیکی و اخلاص کی جب یہ فضائیں لے کر آئے تو اُن پر فرشتوں کا گمان ہونے لگا،

شام کا معرکہ پیش آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رض نے یہ ہدایات فرمائیں۔

"دیکھو انصاف کرنا، جو وعدہ کرو اس کو نہ توڑنا، کسی کے اعضا نہ کاٹنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، درختوں کو نقصان نہ پہنچانا، اور نہ آگ سے اُن کو جلانا، جن درختوں میں پھل لگے ہوں ان کو نہ کاٹنا، ریوڑوں اور گلّوں کو کھانے کی ضرورت کے سوا ذبح نہ کرنا، اگر اُن لوگوں پر گذر ہو جو کنیسوں میں گوشہ نشین ہیں ان سے نہ تعرض کرنا اور نہ اُن کے کاموں میں دخل دینا"

ڈاکٹر آرنلڈ لکھتا ہے کہ اسلامی دورِ حکومت میں عیسائیوں کو ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی کہ جس کا تجربہ انھیں صدیوں میں کبھی نہ ہوا تھا، ان کو اجازت دی گئی کہ وہ قطعی آزادی کے ساتھ اور بغیر کسی مزاحمت کے اپنے مذہب کی پیروی کریں،

دمشق کے متعلق لکھا ہے کہ جب مسلمان اس شہر میں داخل ہوئے، تو حاکمِ دمشق نے آگے بڑھ کر استقبال کیا، دمشق میں جس قدر گرجے موجود تھے عیسائیوں نے آدھے گرجے عبادت کے لئے مسلمانوں کو دیدیئے سینٹ جون

کے وقت آپڑیں، اور بچریوں کو کھا جائیں جو باقی رہ جائیں، اُن کو چیر پھاڑ دیں، فرمایا دنیادار گناہ سے نہیں بچ سکتا، ہر اُمت کے لئے ایک فتنہ ہے، میری اُمت کے لئے مال فتنہ ہے،

حضرت عائشہ رض نیا کپڑا اس وقت پہنتی تھیں جب پہلے کو پیوند لگا لیتی تھیں، فرماتی تھیں کہ مجھے سرورِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے عائشہ! اگر تم مجھے ملنا چاہتی ہو تو تمہیں یہاں ایک سوار کی زادِ راہ کے برابر دنیا کافی ہے، اور اغنیا کی مجالست سے پرہیز کرو، اور جب تک کپڑے کو پیوند نہ لگا لو تب اس کو پُرانا نہ جانو،

ایک مرتبہ امیر معاویہ رض نے آپ کے پاس اسی ہزار درہم بھیجے، شام تک سب تقسیم کردیئے، ایک درہم باقی نہ رہا، کیوں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد تھا کہ اس امت کی اصلاح زہد و یقین سے ہوئی ہے، اور آخر ہلاکت بخل اور حرص سے ہوگی، جس قدر کوئی دنیا زیادہ حاصل کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ و قرب میں کم ہو جاتا ہے، دنیا، دل اور جسم کا آرام چھین لیتی ہے، زہد، دل اور جسم کو آرام دیتا ہے،

حضرت ابو عبیدہ رض بحرین سے جب مال لائے تو آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا، اللہ کی قسم! مجھ کو تمہارے فقر کا خوف نہیں لیکن یہ خوف ہو کہ تم پر پہلے لوگوں کی طرح دنیا کی کثرت ہو جائے گی، اور پھر تم

دنیا اور اس کی شہنشاہی کی جنھوں نے کبھی خواہش نہ کی تھی آج ملک کے ملک مفتوح ہو کر اُن کے پاس آرہے ہیں، اموال کی کثرت دیکھ کر اصحاب رسول آپ کے ارشادات کو یاد کر کے روتے ہیں کہ کہیں یہ دنیا کی فراوانی اور زینت انہیں ہلاک نہ کر دے، حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے مال آیا، جس میں ایک انگوٹھی بھی تھی، آپ کے خاندان کے ایک بچے نے اس کو منھ میں ڈال لیا، آپ نے اس کے منھ سے وہ انگوٹھی نکلوائی، اور زار و قطار رونے لگے، آپ سے کہا گیا کہ آپ کی آنکھیں تو ٹھنڈی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر ملک فتح کئے ہیں، اور آپ روتے ہیں، کہا میں ڈرتا ہوں کہ دنیا ہمارے درمیان بعض و عداوت کے فتنہ کو نہ لے آئی ہو،

حضرت ابن مسعودؓ بیت المال کے وظائف تقسیم کرتے تھے، ایک شخص کو ایک ہزار درہم دیئے، اور کہا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میں نے سنا ہے، فرماتے تھے کہ درہم و دینار نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا، اور تم کو بھی یہی ہلاک کرنے والے ہیں، اے لوگو! تم آخرت یعنی باقی رہنے والی چیز کو اختیار کرو، دنیا کو اختیار نہ کرو، جو شخص دنیا کو طلب کرتا ہو وہ اس خیال میں ہوتا ہے کہ اس کو موت آکر پکڑ لیتی ہے، اور جو شخص آخرت کو طلب کرتا ہے اس کو دنیا پا لیتی ہے، فرمایا مال کی حرص اور عزت کی طمع یہ دو باتیں دین کی دشمن اور مفسد ہیں، جیسے دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں مالکوں کی غفلت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں جو اصحابؓ شریک تھے اُن میں حضرت جابرؓ بھی تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سے اچھا بیاہ ہوتے نہیں دیکھا، ہمارے لئے کھجور کے پتوں کا بچھونا کیا گیا تھا، کھجور اور روغن زیتون کھانے کو ملا تھا، حضرت فاطمہ رضہ کو چمڑے کا ایک بچھونا دیا گیا تھا، ایک چادر اور ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی،

دنیا اس سے زیادہ پیغمبر اسلام کی صداقت کا کیا نشان دیکھے گی کہ اسلامی سلطنت جس قدر وسعت اختیار کرتی جاتی ہے، غربت و افلاس کی جگہ آسودگی آرہی ہے، لوگ صدقہ و خیرات لے کر نکلتے ہیں مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا، ہر شخص صاحب نصاب ہے، یہ فلسفہ تھا آپؐ کی طرز زندگی کا جس کو آج دنیا فراموش کر کے عذاب کا گھر بن گئی ہے، اور اس وقت تک جہنم کدہ بنی رہیگی جب تک آقائے دو جہان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اس حرص و آز کی آگ کو ٹھنڈا نہیں کیا جائے گا، مادیت کی پرستش کرنے والے ایک فتنہ کو کیوں روتے ہیں، اُن سے جا کر کہہ دو کہ ایک فتنہ کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا، تمھاری جانیں اس گرداب سے نکل نہ سکیں گی، تمھاری تدبیریں کام نہ آئینگی، تمھارے دماغ ماؤف ہو جائیں گے، انسانی ہاتھوں کی ترتیب دی ہوئی اسکیمیں ہمیشہ نامکمل رہیں گی،

انسانی نظریات کو پڑھنے والے جس صداقت کے متلاشی ہیں، مذہب

اس میں پہلے لوگوں کی طرح پھنس جاؤ گے، فرمایا مالدار لوگ تین چیزوں سے نہیں بچ سکتے، ناحق مال لینا، ناحق دینا اور حق کی جگہ نہ دینا، اے ابن عمرؓ تو کیا کریگا جس وقت لوگ سال کے لئے رزق ذخیرہ کیا کریں گے، اور یقین ضعیف ہو جائیگے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دنیا جمع کرنے کا اور خواہشوں کے پیچھے لگنے کا حکم نہیں فرمایا

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن حضور صلعم نے کبھی میدے کی روٹی نہیں دیکھی، اور نہ پتلی روٹی کھائی،

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ہمارے گھروں میں کئی کئی دن تک آگ نہیں جلتی تھی، عروہؓ نے پوچھا خالہ پھر گذارہ کیسے ہوتا تھا، فرمایا، پانی اور کھجورے،

زید بن ارقم رضہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابو بکر رضہ کے ہمراہ تھے، آپ نے پانی طلب کیا، آپ کے لئے پانی اور شہد لایا گیا، جب اس کو ہاتھ پر رکھا تو بہت روئے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کو کوئی عارضہ ہو گیا ہے، جب آپ کا رونا تھما تو ہم نے پوچھا، اے خلیفہ رسول رونے کی کیا وجہ ہے، فرمایا، ایک وقت ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میں نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو اپنے سے دور ہٹاتے تھے اور مجھ کو کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کس چیز کو ہٹاتے ہیں، اور میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا، فرمایا، وہ دنیا تھی جو میری طرف آئی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ دنیا کے فریب میں نہ آجاؤں اور آنحضرت صلعم کا مخالف بن جاؤں،

کہ بغیر کسی علمی محنت و کاوش کے ہر شخص اس سے واقف ہو سکتا ہے،

۳۔ اس کے تمام اصول اس طرح طے شدہ اور مسلّم ہیں کہ اس بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں،

۴۔ اس کی تعلیم کا نہج بہت مختصر ہے، اتنا مختصر کہ اگر ایک معمولی تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کر سکتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے؟

جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو تو ضروری ہے کہ ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہئے، نہ کہ بعض انسانوں کے عمل میں اختلاف فہم دیکھ کر اپنے آپ کو شک و شبہ کے حوالہ کر دیں،

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے عمل سے تمام ادیان کی صداقت کو تسلیم کیا، کسی مذہب پر نکتہ چینی نہیں کی، اور کہا، اصل کے اعتبار سے سب سچے ہیں، جو خامی ہے وہ عمل کے اعتبار سے ہے، خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ایک عالمگیر سچائی ہے، اسی پر سب کو جمع ہونا چاہئے، یہی قانون خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے آثار قدیمہ کی زیارت کر رہے تھے، عیسائی بطریق ہمراہ ہے، عین نماز کے وقت امیر المومنین اور بطریق کنیستہ القیامہ میں داخل ہوتے، بطریق نے کہا، کنیسہ ہی میں نماز ادا کریں،

کے بنیادی مقدمات پر غور کر لیتے تو اس صداقت کو پا لیتے، آج دین اور پیروان دین کا امتیاز ہمارے سامنے نہیں، ہم ان دونوں کا مختلف ہونا جلدی بھول جاتے ہیں، مذہب کے بارے میں ہماری ساری مایوسیاں اس غلطی کا نتیجہ ہیں، اسلام نے تمام ادیان کے متعلق اعلان کیا کہ یہ حق ہیں، لیکن امتداد زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دور آئے کہ ان قدیم ادیان کی حقیقی صورت وحالت کو ان کے پیروؤں کی زندگی میں معلوم کرنا نہایت دشوار ہو گیا،

اگر پیروان مذہب کا یہ انحراف دور ہو جائے جو حق نہیں ہے، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز رہ جائے گی جو صرف حق ہے، یہی مشترک حق ہے جو دنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہے، قرآن جس وقت نازل ہوا اس وقت دنیا میں مذاہب کے پیروؤں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت انسانی خواہش کے پردوں میں گم ہو چکی تھی، ہر انسان نے اپنی الگ راہ اختیار کر لی تھی، ہر جماعت اپنے کو سچا تصور کر رہی تھی، حالانکہ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اسلام نے آکر حقیقی صداقت کو "صراط مستقیم" سے تعبیر کیا اور اعلان کیا کہ

۱۔ دنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت واصلیت کا سمجھنا اتنا آسان اور سہل نہیں جس قدر اسلام کا ہے،

۲۔ اس کی اصل تعلیم اس طرح محفوظ دنیا کے سامنے موجود ہے

کی پہاڑی پر جو قاہرہ کے قریب تھی گرجا بنائیں، اسی خلیفہ کی اجازت سے ایک دولت مند عیسائی بکام نے بورہ میں ایک خوب صورت گرجا تعمیر کیا، نسطوری عیسائیوں کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں نے ان کی مذہبی زندگی میں دخل دیا نہ اُن کے مذہبی جوش میں کوئی رکاوٹ پیدا کی،[1]

مسلمانوں نے اپنے خلوص اور رواداری کا مختلف طریقوں سے مظاہرہ کیا، خلفاء نے اپنی سلطنت میں انھیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا، سینٹ یوحنا دمشقی کا باپ خلیفہ عبدالملک کا مشیر خاص تھا، خلیفہ معتصم کی خدمت میں دو عیسائی بھائی رہتے تھے، جو خلیفہ کے سب سے زیادہ معتمد تھے، سلمویہ کا عہدہ سکریٹری آف اسٹیٹ سے کم نہ تھا، ہر شاہی مکتوب پر اس کے دستخط ضروری تھے، ابراہیم عیسائی جو وزیر خزانہ تھا جب فوت ہوا تو خلیفہ کو سخت رنج پہنچا، نصر ابن ہارون جو عضد الدولہ کا وزیر اعظم تھا عیسائی المذہب تھا، خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص جبریل نسطوری عیسائی تھا، تاریخ کے ہر دور میں بے شمار عیسائی اور عجمی اسلامی سلطنت کے ممتاز عہدوں پر مامور نظر آتے ہیں

اسی طرح عوام کے ساتھ انصاف اور ایفائے عہد کی مثالیں جو صحابہ نے پیش کی ہیں، وہ تاریخ کے صفحات سے محو نہیں ہو سکتیں،

جب ہرقل قیصر روم نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے تیاری شروع

---

[1] ابو صالح ص ۹۲،

لیکن حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر میں ایسا کر دوں تو ممکن ہو کہ مسلمان آئندہ مطالبہ کریں کہ یہ اسلامی معبد ہے، انھوں نے گرجوں کی اسی طرح حفاظت کی جس طرح مساجد کا احترام کیا، ان کا اکرام تمام ادیان کے ساتھ یکساں تھا، وہ انسانوں کے اعمال کا رخ پلٹ رہے تھے، اُن کے قلب مجروح کرنے نہیں آئے تھے، عیسائیوں نے درخواست کی تو آپؓ کا گرجا تعمیر کروا دیا، خلیفہ عبدالملک کے عہد (۶۸۵-۷۰۵ء) میں دو گرجے مصر کے شہر الفسطاط میں تعمیر ہوئے[1]، ۷۱۱ء میں ایک یعقوبی کلیسا انطاکیہ میں خلیفہ ولید (۷۰۵-۷۱۵ء) کے حکم سے تعمیر ہوا، ۷۵۹ء میں نصیبین میں ایک گرجا تعمیر ہوا، قدیم قاہرہ کے رومی قلعہ میں ابو سرجہ کا کلیسا آٹھویں صدی عیسوی میں مکمل ہوا[2]، حلوان میں ایک گرجا سینٹ جارج کے نام سے بنایا گیا[3]، خلیفہ مہدی (۷۷۵-۷۸۵ء) کے عہد میں ایک گرجا عیسائی قیدیوں کے لئے بغداد میں تعمیر ہوا[4]، بغداد میں دوسرا کلیسا خلیفہ ہارون رشید (۷۸۶-۸۰۹ء) کے زمانہ میں تعمیر ہوا، اسی خلیفہ کے عہد میں ایک اور گرجا بابل میں بنا، جس میں دانیال رسولؑ کا تابوت رکھ گیا[5]، خلیفہ مامون رشید (۸۱۳-۸۳۳ء) نے اپنے دو معزز درباریوں کو اجازت دی کہ منظم

---

۱ میکل نے گرینڈ ص ۲۴۷ ، ۲ "مصر کے قدیم مصری کلیسا" مسند بٹلر ج ۱ ص ۱۸۱ ،

۳ ارکیوس جلد دوم ص ۳۶۹ ، ۴ یاقوت جلد دوم ص ۲۶۲ ،

۵ کردینن دے میکل نے گرینڈ ۲۶۶ ،

کی پہاڑی پر جو قاہرہ کے قریب تھی گرجا بنائیں، اسی خلیفہ کی اجازت سے ایک دولت مند عیسائی بکام نے بورہ میں ایک خوب صورت گرجا تعمیر کیا، نسطوری عیسائیوں کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں نے ان کی مذہبی زندگی میں خلل ڈالا نہ اُن کے مذہبی جوش میں کوئی رکاوٹ پیدا کی،[1]

مسلمانوں نے اپنے خلوص اور رواداری کا مختلف طریقوں سے مظاہرہ کیا، خلفاء نے اپنی سلطنت میں انھیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا، سینٹ یوحنا دمشقی کا باپ خلیفہ عبدالملک کا مشیر خاص تھا، خلیفہ معتصم کی خدمت میں دو عیسائی بھائی رہتے تھے، جو خلیفہ کے سب سے زیادہ معتمد تھے، سلمویہ کا عہدہ سکریٹری آف اسٹیٹ سے کم نہ تھا، ہر شاہی مکتوب پر اس کے دستخط ضروری تھے، ابراہیم عیسائی جو وزیر خزانہ تھا جب فوت ہوا تو خلیفہ کو سخت رنج پہنچا، نصر ابن ہارون جو عضدالدولہ کا وزیر اعظم تھا عیسائی المذہب تھا، خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص جبرئیل نسطوری عیسائی تھا، تاریخ کے ہر دور میں بے شمار عیسائی اور مجوسی اسلامی سلطنت کے ممتاز عہدوں پر مامور نظر آتے ہیں

اسی طرح عوام کے ساتھ انصاف اور ایفائے عہد کی مثالیں جو صحابہ نے پیش کی ہیں، وہ تاریخ کے صفحات سے محو نہیں ہو سکتیں،

جب ہرقل قیصر روم نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے تیاری شروع

[1] ابو صالح ص ۱۹۲،

لیکن حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر میں ایسا کر دوں تو ممکن ہو کہ مسلمان
آئندہ مطالبہ کریں کہ یہ اسلامی معبد ہے، انھوں نے گرجوں کی اسی طرح
حفاظت کی جس طرح مساجد کا احترام کیا، ان کا اکرام تمام ادیان کے ساتھ
یکساں تھا، وہ انسانوں کے اعمال کا رخ پلٹ رہے تھے، اُن کے قلب مجروح
کرنے نہیں آئے تھے، عیسائیوں نے درخواست کی تو آربا کا گرجا تعمیر کر دیا،
خلیفہ عبدالملک کے عہد (۶۸۵-۷۰۵ء) میں دو گرجے مصر کے شہر الفسطاط
میں تعمیر ہوئے[1]، ۷۱۱ء میں ایک یعقوبی کلیسا انطاکیہ میں خلیفہ ولید (۷۰۵-۷۱۵ء)
کے حکم سے تعمیر ہوا، ۷۵۹ء میں نصیبین میں ایک گرجا تعمیر ہوا، قدیم قاہرہ کے
رومی قلعہ میں ابو سرجہ کا کلیسا آٹھویں صدی عیسوی میں مکمل ہوا[2]، حلوان میں ایک
گرجا سینٹ جارج کے نام سے بنایا گیا[3]، خلیفہ مہدی (۷۷۵-۷۸۵ء) کے عہد میں
ایک گرجا عیسائی قیدیوں کے لئے بغداد میں تعمیر ہوا[4]، بغداد میں دوسرا کلیسا
خلیفہ ہارون رشید (۷۸۶-۸۰۹ء) کے زمانہ میں تعمیر ہوا، اسی خلیفہ کے عہد میں
ایک اور گرجا بابل میں بنا، جس میں دانیال رسول کا تابوت رکھا گیا[5]، خلیفہ
مامون رشید (۸۱۳-۸۳۳ء) نے اپنے دو معزز درباریوں کو اجازت دی کہ

[1] میکل لے گرینڈ ص ۲۴۷، [2] مصر کے قدیم مصری کلیسا مسند جلد ۱۵ ص ۱۸۱،
[3] اوکیوس جلد دوم ص ۳۶۹، [4] یاقوت جلد دوم ص ۲۹۳،
[5] کرد بنن دے میکل لے گرینڈ ۲۶۶،

کی بنیادوں کو ہلا ڈالا تھا، ہزاروں آدمی ان مناقشات سے پریشان ہوکر توحید کے سیدھے اور صاف سمجھ میں آجانے والے **کلمہ** کی پناہ ڈھونڈ رہے تھے[1]،

کنان ٹیلر لکھتا ہو کہ اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ کیوں یہ اصلاح شدہ یہودی مذہب (اسلام) اس قدر جلد افریقہ اور ایشیا میں پھیل گیا، افریقی اور شامی علماء نے دین مسیح کی جگہ دشوار فلسفی مسائل پیدا کردیئے تھے، اپنے زمانہ کی بدکاریوں کا مقابلہ انھوں نے اس طرح کیا کہ ترک دنیا تقدس کی راہ ٹھہرائی، اور میل میں رہبانی پاکیزگی کا خاصہ، سب لوگ مشرک تھے، شہیدوں اور ولیوں کو پوجتے تھے، اور ملائکہ کی پرستش کرتے تھے، بڑے درجہ کے لوگ عیش پرست اور بدراہ تھے، اور اوسط درجہ کے لوگ محصولوں کے بوجھ میں دبے ہوئے تھے، عام لوگ حال اور مستقبل دونوں سے مایوس تھے، گویا خدا کی جھاڑو سے اسلام نے ان خرافات اور اوہام کے کوڑے کو جھاڑ دیا، اسلام ان خالی خولی مناظروں کے خلاف ایک ہنگامہ تھا، اسلام تجرد کے پرزور دعوے کے مقابلہ میں کہ وہ تقدس کا تاج ہے، ایک مردانہ اعتراض تھا، اسلام نے دین کے لازمی اصولوں کو یعنی توحید اور خدا کی بزرگی کو، اس کے رحم اور انصاف کو، اور اس بات کو کہ وہ اپنی مرضی پر سب کی اطاعت چاہتا ہے، سب کے سامنے پیش کیا، اسلام نے انسان کی ذمہ داری

---

[1] چرچ کانگریس کا ایک مضمون جو ۷ر اکتوبر ۱۸۸۷ء کو بمقام وولورہیمپٹن پڑھا گیا،

کی، تو حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ نے شام کے تمام بلاد مفتوحہ کے حاکموں کے نام مکتوب روانہ کئے، کہ جزیہ کی کل رقوم جو شہروں سے وصول کی گئی ہیں واپس کردی جائیں، باشندوں سے کہہ دیا جائے،

جو روپیہ ہم نے تم سے لیا تھا اس کو واپس کرتے ہیں، کیوں کہ ہم کو خبر پہنچی ہو کہ لشکر جرار ہمارے مقابلہ کے لئے آرہا ہے، ہم میں اور تم میں یہ وعدہ تھا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، لیکن یہ بات اب ہماری طاقت سے باہر ہے، اس لئے جو کچھ ہم نے تم سے لیا تھا وہ واپس کرتے ہیں،

اس حکم کے مطابق بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں عیسائیوں میں واپس تقسیم کی گئیں، اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو دعائیں دیں، کہ خدا تم کو پھر ہم پر حکومت دے، اور رومیوں پر تم کو فتح یاب کرے، رومی ہوتے تو وہ ہم کو کچھ واپس نہ دیتے، بلکہ جو کچھ ہمارے پاس ہوتا اس کو بھی لے جاتے،

ہسٹری آف لیٹن کرسچیٹی کا مصنف لکھتا ہو کہ جس وقت اسلام مسیحی دنیا میں آیا تو اس وقت حالت یہ تھی کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی مخالفت میں، اور ایک مسیحی عالم دوسرے مسیحی عالم سے دینی مسائل کے ادق فلسفی نکات پر مباحثہ اور مناظرہ میں مصروف تھا، ارتھوڈکس، نسطورئی، اگلوسی، اور یعقوبی فرقے ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے تھے، ان متواتر مباحثوں نے مسیحی دین

کا حق نہ تھا، یعنی وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے،

سینٹ یوحنا دمشقی کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے، کہ پہلی صدی ہجری میں اسلام کی دعوت یہاں پہنچ گئی تھی، اسکے شاگرد بشپ تھوڈ ورابوقرہ نے لکھا ہے کہ مجھے متعدد دعاۃ اسلام کے ساتھ تبادلہ خیالات کا موقع ملا وہ بات کرتے ہیں، تو پہلے عصا اٹھاتے ہیں،

دعوت حق اور اعلان معروف کی ان صداؤں سے یورپ اور ایشیاء کی سرزمین ہی متاثر نہیں ہوئی، بلکہ اس کی گونج چین کے وسط تک پہنچ گئی اے کانٹن کی آبادی کچھ تو بتا کہ تیرے پہلو میں کونسی مقدس ہستیاں مدفون ہیں! اے دیار چین! کچھ خاندان تہانگ کا حال سُنا! جس کے عہد میں اسلام کا پہلا داعی یہاں پہنچا، اے وادی کانٹن اس کاگنگتا[1] کے ایک سے ساٹھ فٹ بلند مینار کی تاریخ دُہرا، کہ آج ہماری سب سے بڑی مابہ الامتیاز خصوصیت ختم ہوئی جاتی ہے، اے سرزمین چین! اپنے ایک مزار میں آرام کی نیند سونے والی اس شخصیت کی داستان سنا! جسے وہاب بن ابی کبشہؓ کہتے ہیں، اور اس مسجد کے آثار سے روشناس کرا، جو اس صحابیؓ کے مخلص ہاتھوں کا نشان ہیں،

سچائی اور حقیقت کا علمبردار بن کر یہ داستان سن کہ یہ بڑی ہی پُرسوز

---

[1] کانگتا چینی زبان میں سادہ مینار کو کہتے ہیں،

کا اعلان کیا، آنے والی زندگی ، انصاف کے دن، اور سخت عذاب کو جو گناہگاروں پر ہوگا پکار کر بتادیا، یہی مصنف آگے کہتا ہے، بناوٹ کی نیکیاں دینی فریب کاریوں منقلب اخلاقی خیالات اور باریک لفظی حجتوں کو اسلام نے دھکے دے کر نکال دیا، رہبانیت کی جگہ مردانہ روش پیدا کردی، غلام کو امید بخشی، بنی نوع کو اخوت عطا کی، اور انسانی فطرت کے اصل شرائط کو پہچانا،،

مغربی ایشیا کی تمام عیسائی سلطنتوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد اس قسم کی کسی کوشش کا علم نہیں ہو سکا، کہ لوگوں کو جبراً مسلمان کیا گیا ہو اور نہ عیسوی مذہب کے استیصال کے لئے تاریخ کے کسی دور میں ظلم و تعدی کے ایسے کسی محکمہ کا پتہ چلتا ہے جیسے بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازبلہ نے اسلام کو ہسپانیہ سے نکالا تھا یا لوئی چہاردہم بادشاہ فرانس نے پروٹسٹنٹ مذہب کو اپنے ملک میں قانونی جرم قرار دیا تھا یا جس طرح سلطنت انگلستان نے ساڑھے تین سو برس تک یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیا تھا، لیکن عیسائی کلیساؤں کا آج کے دن تک زندہ رہنا اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ اسلامی حکومتوں نے انہیں عام مذہبی آزادی عطا کی تھی،

موسیو لیبان لکھتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلموں کو وہ تمام کچھ حاصل تھا، جو کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے، البتہ صرف ایک بات

جس سرعت کے ساتھ صحابہؓ دنیا میں پھیل گئے تھے، اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، اور جب تک اسلام کی یہ عملی رُوح زندہ رہی، اُن سے بڑھ کر زمین کی مسافتیں قطع کرنے والی کوئی قوم نہ تھی،

چین کے مورخین نے لکھا ہے،

"بہت اجنبی لوگ "امِ ہکبود یا" مدینہ اور دور ملکوں سے چین میں چلے آرہے ہیں، جو ایک خدا کی بندگی کرتے ہیں، ان کے عبادت خانوں میں بت یا تصویر نہیں ہوتی، مدینہ کا شہر کہیں ہندستان کے قریب ہے، ان کا مذہب بودھ مذہب سے مختلف ہے، اس شہر یا ملک میں شروع ہوا، یہ لوگ شراب اور سُور کے گوشت کو قطعی حرام سمجھتے ہیں، جس جانور کو خود ذبح نہیں کرتے، اس کے گوشت کو ناپاک جانتے ہیں، آج کل چین کے باشندے اُن کو ہوئی ہوئی کہتے ہیں، کانٹن میں ان کا ایک عبادت خانہ ہے جس کو کسی بزرگ کی یادگار سمجھتے ہیں، یہ عبادت خانہ خاندان تھانگ کے آغاز میں بنا تھا، شہنشاہ سے اجازت لے کر یہاں آباد ہوتے ہیں، انھوں نے بڑے عالیشان

داستان ہے، سنہ مطابق سنہ ۶۲۳ء یہ وہ سال ہے کہ دین کی خاطر گھر چھوڑے ہوئے جا رہے ہیں، وطن کی محبت قربان کی جا رہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسیں بچھڑ رہی ہیں، دیار حبیب کی یادیں پیچھے رہ گئی ہیں، حضرت وہاب بن ابی کبشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق شہنشاہ چین کے پاس اسلام کی دعوت لے کر جا رہے ہیں، جس وقت کانٹن میں داخل ہوئے تو تنہا نہیں تھے، اب ایک جماعت اُن کے ساتھ تھی، اس ایک صحابی نے پورے چار سال اس ملک میں گذار دیئے، یہاں ایک مسجد تعمیر کی، جو آج بھی ابن ابی کبشہؓ کے نام سے مشہور ہے،

سنہ ۶۳۲ء میں جب یہ مدینہ واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی جانکاہ خبر سنی، جو اسی سال ہوا تھا، مدینہ پہنچ کر حضور صلعم کی صحبتوں کو یاد کر کے روتے تھے، آخر فیصلہ کیا کہ چین واپس جا کر اپنے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری فرمان کو پورا کریں، چین کی راہ کئی ہزار کوس کی مسافت تھی، عشق رسولؐ میں پیادہ پا چل رہے تھے، کانٹن پہنچے تو سفر کی تکان اور صعوبت سے بیمار تھے، اور اسی حالت میں انتقال فرمایا، شہر کے قریب دفن ہوئے، آج ان کا مزار یہاں موجود ہے، جو مسجد یہاں بنوائی تھی، اس کے گرد عرب تاجروں کی ایک بڑی بستی آباد ہو گئی، یہی بستی دعوت کا مرکز بنی،

مکان بناتے ہیں، جن کی وضع ہمارے ملک کے طرز
تعمیر سے جدا ہے، یہ جس شخص کو امیر منتخب کر لیتے ہیں
اس کی ہمیشہ فرماں برداری کرتے ہیں[۱۱] "

۷۴۲ء میں چین کے شمالی صوبہ شانسی میں ایک اور مسجد تعمیر ہوئی ارکمندریت پلادیوس نے لکھا ہے کہ سنگانفو میں ایک کتبہ نکلا ہے، جس میں ساتویں صدی عیسوی کے وسط کی تاریخ درج ہے، اور اسلام کے شائع ہونے کا ذکر ہے،

جب ملک تیان شان کے اسلامی شہروں اور مغربی ترکستان کی ریاستوں میں تجارت نے ترقی کی تو چین کے شمالی مغربی صوبوں پر باہر کے مسلمانوں کا براہ راست اثر ہوا[۱۲]،

صوبہ کانسوہ پہلا صوبہ ہے، جہاں کی ایک قوم ہوئی ہوا اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنی، اس قوم کا اصل وطن دریائے ارتش اور ارکھان کے وسط میں واقع تھا، اس کے بعد اوگرا ور نگائی قومیں جو تجارت پیشہ تھیں، جب اسلام لائیں تو ان کی راست بازی تمام وسط ایشیا میں مشہور ہو گئی قوم ہوئی ہو ملک چین کی پہلی قوم تھی جب یہ دعوت پر اٹھی، تو اس دعوت کی نسبت سے یہ قوم اس درجہ مشہور ہوئی کہ ہر مسلمان ہوئی ہوئی کہلانے لگا

---

[۱۱] تاریخ تیرساں مطبوعہ پیرس ۱۸۴۵ء ص ۱۹، ۲۰، [۱۲] سی بورکی تاریخ چین ج ۲، ص ۵۲۹،

حضرات صحابہؓ اور اُن کے متبعین کا یہ ایثار، اور یہ عمل کہ عمریں غیر ممالک میں بسر کر دیں، وہیں دفن ہوئے، لیکن گھروں کو واپس جانا گوارا نہیں کیا،

اے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، آپ کے حصہ میں ماموریں الٰہی کے اتباع میں فنا ہونے کی وہ نسبت آئی جو مقام معیت عطا کر گئی جس کی صدا يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ[1] ہم نے سنی، لیکن سمجھ نہ سکے، جس کی آواز مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ[2]، ہمارے کانوں میں آئی لیکن پہچان نہ سکے،

اے حضرات صحابہؓ اللہ کے ہزاروں انوار ہوں تم پر کہ کلمۂ حق کے ایک رشتہ پر دنیا کے تمام رشتے قربان کر دیئے،

اے خدا کی زمین میں شاہد بن کر آنے والے مہمانِ رسولؐ! تم نے اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ[3] کے فرمان کو سچ کر دکھایا،

اے دعوت کے ولولہ اور اصلاح کے عشق میں مضطرب پھرنے والے داعیو! اعراض و سرکشی کی حالتیں تم سے دیکھی نہ گئیں، تمھاری ساری تاریخ ہجرت و شہادت کی تاریخ بن گئی،

دین کے لئے ہجرت اُن اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ ایمان کے وہ مدارج ان کے حصہ میں آتے تھے کہ اب اُن کے دیکھنے اور سننے میں عابدانہ روح کارفرما تھی، رکھنے اور کرنے میں عابدانہ رنگ تھا، یہ تنہا عبادت نہ تھی، نہ معلوم کتنی عبادات کا مجموعہ تھا، گھر بار چھوڑنے کا اجر، سفر کی

---

[1] وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ سب اُس سے محبت رکھتے ہیں، [2] جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں، [3] تم روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہو،

دنیا اور دعوت
(ث - ق - ع)

تابعین رضی اللہ عنہم

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ،

اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے، سب کے پہلے ایمان لانے والے ہیں، اور وہ لوگ جنھوں نے راست بازی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، تو اللہ اُن سے خوشنود ہوا، اور وہ اللہ سے خوشنود ہوئے،

صعوبتوں کے اجور، عزیز واقارب کی جدائی پر ثمرات، اجنبیوں کی صحبت، زبان کی ناواقفیت، قدم قدم پہ موانع ومشکلات، آب وہوا کی ناموافقت، پیاس کی شدت، بھوک کی اذیت، راستہ کی دشواری، مال کا خرچ، اس ایک عمل کے لئے صبر ورضا، ایثار وتحمل کے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں،

ایک غریب الدیار داعی کے اجر وثواب کا اندازہ کون ہے جو کر سکے؟

دنیا و دین | اللہ کا دین عالم میں اس طرح نہیں پھیلا کہ صحابہؓ نے دنیا کو مقدم کیا ہو، دنیا تو ان کے پاس دنیا چھوڑنے کے بعد آئی تھی، انھوں نے موافق حالات کو نہ کبھی تلاش کیا تھا، اور نہ اس کے انتظار نے انھیں تھکایا تھا، آج رجحان یہ ہے کہ حالات سازگار ہوں، تو اس کا امکان پیدا ہو، قرآن کی تعلیم کا وہ انقلاب کیا ہوا جس نے بہائم صفت انسانوں کو محبت و اخلاص کا پیکر بنا دیا تھا، غزوہ تبوک پیش آیا تو صحابہؓ ناموافق حالات کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے، سواریوں کی بڑی قلت تھی، اٹھارہ آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ آیا تھا، لوگ عرض کرتے ہیں یا حضرتؐ! ہمارے لئے سواری کا انتظام کر دیجئے آپؐ نے فرمایا، کہاں سے کروں، میرے پاس تو کوئی سامان نہیں، وہاں تو یہ تھا کہ سب اپنا خرچ خود برداشت کریں، اگر ہو سکے تو دوسروں کے لئے بھی خرچ کریں، صحابہؓ یہ سن کر روتے ہوتے چلے گئے کہ راہ حق کی مصیبتیں اور قربانیاں ان کے حصہ میں نہ آئیں،

یہی جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد اخلاق و اعمالِ الٰہیہ کا لانے والوں کے لئے اکمل ترین نمونہ بنی، تاریخ ازمنہ ماضیہ انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد انسانوں کا کوئی گروہ ان کے مقابلہ میں پیش نہیں کر سکتی، تاریخ انسانیت کے وہ نوادر جو اُن کی زندگیوں میں جمع ہو گئے تھے کسی ایک جماعت کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے، یہ جو کچھ تھا قرآن کا علم اور اس کی روشنی تھی، اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے تھے، ساری دنیا کی طرف سے اُن کی آنکھیں بند تھیں، تمام آوازوں سے اُن کے کان بہرے تھے، آج تمام صداؤں سے ہمارے کان آشنا ہیں، تمام افکار سے ہمارے ذہن مانوس ہیں، ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی مکتب سے آیا ہے قابلِ قبول ہے، وہ دل قرآن کے حقائق کا کیونکر تجلّی گاہ بنے جو زادِ تقویٰ سے محروم ہے، ہوائے نفسانی کا شکار ہے، آلائش دنیا پرستی میں گرفتار ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں علوم کی کوئی شنوائی نہیں، دماغ عاجز و درماندہ ہیں ؎

از منطق و حکمت نکشاید در محبوب
اینہا ہمہ آرایشِ افسانۂ عشق است

حسنِ عمل | جو نتائج صحابہؓ کے اعمال سے عالم میں ظاہر ہوئے، وہ قوانینِ الٰہی کا قدرتی ظہور تھا، اور جو نتائج تابعینؒ کے دور میں وجود میں آئے وہ بھی قوانین الٰہی کے مطابق وجود میں آئے، اور آج جس قسم کے حالات سے ہم گذر رہے ہیں

حسرت و غم کے اُن آنسوؤں کو جو ایمان کی تپش سے بہے تھے، آیات الٰہی کا درجہ حاصل ہوا،

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا	اور اُن لوگوں پر گ، ہے جن کا حال یہ تھا کہ
مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ	خود سواری کی مقدرت نہ رکھتے تھے اس لئے
قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ	تیرے پاس آئے کہ ان کے لئے سواری بہم پہنچا دے
عَلَيْهِ، تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ	اور جب تو نے کہا میں تمھارے لئے کوئی سواری
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا	نہیں پاتا تو (بے بس ہو کر) لوٹ گئے، لیکن
أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ،	اُن کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو رواں تھے
	کہ افسوس ہمیں میسر نہیں کہ اس راہ میں کچھ خرچ کریں

دین کے لئے انہی کی یہ آہ و زاریاں تھیں، اور راتوں کی خود فروشش عبادت گذاریاں جن کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا،

اے پیغمبر! تمھارا پروردگار واقف ہے کہ تم راتوں کو اللہ کی یاد اور ذکر کے لئے جاگتے ہو، کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی، اور ایک جماعت تمھارے ساتھیوں کی تمھارے ساتھ اس شب بیدارانہ عبادت میں شریک رہتی ہے، رات اور دن کے (تمام اشغال) کا اللہ ہی اندازہ کر سکتا ہی،

مزید تجربہ کی ہمت ہے، کس صدا سے تمہاری احتیاج پوری ہوئی! کس آواز نے تمہارے
اطمینان کی دنیا آباد ہوئی؟ کس راہ میں تمہارے پاؤں زخمی نہیں ہوتے! کس سوز
سے تمہارا دل نہیں جلا! کس خیال سے تمہیں اذیت نہیں ہوئی! کس خار سے تمہارا
دامن نہیں الجھا! کامیابی، مادی فضاؤں میں تلاش نہیں کی جا سکتی، کامیابی اور
تبدیلی تو الٰہی سلسلوں کی نسبت سے آئے گی، عالم کے حالات مادی ترتیبات سے
نہیں بدلیں گے، عالم کے حالات تو انسانوں کے اعمال سے بدلیں گے، انسانوں
کے اعمال دنیا کے انہماک اور اس کی طلب کی چیزوں سے نہیں بدلیں گے، دنیا
کی چاہ اور اس کی طلب اس کے ٹھکانوں پر بیٹھ کر نہیں بدلی جائے گی، بلکہ ان
ٹھکانوں کو چھوڑا جائے گا تو بدل جائے گی، جب یہ ٹھکانے اور اس کی چیزیں
چھوٹیں گی تو الٰہی اعمال کا ظہور ہوگا، جب الٰہی اعمال کا ظہور ہوگا تو عالم میں الٰہی حالات
وجود میں آئیں گے۔

حضرات صحابہؓ کے بعد اعمال الٰہیہ کی جو جماعت وارث ہوئی وہ تابعینؒ
کی جماعت تھی، یہی وہ لوگ تھے جب ان میں الٰہی صفات آئیں، تو ان میں سے
ایک ایک ہدایت ربانی کی صدا تھا، آؤ! ان صادقین کے ٹھکانوں کی تلاش میں
نکلیں جہاں سے علم و معرفت کے چشمے اس طرح رواں ہوئے کہ دنیا کو سیراب کر گئے
آؤ! ان نفوس قدسیہ کے احوال دیکھیں جو عالم میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر
کے داعی کہلائے۔

وہ بھی اشیاء کے خواص کی طرح اعمال کے خواص ہیں، اور جس قسم کے حالات
آئندہ پیش آنے والے ہیں وہ بھی انسانی افعال و اعمال کا قدرتی نتیجہ ہوں گے،
دنیا میں جس قسم کے اعمال صادر ہوتے ہیں، اسی طرح کی فضاؤں کا ظہور ہوتا ہے،
جب خاص طرح کا عمل وقوع میں آتا ہے تو خاص طرح کا نتیجہ بھی وجود میں آتا
ہے، صحابہؓ کے اعمال خاص قسم کے اعمال تھے، جب خاص قسم کے اعمال
تھے تو خاص قسم کے نتائج ظہور میں آئے، یہی سنت اللہ ہے، جب روحانی
فضیلتوں کا تفوق آشکارا ہوا، تو مادی فضیلتیں اپنے تفوق سے دست بردار ہوگئیں
حسن عمل موجود ہو تو کرشموں کے ظہور میں دیر... نہیں لگتی، جب یقین کی روشنی
چمکتی ہے تو ساری مادی روشنیاں ماند پڑ جاتی ہیں،

اصلاح و تجدید | اصلاح امت کے لئے تاسیس کی ضرورت کہاں؟ ہادی برحق
احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین بدل نہیں سکتا، اسلام اللہ کا آخری
دین ہے، جس نے حیاتِ انسانی کو سب سے بہتر اصول عطا کئے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ
لَکُمْ دِیْنَکُمْ کہہ کر ہمیشہ کے لئے تاسیس کا سدِ باب کر دیا اور کہہ دیا کہ
اسلام کے اصولوں کی جگہ جو نئے اصول اختیار کرے گا وہ قابلِ قبول نہ ہوں گے
اصلاح اعمال کے لئے صرف تجدید و احیاء سنت سلف کا سلسلہ جاری رہے گا
مدارج کا اعطاء اب نبیوں والے اعمال کی نسبت سے ہوگا،

طریق دعوت | نئے ولولوں اور نئے تماشوں کے امتحان بہت ہو چکے، اب کس کو

سے ہمیشہ بے نیاز رہے، لوگ اُن کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر یہ قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ اُن کے پاس خالدؓ بن اسید نے تیس ہزار کی رقم بھیجی، مگر لینے سے انکار کر دیا، فاقہ کی نوبت آجاتی تھی، تو صبر کا دامن تھام لیتے تھے،

حضرت ثابتؓ بن اسلمؓ بڑے عبادت گذار اور زاہد تابعی تھے، اُن کے سوز و گداز کی یہ کیفیت تھی کہ آنکھوں سے ہر وقت آنسو بہتے تھے، اس بے قراری کے ساتھ روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا، کثرتِ گریہ سے آنکھوں کی بینائی خراب ہو گئی تھی، لوگوں نے جب عرض کیا تو فرمایا، آنکھوں کی بھلائی اسی میں ہو کہ روتی رہیں، جب انسان کے دل اس کی خشیت سے اس طرح بے قرار تھے تو فضاؤں کا یہ حال نہ تھا جب انسانوں کے دل اس کے یقین سے اس طرح آباد تھے تو آب و ہوا کا انداز اس طرح بدلا نہ تھا جب اخروی زندگی بنائی جا رہی تھی تو معصیت و ظلم کی آندھی اتنی تیز نہ تھی،

حضرت ابن محیریزؒ کی مجلس بھی کیا عجیب مجلس تھی، جوں ہی اُن کا بیان شروع ہوتا، خشیت طاری ہو جاتی، لوگوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے، فرماتے، دنیا ایک کارواں سرا ہے، یہاں کی ساری دلفریبیوں کی حقیقت کیا ہے؟ یہ آج ہیں اور کل نہیں، صبح ہیں تو شام نہیں، شام کو تھیں تو صبح کو نہیں، اے انسان! تو یہاں کی کس چیز اور کس حالت پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے رہنے کے لئے ایک ٹوٹا ہوا چھپر تھا، اس خیال سے اس کی مرمت نہ کراتے تھے کہ گھر کے

مقامِ خشیت | امام ابو عبد اللہ محمدؒ وہ تابعی ہیں جن کے زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ کلام مجید کی آیات پڑھتے تھے اور زار زار روتے تھے، ایک شب جب تہجد میں یہ آیت پڑھی،

بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ، — لوگوں کے لئے خدا کی جانب سے ایسی چیز ظاہر ہوگی جس کا وہ وہم و گمان بھی نہیں کرتے تھے،

تو گریہ تھمتا نہ تھا، موت کے وقت سخت رقت طاری تھی، فرمایا، مجھے اس آیت سے خوف ہے کہ خدا کی جانب سے ایسی شے ظاہر ہو جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ ہو،

دنیاوی زندگی کیا ہے! اس کی کسی کامرانی اور دلفریبی کو ثبات ہی کہاں، یہاں کی ساری چیزیں ہی ہنگامی، ۔۔۔ ایک چیز بھی ایسی نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے،

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ پر جب یہ حقیقت آشکارا ہوئی تو عبادت کے لئے گوشۂ خلوت اختیار کر لیا تھا، اس خلوت سے نکل کر جب جلوت میں آتے تھے، تو اس قدر ہجوم ہوتا کہ جگہ نہ رہتی تھی، ان کی دعوت میں عجیب تاثیر تھی، فرماتے اصل علم خدا کا خوف ہے، اور علم پر غرور جہل ہے، جب کوئی دنیاوی آفت آتی، تو کہتے، لوگو! یہ ذکر و شغل کے ایام ہیں، اپنے نفس پر بڑی سختیاں کرتے تھے بعض وقت تو حالت یہ ہوتی تھی کہ ان کی بیوی پیچھے بیٹھ کر رویا کرتی تھیں، فرماتے ایسی مجلس ہونی چاہئے جس میں بیٹھ کر اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا جائے، مال و دولت

مخلوق پرستی، اب خالق کے سوا کوئی نظر نہیں آتا، ساری امیدوں، ساری ہستیوں اور سارے رشتوں سے الگ ہو کر دل ایک کی یاد سے چین پاتا ہے، اور اسی کے وصال کے لئے بے قرار رہتا ہے،

حضرت خالد بن معدان رح فرماتے تھے، کاش: موت کوئی ایسا علم ہوتی جس کی طرف میں سبقت کرتا، اور وصال یار سے ہمکنار ہوتا، اعمال میں جب صالحیت پیدا ہو جاتی ہے تو نیکی کی فضاؤں کا ظہور ہوتا ہے،

حضرت حسن بصری جامع کمالات تابعی تھے، اُن کی زندگی روحانی اعمال و اشغال کا مرقع تھی، عبادات میں بے خودی کا عالم طاری ہوتا تھا، ایک مرتبہ تنہا عبادت میں مصروف تھے، عجیب کیفیت تھی، کہہ رہے تھے "اے آدم زاد تو کچھ نہ تھا، تجھے ہست کیا گیا، تو نے مانگا، تجھے دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی، تو تو نے انکار کر دیا، افسوس! تو نے کتنا برا کیا، یہ کہہ کر بے ہوش ہو جاتے تھے، پھر ہوش آتا تو ایسے ہی کلمات دُہرانا شروع کر دیتے تھے، رات اسی طرح گذر جاتی تھی، ایمان باللہ کا یہ وہ مقام ہے جہاں ایک مومن پہنچ کر دنیا اور اسکی کشش کی تمام چیزوں کو بھول جاتا ہے،

آج یہ کیفیت کیونکر پیدا ہو جب تمام قوتیں مادہ پر صرف ہو رہی ہوں، تمام ذہن مادی لغوں میں بکھر گئے ہوں، انسان کا تمام فکر حرص و آز پر صرف ہو رہا ہو، نفس و خواہش کی اس دنیا میں اطمینان کہاں؟ افراد سکون سے محروم، اقوام و ملل

حقیقی مالک نے اس میں ٹھہرنے کا زیادہ موقع ہی نہیں دیا، دنیا اور اس کی عیش کی چیزوں کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، فرماتے، روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک کوزہ اگر مل جائے تو پھر مجھے دنیا اور اہل دنیا کی احتیاج نہیں،

حضرت اعمش سلیمانؒ کے متعلق حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے، نماز باجماعت کا یہ اہتمام تھا کہ ستر سال تک تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوئی،

امام شعرانیؒ کہتے ہیں کہ اعمشؒ کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود اُن کی مجلس میں امراء و سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے،

اُن کی عبادت و ریاضت کا کوئی ٹھکانا تھا! حضرت صفوان زہریؒ چالیس سال تک بستر استراحت پر نہیں لیٹے، اور اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے انتقال فرمایا، جاڑے کے موسم میں کھلی چھت پر، اور گرمیوں میں بند مکان میں عبادت کرتے تھے، کہ نیند کا غلبہ نہ ہو، نماز پڑھتے پڑھتے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے اور تھک کر گر پڑتے تھے،

ابوحمزہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صفوانؒ کو عبادت کے اس مقام پر دیکھا ہے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل قیامت ہے تو جس درجہ عبادت تک وہ پہنچ چکے تھے اس میں مزید اضافہ ممکن نہ تھا،

وجدانی کیفیت جب بیدار ہوتی ہے تو احوال بدل جاتے ہیں، پہلے نگاہ

مغرب کو اندازِ سخن سکھایا تھا، وہ مجلسیں باقی نہ رہیں، جہاں اخلاق پرورش پاتے تھے، وہ مکان نہ رہے، جو زہد و عبادت کا مسکن تھے، وہ مکین نہ رہے جن کی آنکھیں یادِ الٰہی میں گریاں ہوتی تھیں،

وہ ابو مسلم اور علامہ فریابی کی یونیورسٹیوں کے طالب علم تھے، جنھیں صالح حیات کی جنبش نے وہ قوت بخشی تھی، کہ دنیا کے تین برّاعظموں پر سیلاب کی طرح پھیل گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صدی بعد انھوں نے دیکھا تھا کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے مالک ہیں، جو رومۃ الکبریٰ کی شہنشاہی سے بھی جس کی سطوت کا آفتاب نصف النہار پر تھا وسیع تر ہے،

۱۱۸۵ء کا وقت بھی ایک وقت تھا جب مسلمانوں کے اخلاق و عمل کا نقش طاقتور تھا، اور عیسائی قومیں اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو رہی تھیں، انگریز نائٹ ٹمپلر کا واقعہ تاریخ کیونکر فراموش کرے گی جب رابرٹ آف سینٹ البنز سلطان صلاح الدینؒ کے اوصاف حمیدہ دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا،

ہاں تاریخ ۱۲۴۴ء کو بھی نہیں بھول سکتی، جب بیت المقدس فتح ہوا تھا اور فلسطین کے عیسائی باشندوں نے مسلمانوں کا خیر مقدم کیا تھا، اور برضا مندی کے ساتھ مسلمانوں کے مطیع ہو گئے تھے،

(دلٹوارڈ کی تصنیف چوتھی جلد صفحہ ۳۴۴ مطبوعہ لندن ۱۸۴۲ء)

پر اضطراب طاری، سلطنتیں اور مملکتیں لرزاں، یہ مادی تعلیم اور مادی افکار کے نتائج ہیں،

کامیابی| مادی علوم میں کامیابی کا سراغ اس وقت بھی مل سکتا تھا جب بغداد میں علامہ شربانیؒ کی درسگاہ میں ایک وقت میں تیس ہزار طالب علموں کا اجتماع ہوتا تھا، دس ہزار ایسے ہوتے تھے جو قلم اور دوات لے کر لکھتے تھے، تین تین سو آدمی ایسے مقرر ہوتے تھے جو اُن کا بیان سامعین تک پہنچاتے تھے،

لندن اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں فلاح وکامرانی کی تلاش اس وقت بھی محال تھی جب شیخ سلیمان بن حربؒ، خلیفہ مامون رشید کے عہد میں مسند علم پر فائز تھے، اور چالیس ہزار شائقین علم اُن کے حلقہ میں بیٹھتے تھے،

علم دین کی اس درسگاہ کا اب کہاں نشان ملے گا جس میں امام ابو مسلمؒ درس دیتے تھے، چالیس ہزار آدمی اُن کا درس قلم بند کرتے تھے، علم دین کی اُس یادگار کو اب آنکھیں کہاں تلاش کریں گی جس میں امام ابوحنیفہؒ مسند آرا ہوتے تھے، اور ستر ہزار کا اجتماع ہوتا تھا، علم دین کی وہ محفل اب کہاں ڈھونڈی جائے گی جس میں شیخ عاصم بن علیؒ کا جب پُر سوز بیان ہوتا تھا تو اس شمع کے گرد ایک لاکھ بیس ہزار علم کے پروانے جمع ہو جاتے تھے،

آہ! آج امام ابراہیم نخعیؒ کی مسند اُٹھ گئی، شیخ یزید بن ہارونؒ کا حلقہ ویران ہو گیا، وہ صحبتیں بچھڑ گئیں، وہ بلبلیں اُڑ گئیں، جن کی زمزمہ پردازی سے

اُن کے ساتھ ہوتی، علم دین کی بہار کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ صرف ایک شہر کوفہ میں جہاں ہزاروں اصحاب رسول کا قیام تھا، ایک ایک صحابی کے حلقہ درس میں سینکڑوں تابعین کا ہجوم ہوتا تھا جو مہینوں سفر کرنے کے بعد یہاں پہنچتے تھے، امام بخاریؒ جب آدم ابن ابی ایاس رہ کے پاس گئے تھے اور سفر میں تین دن اور تین رات تک جب کھانے کو کچھ میسر نہ آیا تھا تو گھاس اور پتے کھا کر اپنے سفر کو جاری رکھا تھا،

امام نسائیؒ نے پندرہ سال کی عمر سے دین کے لئے سفر کرنا شروع کیا تھا، اس طرح دین کے لئے جانیں صرف ہوئی تھیں اور جس طرح جانیں صرف ہوئی تھیں اسی طرح اموال خرچ ہوتے تھے،

امام زہریؒ ایک متمول آدمی تھے، تمام مال علم کے حاصل کرنے میں لگا دیا تھا، جب اثاثہ ختم ہو گیا تھا تو گھر کا شہتیر بھی بیچ دیا تھا،

ابن مبارکؒ نے چالیس ہزار، شیخ یحییٰ بن معینؒ نے دس لاکھ، ابن رستم نے تیس لاکھ، حبیب اللہؒ نے ستر لاکھ، علامہ ذہبیؒ نے پندرہ لاکھ کی رقم حصول علم کے لئے خرچ کی،

حضرت ربیعہ بن فروخؒ کی ماں نے اپنے بیٹے کی تعلیم پر اپنے شوہر کا تمام اندوختہ جو تیس ہزار اشرفی تھا، خرچ کیا تھا، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عہد تابعین میں علوم دین کا آفتاب آسمان عالم پر پوری تابانی کے ساتھ چمکا، صرف ایک شہر

"تاریخ میکائیل ہشتم (۱۲۶۱-۱۲۸۲ء) کے زمانہ کو بھی نہیں بھول سکتی، جب وسط ایشیائے کوچک کے باشندوں نے ترکوں سے درخواست کی تھی کہ چھوٹے شہروں پر قبضہ کرلیں، تاکہ رعایا کو اسلامی حکومت کے سایۂ عاطفت میں پناہ مل سکے، اور لوگ عیسائی حکومت کے ظلم سے نجات حاصل کریں، امیر اور غریب امن وسلامتی کی خاطر وطن ترک کرکے ترکوں کی عملداری میں آرہے ہیں"

(رشلے جلد تیسری صفحہ ۳۰۵، مطبوعہ لندن)

تابعین تابعین کا دور دینی برکتوں اور دنیاوی کامرانیوں کا دور تھا جس فلاح وکامیابی کی کرشمہ سازیاں عہد صحابہؓ نے دیکھی تھیں، اس کی تکمیل وحفاظت کی سعادت اِس جماعت کے حصہ میں آئی تھی، اُس وقت آسمان کے نیچے یہی جماعت تھی جس کی قربانیوں نے دین کو ہمیشہ کے لئے زندہ کردیا تھا، یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے دشت وجبل کی خاک چھانی تھی، بے آب وگیاہ میدانوں کو طے کیا تھا، امام ابو حاتم رازی رح وہ تابعی ہیں جنھوں نے ساری زندگی دین کے لئے پیادہ پا سفر کرنے میں گذار دی تھی، ملک شام سے ایک شخص چلا، اور مدینہ طیبہ میں حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس آیا، اور کہا میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک بات دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں،

سعد بن ہشام رح نے مدینہ جاکر حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کا درس لیا تھا، حضرت ابو الدرداءؓ جب مسجد میں داخل ہوتے تو تابعین کی ایک بڑی جماعت

محدثہ | عمرہؒ اسعد بن زرارہؓ کی پوتی تھیں، حضرت عائشہ رضہ نے شفقت مادرانہ کے ساتھ پرورش کیا تھا، یہ حضرت ام المومنینؓ کو خالہ کہتی تھیں، اپنی خداداد ذہانت کے سبب علم دین میں ممتاز درجہ حاصل کیا تھا، امام زہریؒ کہتے ہیں، کہ میں طالب علمی کے زمانہ میں اُن کے پاس پہنچا تو اُن کو علم کا اتھاہ سمندر پایا، عمرہؒ حضرت عائشہ رضہ کی مستند حدیثوں کی عالمہ تھیں، علم حدیث میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا، محدث ابن حبانؒ وامام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضہ کی مستند حدیث وہ ہے جو عمرہؒ بیان کریں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن محمدؒ قاضی مدینہ طیبہ کو لکھا کہ عمرہؒ کی احادیث جمع کی جائیں، قاضی ابوبکرؒ عمرہؒ کے بھانجے تھے، اور یہ اکثر ان کی غلطیوں کی اصلاح کیا کرتی تھیں، صحابیاتؓ کے بعد یہ پہلی خاتون تھیں جو علم وفضل کے ساتھ ساتھ اسلام کی داعیہ کہلائیں، بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں، سنہ ۱۰۶ھ میں وفات پائی،

عالم | علامۃ التابعین امام شعبیؒ سنہ ۱۷ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے پانچ سو صحابہ رضہ کو دیکھا، اور علم حاصل کیا، عاصمؒ کہتے ہیں کہ بصرہ، حجاز اور کوفہ میں سب سے بڑے عالم یہی تھے، امام ابوحنیفہؒ اُن کے شاگرد ہیں، امام شعبیؒ کے علم کی روشنی دور دور تک پھیلی، عہد صحابہ رضہ میں اُن کا حلقہ درس قائم ہوگیا تھا، صحابہؓ اُن کے درس میں شریک ہوتے تھے، اور لوگ اُن کی موجودگی میں اُن سے فتویٰ لیتے تھے سنہ ۱۰۴ھ میں انتقال فرمایا،

مدینہ میں سات جلیل القدر فقہاء کی مسند درس نظر آتی ہے۔ ؎

إِذَا قِيلَ مَنْ فِي الْعِلْمِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ
رِوَايَتُهُمْ لَيْسَتْ عَنِ الْعِلْمِ خَارِجَهْ
فَقُلْ، هُمْ عُبَيْدُ اللهِ، عُرْوَةُ، قَاسِمٌ
سَعِيدٌ، أَبُوبَكْرٍ، سُلَيْمَانُ خَارِجَهْ

یعنی جب دریافت کیا جائے کہ علم دین کے سات سمندر کون سے ہیں، جن کی بات علم کے خلاف نہیں، تو جواب دینا چاہیے کہ یہ سات عبید اللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان، خارجہ ہیں،

ہر فقیہ، امام اور محدث کے سینکڑوں استاد اور سینکڑوں شاگرد تھے، ہر استاد اور شاگرد نے علم کا بیش بہا خزانہ مدون کیا تھا، جس سے مذہبی علوم کی اشاعت ہوئی، اور نئے علوم کی بنیاد پڑی، ابو مسلم خولانی، علقمہ بن قیس نخعی، ابو بردہ عامر، سلیمان بن قیس، قبیصہ بن ذوئب، امام زین العابدین، عروہ بن زبیر، سالم بن عبد اللہ، مکحول شامی، قاسم بن محمد، امام شعبی، مجاہد بن حرث، ابان بن صالح، امام زہری، امام ربیعہ بن فروخ، امام حسن بصری، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان، عبد الرحمٰن بن امام قاسم، امام جعفر صادق، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، عمرہ بنت عبد الرحمان، قاضی شریح، سالم بن عبد اللہ، عمر بن عبد العزیز وائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم (اجمعین) ان صدہا مقدس ہستیوں میں سے ہیں جن کے ذریعہ قرآن و حدیث کے علوم کی تحقیق، اجتہاد، تدوین و اشاعت ہوئی،

ان کی والدہ عاصم بن عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، خاندانِ اموی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس برس بعد اسلام کا یہ فرزند جلیل پیدا ہوا تھا، مدینہ طیبہ میں حضرت صالح بن کیسانؓ کی نگرانی میں آپ نے تعلیم حاصل کی تھی، ان کی عمر پچیس برس کی تھی، کہ اُن کے والد عبدالعزیزؒ نے جو اکیس سال سے مصر پر حکمرانی کر رہے تھے انتقال کیا تھا، والد کی وفات کے بعد مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے، اور ولید سے یہ شرط منظور کرائی کہ مجھے رعایا کے ظلم پر مجبور نہیں کیا جائے گا، مدینہ پہنچ کر علماء کو بلایا، اور کہا، آپ حق کے حامی ہیں، میں آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا، کسی ظلم کی اطلاع ہو تو مجھے فوراً خبر کرو، مورخین نے لکھا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں جس قدر اصلاحات ہوئیں وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے فکر کا نتیجہ تھیں،

سلیمان نے جب اُن کو خلیفہ نامزد کیا، تو انھوں نے دیکھا کہ خلافت کی ہیئت کیا ہے؟ خلافت اسلامیہ جس کی بنا اجماع و مشورہ پر تھی سلطنت شخصیہ میں بدل گئی ہے، شریعت کی جگہ قوت و سیاست کی کارفرمائی ہے، آپ نے سب سے اولین خطبہ جو ارشاد فرمایا وہ محسنات جلیلہ میں اس طرح درج ہے،

لوگو! میں اس حکمرانی میں مبتلا ہو گیا بذریعہ جانشینی اور بیعت فوری کے، اور اس میں نہ حسب شریعت و سنت خلفاء راشدینؓ مشورہ ہوا، اور نہ مسلمانوں کی رائیں لی گئیں، اور نہ یہ میری خواہش

فقیہہ | حماد بن ابی سلیمان حضرت انسؓ کے شاگرد تھے، امام ابراہیمؒ نے اُن کو فقیہہ العراق کا خطاب دیا تھا حماد ان کے جانشین مقرر ہوئے تھے امام شعبہؒ امام ثوریؒ اور امام ابو حنیفہؒ انکے شاگرد تھے، ساری زندگی علم دین کی اشاعت میں صرف فرمائی ۱۲۰ھ میں وفات پائی،

قاضی | قاضی شریح ؒ اپنے عہد میں اسلامی دنیا کے سب سے بڑے قاضی تھے، دینداری، علم و فضل اور ذکاوت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے، حق و انصاف کے معاملہ میں بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ نہیں کرتے تھے،

ایک مرتبہ معمولی شخص کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے خلاف جب کہ وہ خلیفۃ المسلمین تھے فیصلہ صادر کر دیا تھا، اُن کا لڑکا بھی اگر قانون کی زد میں آجاتا تھا، تو اس کو بھی سزا دیئے بغیر نہ چھوڑتے تھے، ایک مرتبہ اپنے خاندان کے ایک شخص کو جس نے ناجائز ظلم کیا تھا، ستون سے بندھوا دیا تھا ان کے فیصلے کیا ہوتے تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پُر سوز بیان ہوتا تھا، مکحولؒ جیسے عالم ان کے فیصلوں سے علمی درس لیا کرتے تھے۔

خلیفہ | حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اسی زمانہ تابعین کی وہ درخشندہ شخصیت ہیں، جنھوں نے خلافت دینی کو جس کا مقصود اتباع شریعت تھا، بنو امیہ کے امراء و ملوک کے اغراض نفسانیہ و سیاسیہ سے بچایا، اور اپنے مجددانہ کارناموں سے ملتِ اسلامیہ کی روح کو نئی حیات بخشی،

معمولی فرد ہوں، اللہ نے مجھے تم سے زیادہ گراں بار کیا ہے،

برسر اقتدار طبقہ نے رعایا پر بہت ظلم کئے تھے، اُن کے اموال کو باطل طریقوں سے لوٹا تھا، اُن کی املاک غصب کی تھیں، آپ کا تیسرا خطبہ اسی کے متعلق تھا

لوگو! بنی امیہ نے ہمیں عطیئے دیئے، اور جاگیریں دیں، خدا کی قسم نہ انھیں اُن کو دینے کا حق تھا، اور نہ ہمیں لینے کا، اب میں ان سب کو ان کے اصل حق داروں کو واپس کرتا ہوں،

سب سے پہلے اپنی جاگیر سے دست بردار ہو گئے، جس کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار اشرفی تھی، اس کے بعد سارے خاندان کی جاگیریں واپس کرا دیں، انکی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک کے پاس ایک قیمتی ہیرا تھا، کہا اسے بیت المال میں داخل کر دو یا مجھ سے الگ ہو جاؤ،

آج اللہ کے اوامر کا احیا ہو رہا تھا، تمام رشتے اور محبتیں اللہ کے امر کے سامنے جھک گئی تھیں، عزیز و اقارب جن کا شمار کل تک امراء بنی امیہ میں تھا آج علاقے اور جاگیریں چھن گئی تھیں، خالی ہاتھ پھر رہے تھے،

جب، اہل خاندان شکایت لے کر آئے تو جواب دیا،

اگر ساری دنیا تمھارے ساتھ متفق ہو جائے تو خدا کا عذاب آجائے،

بیت المال قومی امانت تھی، ایک ذاتی خزانہ بن گیا تھا، جسے خلفاء

تھی، نہ اس کا آرزومند تھا، پس میری گذشتہ بیعت کا جو بار تمھاری
گردنوں پر ہے، اس سے میں تمھیں رہا کئے دیتا ہوں، اور اس
مقام سے اپنے تئیں الگ کر دیتا ہوں، پس اس وقت تم جمع
ہو اپنے لئے باہمی مشورہ اور اجماع سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلو،
لوگوں نے یہ خطبہ سنا تو ایک شور بلند ہوا کہ آپ ہمارے خلیفہ ہیں، ہم آپ
کی خلافت سے راضی ہیں،

اس کے بعد آپ کا دوسرا خطبہ یہ تھا جس میں تقویٰ، فکر آخرت، اور موت
کا بیان تھا،

لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت فرض ہے اور
جو شخص خدا کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت واجب نہیں، جب تک
میں خدا کی اطاعت کروں، اس وقت تک تم میری اطاعت
کرو، اور جب میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض
نہیں، تمھارے نبیؐ کے بعد دوسرا نبی نہیں، اس پر جو کتاب
نازل ہوئی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں، خدا
نے جو چیز حلال کردی وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے، اور
جو چیز حرام کردی وہ قیامت تک کے لئے حرام رہے گی،
میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ ایک

احکام صادر کرے، یا جس طرح چاہے اپنے اختیارات کو زمین والوں کے لئے استعمال کرے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی میں جو انقلاب آیا تھا وہ اسی مواخذہ کے خوف سے آیا تھا،

عیش و تنعم میں پرورش پانے والا یہ شہزادہ بندوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد آج فقیر تھا، جس کی شاہانہ پوشاک پر ایک مرتبہ دوسروں کی نظر پڑجاتی تھی دوبارہ نہیں پہنتا تھا، آج اس کا سارا لباس کیا ہے؟ ایک ہی جوڑا ہے، جس کو دھو دھو کر پہنتے ہیں، پھر اس ایک جوڑے میں بھی پیوند لگے ہوئے ہیں، بیمار ہوئے، ان کی بیوی سے کہا گیا، لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں قمیص میلی ہوگئی ہے، دوسری بدلوا دی جائے، جواب دیا، خدا کی قسم امیرالمومنین کا دوسرا کرتہ نہیں جو بدلواؤں،

خلافت سے پہلے زندگی بہت آسودہ تھی، ہر قسم کا آرام و راحت میسر تھا، چہرہ نازک، رنگ گورا جسم خوب صورت اور فربہ تھا، لیکن بعد میں زاہدانہ زندگی سے رنگ اور روپ بدل گیا تھا، اتنے لاغر ہوگئے تھے کہ جسم کی پسلیاں نظر آتی تھیں،

دولت اور حکومت کا نشہ اللہ سے بے خوف کردیتا ہے، لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ حال تھا کہ خشیت الٰہی سے بدن کا ذرہ ذرہ کانپتا تھا، تمام شب مسجد میں بیٹھ کر گذارتے تھے، روتے رہتے اور دعائیں کرتے رہتے تھے، اسی حالت میں

جس طرح چاہتے تھے خرچ کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان بدعنوانیوں کو روکا شاہی خاندان کے تمام وظائف بند کر دیئے، خلافت کی شان و شوکت کے تمام مصارف موقوف ہو گئے، اصطبل کی تمام شاہی سواریاں بیچ کر قیمت بیت المال میں داخل کی گئی، اپنے لئے صرف ایک خچر رہنے دیا،

عمال حکومت کے مظالم کا خاتمہ کیا، تمام بدعنوان اور راشی عہدہ داروں کو برطرف کر دیا، ظالم حجاج کے خاندان کی جلاوطنی کے احکام صادر کئے،

ایک شخص کے احوال بدلنے سے ساری سلطنت کے احوال بدل گئے تھے، ایک شخص اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہوا تھا، پوری مملکت اللہ کی مطیع ہو گئی تھی، ایک شخص میں اللہ کا امر آیا تھا تمام بندے اللہ کے فرماں بردار بن گئے تھے، جب ایک شخص سمت صالحین کی زندگی پر آیا تھا، تو سب انسانوں کے اعمال صالح ہو گئے تھے،

اللہ کے ہاں گرفت، رتبہ اور اعزاز کے اعتبار سے ہے، جتنا جس شخص کا مرتبہ اونچا ہے اتنا اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ ہے، فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ تم میں ہر ایک راعی ہے، اور اپنی رعیت کا اللہ کے ہاں جوابدہ، بادشاہ اور خلیفہ سب سے بڑے راعی ہیں، اس اعتبار سے سب سے بڑی باز پرس انہی سے ہو گی، اس لئے کہ بادشاہ یا خلیفہ اللہ کی طرف سے نائب ہوتا ہے، حق نیابت اُسے اس لئے نہیں تفویض کیا جاتا کہ وہ اپنی خواہش کے

کرنا مشکل تھا، لیکن

دو سال چھ مہینہ کے قلیل عرصہ کے اندر اس سلطنت میں وہ اسلامی انقلاب آیا تھا جو دنیا کے تین براعظموں، افریقہ، یورپ اور ایشیا میں پھیلی ہوئی تھی، جس نے ظلم و عدوان کی تمام راہیں بند کردی تھیں، آج انصاف تھا اور انصاف تھا، کوئی غریب نہ تھا، سب صاحب نصاب تھے، لوگ صدقات کا روپیہ لے کر نکلتے تھے مگر کوئی لینے والا نہ ملتا تھا، آج عمر بن عبد العزیزؒ کی اسلامی سلطنت میں جس کی وسعت دنیا کے کناروں تک پھیلی ہوئی ہے کوئی ستایا ہوا اور مظلوم نہیں ملتا تھا،

یہ مرد خدا جب دنیا سے رخصت ہونے لگا، تو اہل وعیال کے لئے کوئی اثاثہ چھوڑا، اور نہ مال و دولت وہ انکو خالی ہاتھ چھوڑ کر جارہا تھا، اور بوقت روانگی کہہ رہا تھا،

میرے بیٹو! تمھارے باپ کو دو باتوں کا اختیار دیا گیا تھا، یا تو وہ تمھارے لئے دولت جمع کرتا خود دوزخ میں جاتا، یا تم کو محتاج چھوڑتا اور وہ جنت میں داخل ہوتا، ان میں سے اس نے دوزخ کو پسند نہیں کیا، اس لئے تمھارے لئے کچھ نہیں چھوڑا،

وفات کے وقت زبان پر یہ آیت تھی،

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں

آنکھ لگ جاتی، فرماتے، اس امت کے جملہ امور کا میں ذمہ دار ہوں، سب کے بارے میں مجھ سے سوال ہونے والا ہے، خدا کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا، یہ کہتے تھے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آتے تھے،

بادشاہوں کی مجلس تو عیش و نشاط کی بزم ہوتی ہے، لیکن اسلام کے اس بادشاہ کی مجلس موت اور قیامت کے ذکر کی مجلس ہوتی تھی، جس میں موت اور قبر کی ہولناکیوں کو یاد کیا جاتا تھا، قیامت کا منظر جب سامنے آتا تھا تو بیہوش ہو جاتے تھے، ایک شب جب اس آیت پر پہنچے،

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ جس دن لوگ مثل بکھرے ہوئے پروانوں کے ہونگے

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ اور پہاڑ مثل دھنکی ہوئی اون کے ہونگے

تو زور سے چیخ نکل گئی، اور اچھل کر تمام گھر میں دوڑتے تھے، اور آواز بلند کہتے تھے افسوس اس دن پر جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہوں گے، یہ حالت صبح تک قائم رہی، پھر اس طرح گر گئے کہ جسم میں حرکت نہ تھی، ایک مرتبہ نماز میں یہ آیت پڑھی،

وقفوھم انھم مسئولون، ان کو ٹھہراؤ کہ ان سے باز پرس ہوگی،

اس آیت کو بار بار دہراتے رہے، آگے نہ بڑھ سکتے تھے،

آج وہ شخص امت کا خلیفہ بنا تھا جس میں بادشاہوں کے جاہ و جلال کی کوئی علامت نہ تھی، کسی حلقہ میں بیٹھ جاتا تو نووارد کے لئے شناخت

جو دوسری راہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے، دنیا میں انسانوں کے لئے ہلاکت کے دروازے کھولنے کا موجب ہوتا ہے، پہلی راہ میں چلنے والا الٰہی منزلیں طے کرتا اور دوسری راہ میں قدم بڑھانے والے کو خسارے ہی خسارے کا سامنا ہوتا ہے،

اعمال میں جب اس کے محبوب بندوں کی مشابہت آتی ہے تو بندہ اللہ کی ولایت اور دوستی کے بلند مقاموں کی طرف بڑھتا ہے، فرمایا عمل صالح کرنے والوں کو ارتفاع بخشا جاتا ہے،

انعام والوں کی راہ بھی عجیب راہ ہے، جو مقامِ نبوت کے فیض اور اس کی نسبت کے قریب لے جاتی ہے، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ،

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مقامِ نبوت کے انوار اور تجلیات سے نوازے جائیں، سعید ہیں وہ ہستیاں جن کے حصہ میں یہ نسبت آئی،

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا،

یعنی اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بلا شبہ وہ اُن لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر خدا نے انعام کیا ہے، اور وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور (تمام) نیک اور راست باز انسان ہیں اور جس کسی کے ساتھی

لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے

قیصر روم نے آپ کے انتقال کی خبر سنی تو کہا،

اگر کوئی راہب دنیا چھوڑ کر اپنے دروازے بند کرلے اور عبادت میں مشغول ہوجائے تو مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوتی، مگر مجھے حیرت ہے تو اس شخص پر جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی، اور پھر اسے ٹھکرا کر اس نے فقیرانہ زندگی بسر کی،

اے عمر بن عبدالعزیزؒ دنیا جب تک قائم ہے تیرا نام عزت کے ساتھ لیا جائے گا، اے قرآن وسنت کے داعی عظیم! بے شک تیری یاد رفتہ میں بہت سے تذکار پنہاں ہیں، دماغوں کی اتباع اور تلاش کے اس موسم میں،

مشابہت | مقصد اور مشابہت ہی ایک ایسی شے ہے جو انعام اور عطایا کے دروازے کھلواتی ہے، یہی وہ چیز ہے جس سے آفات اور بلایا کے بھی دروازے کھلتے ہیں، مقصد کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں، مشابہت بہ لحاظ اپنے اعمال وخصائص اور تعلق ونسبت دو راہیں ہیں، ایک اللہ کے دوستوں کی راہ، دوسری اللہ کے مغضوب بندوں کی راہ، جو پہلی راہ کی مشابہت میں قدم اٹھاتا ہے، وہ عالم میں انعام اور عطایا کے دروازے کھلنے کا موجب بنتا ہے

کو لے کر یہاں آئے تھے، جزائر زدلو میں عرب کے ایک داعی سید علیؒ مدفون ہوئے آپ ایک عبادت گذار زاہد تھے، آپ کے اچھے اعمال و اخلاق کا یہاں کے باشندوں پر اتنا گہرا اثر ہوا، کہ انھوں نے آپ کو اپنا سلطان منتخب کر لیا، سات برس تک سلطان سید علیؒ یہاں زدلو کے جزیروں پر حکمراں رہے، سید علیؒ کا پوتا جب اپنے دادا کا مسند نشین ہوا تو اس وقت بھی مکہ مکرمہ سے دعاۃ یہاں پہنچ رہے تھے،

کوچم خاں کے عہد میں جب سائبیریا کا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، تو ساتؒ داعیانِ اسلام کی قبریں دریافت ہوئیں، جو کسی دور دراز ملک سے یہاں آئے تھے، (تاریخ ج، ایف مولر)

جزیرۂ قبرص میں حضرت ام حرامؓ صحابیہ کا مزار ہے، جس وقت ایک جماعت اس سفر پر روانہ ہو رہی تھی، حضرت اُم حرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ مجھے بھی اس جماعت کے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے آنحضرت صلعم کی اجازت سے یہ قبرص پہنچیں، اور سواری سے گر کر انتقال فرما گئیں، وہیں دفن ہوئیں، (طبری)

صحابہ رضؓ کی ایک اور جماعت جس میں حضرت حذیفہؓ، اسامہؓ، صہیبؓ وغیرہ موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں یہاں آئے تھے، چنانچہ لکھا ہے، سرباتک ہندی زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارسل الیہ حذیفۃ واسامۃ وصہیباً وغیرہم، یعنی سرباتک ہندی (راجہ) نے بیان کیا کہ

ایسے لوگ ہوں تو) ایسے ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں،

انعام یافتہ گروہوں کی مشابہت اور راہ دعوت کا یہی عالی مقام تھا جس کو حاصل کرنے والوں نے اپنے معاوضوں اور نفعوں کو دیکھا تھا نہ علائق نے ان کا راستہ روکا تھا، وہ گھروں سے اس حال میں نکلے تھے کہ کوئی سامان پاس نہ تھا، وہ راہ حق میں اس طرح چلے تھے کہ عمر کا تقاضا بھی نہ تھا،

جبیر بن ابوراشد حرانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حمص میں اسودؓ کو دیکھا جو ایک معرکہ میں شریک تھے، میں نے کہا، آپ بہت ضعیف ہیں، اللہ نے آپ کو معذور ٹھہرایا ہے، فرمانے لگے، اے ابوراشد! اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًاؔ کا کیا جواب دوں گا

حضرت ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جیش میں بہت بوڑھے آدمی کو دیکھا، جس کی سفید بھویں آنکھوں پر آگری تھیں، میں نے کہا خدا نے معذوروں کو معاف کر دیا ہے، انھوں نے یہی آیت پڑھی، اور کہا اے ابن زیدؒ اللہ نے دین کے لئے ہمیں ہر حالت میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے،

ہر ملک میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے مزارات اُن کے قدموں کی نشان دہی کرتے ہیں، پھر وہ مزارات بھی نظر آتے ہیں جو صحابہ کرامؓ کے اونچے مقصد کی مشابہت میں نکلنے والوں کا پتہ دیتے ہیں،

حضرت وہاب بن ابی کبشہؓ کا مزار کانٹن (چین) میں بنا تو کو لم کی سرزمین حضرت تمیم صحابیؓ کے حصہ میں آئی، جو قرن اول میں اسلام کی دعوت

لہ یعنی اللہ کی راہ میں تیز رفتاری سے نکلو، خواہ تم ہلکے ہو یا بوجھل (قرآن)

نے مہاجرت اختیار کی، اور سفر ہی میں فوت ہوئے،

شیخ محمد قاسم سندھی عرب کی طرف ہجرت کر گئے، شیخ یعقوب صرفی ۳ھ عرب سے ہندوستان آئے، حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی آپ کے شاگرد تھے،

قاضی ابو سعید عبدالکریم سمعانی ۵۳۲ھ میں لاہور آئے، اور اسی خاک میں مدفون ہوئے، انھوں نے قاضی ابوالعباس بن محمد کا ذکر کیا ہے، جو محدث اثر حاکم کے شاگرد تھے، اور ابوالعباس احمد بن محمد کو جو اوروت ہوا نی محدث بصری کے شاگرد تھے، سندھ میں دیکھا تھا،

امام اوزاعی کے متعلق لکھا ہے واصلہ من سبی السند ان کی اصل سندھ کے قیدیوں میں سے ہے، یہ تبع تابعین میں مشہور عالم دین ہیں، ۲۵۰ھ میں اُن کی تعلیمات نے شام واندلس میں دینی انقلاب پیدا کر دیا تھا،

اسرائیل بن موسیٰ یہ امام حسن بصری کے شاگرد تھے، یہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں دعاۃ اسلام کو لے کر پھرتے رہتے تھے، کئی مرتبہ ہند اور سندھ میں اترے، اُن کا لقب نزیل ہند ہو گیا تھا،

امام رضی الدین صنعانی ۵۷۷ھ میں یہاں آئے، مولانا برہان الدین بلخی اُن کے شاگرد تھے، مولانا کمال الدین دہلوی، مولانا بلخی کے شاگرد تھے، اُنکے شاگرد حضرت نظام الدین اولیاء تھے، ان میں سے ایک ایک کے احمال میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ، اسامہؓ وصہیبؓ وغیرہم کو خط دے کر میرے پاس بھیجا تھا، میں مسلمان ہوگیا، (ا ماء)

حضرت مالک بن دینارؒ ([illegible]) مشہور تابعی ہیں، ان کے بیٹے اسماعیلؒ کی وفات بھی کولم (مدراس) میں ہوئی جن کے مزار پر یہ کتبہ نصب ہے،

(اسماعیلؒ بن مالکؒ بن دینار [illegible] ۱۰۹ھ)

ربیع بن صبیحؒ تابعی ۱۵۹ھ میں یہاں آئے، سندھ کے مشہور عالم ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن نے کئی ملکوں کا سفر کیا، اور سفر ہی میں وفات پائی آپ کی نماز جنازہ خلیفہ ہارون رشید نے پڑھائی تھی،

مشہور محدث رجا سندھیؒ [illegible]ھ میں ایران پہنچے، ابونصر فتح بن عبداللہ سندھیؒ جو حسن بن سفیانؒ کے شاگرد تھے، رے میں قاضی تھے، احمد بن سندھیؒ ابن فروخؒ و احمد بن سندھی بن حسنؒ دونوں بزرگ بغداد میں جاکر فوت ہوئے، ابوالقاسم مقدسیؒ ۳۷۵ھ میں یہاں آئے، انھوں نے امام ابومحمدؒ کی سندھ میں آمد کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اُن کا درس منصورہ (بھکر) میں قائم تھا،

امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ (۷۸۶ھ) کے فرزند میر سید محمدؒ نے کشمیر میں وفات پائی، مولانا نورالدین احمد شیراز کے رہنے والے تھے یہاں آئے، سید رفیع الدین صفویؒ آگرہ میں فوت ہوئے، مولانا وجیہ الدینؒ شاگرد حافظ عمادیؒ گجرات میں مدفون ہوئے، شیخ عبدالمعطی بلخی، شیخ شہاب الدینؒ مصری، شیخ سعیدیؒ

بحیرہ روم
لیبیا
سوڈان
عراق
نائجیریا
بالائی وولٹا
وسطی افریقہ
باجین کانگو
تانگانیکا
انگولا
شمالی روڈیشیا
جنوبی روڈیشیا
موزمبیق
جنوب مغربی افریقہ
جنوبی
بحر ہند
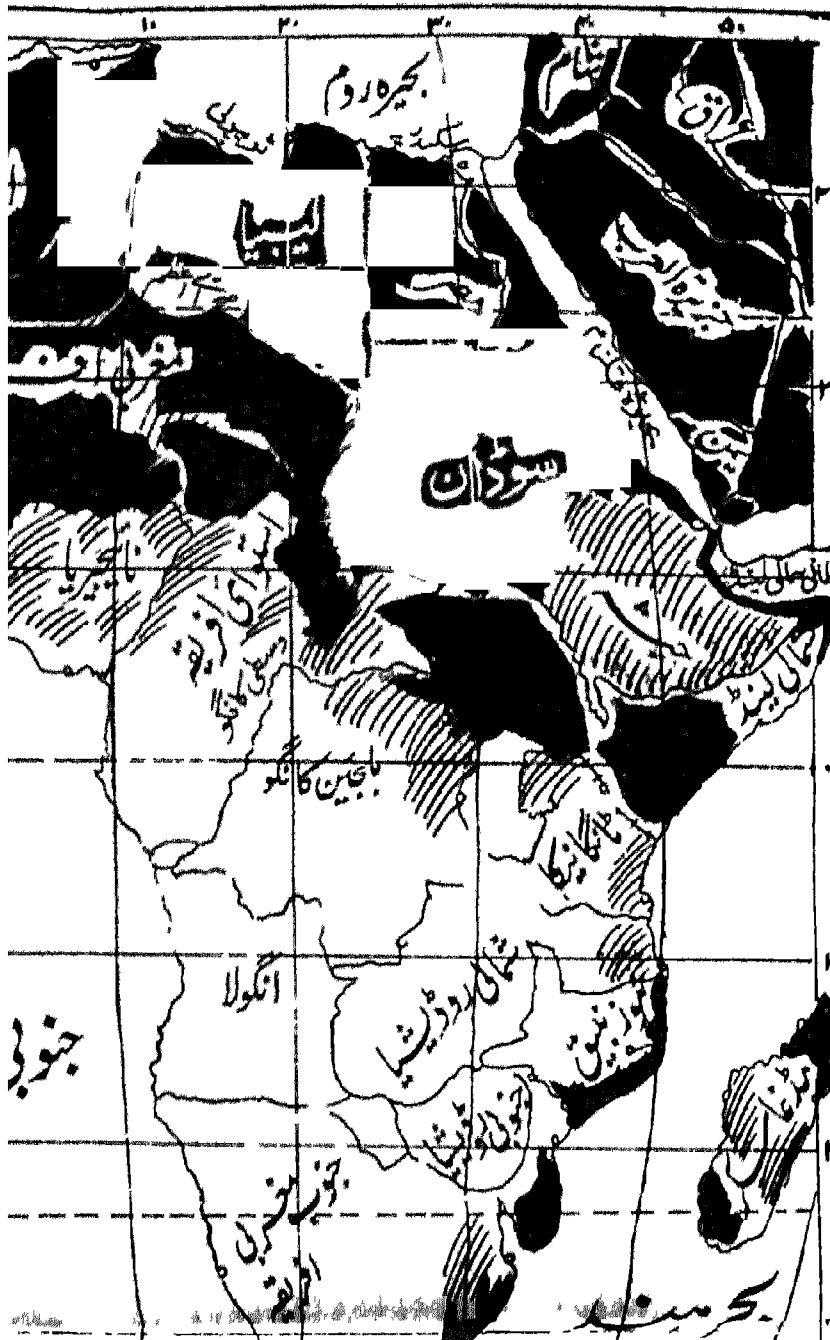
جب اخلاق الٰہی اور نور ربانی کا ظہور ہوا تھا، تو اصلاح انسانیت کا ایک عظیم کارنامہ وجود میں آیا تھا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت خواجہ معصوم عروۃ الوثقیٰ رح (سنہ ھ) کے نو لاکھ مرید اور سات ہزار خلفاء ہوئے ہیں،
تاریخ کے ہر دور میں اللہ کے ان مخلص بندوں کے یہی احوال تھے، شاہ ولی اللہ محدث خواجہ معصوم رح کے فرزند شیخ محمد افضل کے شاگرد تھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُمْ ،

باب ہفتم

تبع تابعین

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ،

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یقیناً اللہ کے نزدیک اُن کا بڑا درجہ ہے اور وہی ہیں، جو کامیاب ہونے والے ہیں،

ایک بے زور آدمی ہے، تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی تجھے سنگسار کر چکے ہوتے،،

ابراہیمؑ بھی اسی راستے کی ایک پکار تھا جو ایک بے پروا انسان کی طرح دعوت حق کا اعلان کر رہا تھا، دنیا اس سترہؓ سالہ کنعانی لڑکے کو بھی نہیں بھول سکتی جو مصر کے قید خانہ میں قید تھا، دنیا عالم کے آخری تاجدار (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی فراموش نہیں کر سکتی جس کی پیشانی کا لہو عرب کی سرزمین پر گرا، مدینہ میں ہجرت کے بعد حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کی زندگی چاروں طرف دشمنوں سے گھری ہوئی تھی، قلتِ تعداد و بے سرو سامانی حال کے ساتھ اعداء کے پے درپے حملوں کا سامنا تھا، امن و اطمینان کی ساعتیں چھینی جا رہی تھیں، صحابہؓ کہتے ہیں مایاتی علینا یوم نامن فیہ و نضع عنا السلاح یعنی ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن اور بے خوفی کے ساتھ بسر کرتے اور ہتھیار اپنے جسم سے الگ کر سکتے :

اس مقام پر ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے، ہتھیار اور قتال اصل نہیں، اصل دعوت ہی، یہی وہ عمل ہے جو سب سے پہلے دیا گیا، عبادات بھی اس کے بعد آئیں، مکہ میں انفرادی دعوت کا سلسلہ تیرہؓ سال تک جاری رہا، اور اس کے لئے کیا کیا جانوں پر نہیں جھیلا گیا، مسلمان مدینہ پہنچے تو اجتماعی دعوت کا آغاز ہوا، پہلے فرد فرد کو دعوت دے رہا تھا، اب اجتماع نے اجتماع کو دعوت دی تو ضروری تھا کہ کچھ اختلاف پیدا ہو، جب اختلاف کا خطرہ پیدا ہوا تو ہتھیار

دنیا انسانی حکومتوں کے جاہ و جلال کی جگہ داعیانِ حق کے جاہ و جلالِ خداوندی کا جلوہ بارہا دیکھ چکی ہے، دنیا قہرمانی قوتوں کے مظاہروں میں اعلائے کلمۃ الحق کی آواز بھی سنتی رہی ہے، دنیا مادی ترقیوں کے ہجوم میں روحانی صداقتوں کے امتحان کا منظر بھول نہیں سکتی، جابر حکمرانوں کی تعذیب و عقوبت کی داستانیں پرانی نہیں ہوئیں، اعراض و سرکشی کا مزاج بدلا نہیں، غرور و طغیان کی فضاؤں کا ارتعاش تھما نہیں، جبر و تشدد نے بارہا روشنی اور تاریکی کے امتیاز کو محو کرنا چاہا، ظلم و تعدی نے کئی بار ثواب و عصیاں سے آنکھیں بند کرنے کا فرمان جاری کیا، لیکن زبانیں امر بالمعروف کے اعلان سے رُکی نہیں، یہ صدا اُس وقت بھی سُنی گئی جب نوحؑ اپنے ضعیف اور کانپتے ہاتھوں سے لکڑی کے تختے جوڑ رہا تھا اور دعوت کی ناکامی سے آنکھیں اس کی اشکبار تھیں، ہاں شعیبؑ بھی اسی راہ کا ایک ساعی تھا، جس کی موعظت کا جواب اس کی قوم نے یہ دیا تھا۔

"اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان

عمارتوں کی مکین تھیں، وہ کیا جیتی جاگتی آبادیاں تھیں جن کی سرگذشت سنو ٹوٹے ہوئے آثار باقی ہیں، اُن کی وہ قوتیں اور شوکتیں کیا ہوئیں ؟ اُن کا کھوج لگاؤ تو گرد کے سوا کچھ نشان باقی نہیں،

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ،

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہو جو اُن سے پہلے گذر چکے ہیں، اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں زیادہ تھے،

سعادت و شقاوت کے اس قانون سے دنیا کی کوئی قوم بچنا چاہے تو نہیں بچ سکتی، فرمایا،

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ ،

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس بات کی جو کچھ اگلے لوگوں کے لیے سنت رہ چکی ہو اُن کے لئے بھی ظہور میں آ جائے،

ماضی کی اس یاد میں کچھ اعلانات ہیں جو مستقبل کے لیے ذخیرۂ بصیرت ہیں، تمام انبیاء (علیہم السلام) ایک چیز کے لئے آئے، انسانوں کو دنیا سے آخرت پر ڈالنے کے لئے محنت کرتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے، ایک ہی قسم کے حالات سے گذرے، مصائب سے دوچار ہوئے، ایک طرف مساکین و فقراء تھے دوسری طرف اغنیاء اور مادی قوتیں، جب محنتیں ایمان پر صرف ہونے لگیں تو

رکھنے کا حکم آیا، اس میں جزیہ آیا کہ باہمی مفاہمت سے کام چل جائے تو قتال کی ضرورت نہیں، پانی کی خاصیت یہ ہے کہ جسم اور اعضاء پاک کرتا ہے، اگر پانی نہ ملے تو مٹی کا استعمال بتایا، یعنی پانی کی ضد، قتال دعوت کی ضد، اس کا قائم مقام تو ہو سکتا ہے، لیکن اصل نہیں، احکام اور اعمال کے ہر گوشے اور اس کی ہر شاخ میں جس چیز کو بطور اصل و اساس برقرار رکھا، وہ دعوت کا عمل ہے، قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کی ساری سرگذشتیں اس کے ساتھ وابستہ ہوئیں، اعمال کے خواص و نتائج کا عالمگیر قانون اسی حرکت میں آیا،

انسان کا وجدانی اذعان حوادثات کو دیکھتے ہوئے متاثر ہوتا ہے، جو جزئیات سے کلیات کے نتائج اخذ کرتا ہے، مہلک چیزوں کو دیکھتا ہے، اور موت کا تصور کرتا ہے، غلہ کو دیکھتا ہے اور پیٹ بھرنے کا یقین کرتا ہے، آفتاب غروب ہونے لگتا ہے تو اندھیرے کا گمان ہوتا ہے، آسمان سے باران رحمت کے نزول کا انقطاع زمین کے بے آب و گیاہ ہو جانے کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے، اور انسانی آبادیوں میں ہلاکت و موت کے خطرات محسوس کئے جاتے ہیں، لیکن عمل دعوت کے ترک و انقطاع سے جب ملکوں کا امن و سکون چھن جائے، اور موت کے پہرے بیٹھ جائیں تو اس کے تسلیم کرنے میں کیوں تامل کرتے ہو؟ قانون کی وحدت تو اپنا یکساں کام کر رہی ہے اعمال انسانی ہوں یا خواص مادہ یہ حقیقت معطل نہیں ہوتی،

اُن سرگذشتوں کو سامنے لاؤ جو پیچھے گذر چکی ہیں، وہ کیا تو میں تھیں جو ہلاک

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

اللہ کا اُن سے وعدہ ہے کہ انھیں زمین کی خلافت دے گا، ٹھیک اسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ہے، اور ایسا کرے گا کہ ان کے لئے اُن کا دینِ حق قائم ہو جائے گا اور خوف کی گھڑیاں دائمی امن کی خوش حالی سے بدل دی جائیں گی،

اللہ کے تمام وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا، آٹھ نو سال بعد جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا سے تشریف لے گئے، تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا، اور رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں۔

احادیث متواترہ میں تین دوروں کی خبر دی گئی ہے، "نبوت ورحمت ثم خلافۃ ورحمۃ" "ثم یکون ملک" یعنی عہد نبوت ورحمت، خلافت ورحمت، پھر بادشاہی، پہلا دور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات پر ختم ہوگیا۔ آپؐ کا مبارک وجود اسلامی طاقت کا اصلی مظہر تھا، آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ایک داعی شریعت کی جگہ خالی نہیں ہوئی، بلکہ ان سارے منصبوں اور ساری حیثیتوں کی جو آپؐ کی شخصیت مقدسہ میں اکٹھی تھیں، وہ اللہ کے پیغمبر تھے، تو شریعت کے مقنن بھی امت کے بانی بھی تھے تو ملکوں کے حاکم اور سلطنتوں کے مالک بھی، وہ وحیِ الٰہی کے ترجمان تھے تو فوجوں کی کمان بھی اُن کے ہاتھ میں تھی، وہ ایک وقت تمدن و معاشرت کے

نتائج ایمان والوں کے حق میں ظاہر ہونے، مادّے والوں کے حق میں ظاہر نہیں ہوئے بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ یہ مال والے ہیں، مکان والے ہیں، مملکتوں والے ہیں، سمندروں والے ہیں، لیکن ایمان والوں کے مقابلہ میں اُن کی کوئی قوت کام نہ آئی، موسیٰ (علیہ السلام) کے پیچھے دو قومیں چلیں، ایک کے لئے سلامتی کا راستہ کھلا، دوسری جس کے پاس تمام مادّی سامان تھے غرق کر دی گئی، .... یوسفؑ والوں نے تو غلامی کی حالت میں بیچ دیا تھا، اور ڈالنے والوں نے تو اسے قید خانہ میں ڈالدیا تھا، لیکن نتیجہ کی کامیابی نے مصر کے تخت پر لا بٹھایا،

آج حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کی جماعت صحابہؓ بھی اس قسم کے حالات سے گذر رہی ہے، بعض صحابہؓ بے اختیار کہتے ہیں مایاتی علینا یوم نامن فیہ ونضع عنا السلاح "ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن اور بے خوفی کے ساتھ بسر کرتے اور ہتھیار اپنے جسم سے الگ کر سکتے" ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جب کہ خوف کی جگہ امن ہوگا، مظلومی اور بے چارگی کی جگہ تمام زور فرمانروائی ہوگی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمین کی خلافت انہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائے گی، (تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۲) راہِ دعوت کے اضطراب کا مقام بھی عجیب محبوبیت کا مقام ہے، آیت نازل ہوئی،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ   جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیئے

مسلمان جزیرۂ سماٹرہ میں اپنا قدم جما چکے تھے، اور مجمع الجزائر ملایا کے جزیروں میں زبردست قوت کے مالک تھے، اسلام کی ایک ہزار سالہ تاریخ تمکن فی الارض کی تاریخ ہے، فتوحات ممالک و بلدان و توسیع حکومتِ اسلام کی جو مثال مسلمانوں نے پیش کی، دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال کیا پیش کرے گی، قرآن حکیم اسے سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے، جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں مل سکتی ہے، قرآن کے نزدیک اس وراثت ارضی کا مفہوم یہ ہے کہ :-

دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت و سعادت کے لئے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ہو، وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں قائم کرائے، ظلم و جور اور انسان کی ابلیسی ضلالت و طغیان سے اس کی زمین پاک ہو جائے، ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیت دنیا میں پھیل جائے، اور اللہ کا وہ ہمہ گیر قانونِ عدل جو تمام کائنات ہستی میں سورج سے لے کر زمین کے اندر کے حشرات تک کے لئے نافذ و قائم ہے، اور جس کو قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، اور جس سے صرف انسان ہی روگردانی کرنیوالا ہے، زمین کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں جاری و ساری ہو کر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت بنا دے۔

(مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب)

قوانین نافذ کرتے تھے، تو دوسرے وقت بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ روکتے تھے، یہ وہی ذات تھی جو مکہ کی گھاٹیوں سے ایک فاتح حکمران کی طرح یہ اعلان کرتے ہوئے گذر رہی تھی کہ دین اور دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں، خدا کی مرضی کے مطابق بنی حکومت وہی ہے، جو شریعت سے وجود میں آتی ہو،

دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا لازمی جزو تھا، یہ خلفائے راشدین مہدیین تھے جو صحیح اور کامل معنوں میں منصب نبوت کے جانشین تھے، اُن کا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا، جس طرح وجود نبوت میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا اسی طرح ان کی شخصیت بھی جامع و حاوی تھی، دینی دعوت اور شرعی اجتہاد و امر، حکومت و فرماں روائی، نظام شریعت و سیاست یہ سب اُن کی ذات میں سمٹے تھے، ان کی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی، یعنی حکومت شورائی تھی، اس عہد کی برکات کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے دینی فکر و عمل کی روح کسی نہ کسی شکل میں کم و بیش ہمیشہ برقرار رہی، سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی عیسوی میں اور مغلوں نے تیرہویں صدی عیسوی میں جب مسلمانوں کو پامال کیا تو ان قوموں نے بالآخر انہی کا مذہب اختیار کیا جن کو انھوں نے فتح کیا تھا۔

۱۲۵۸ء میں مغلوں کے وحشی لشکر بغداد کو تاراج کر رہے تھے، اور ۱۲۳۶ء میں قرطبہ سے مسلمانوں کو نکالا جا رہا تھا، اور غرناطہ میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ عیسائی بادشاہ کو خراج دے رہے تھے، ملکی تنزل کی ان ساعتوں میں بھی

اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ، فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ،

تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو تمھارے قدموں میں حرکت نہیں ہوتی اور زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو کیا تم نے آخرت چھوڑ کر صرف دنیا ہی کی زندگی پہ قناعت کرلی اگر یہی بات ہو تو یاد رکھو جس زندگی پر ریجھے بیٹھے ہو وہ تو آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہی ہیچ ہے،

اس کے بعد فرمایا،

اِلَّا تَنْفِرُوْا، يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا، وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ،

یاد رکھو اگر تم نے حکم الٰہی سے سرتابی کی اور وقت کے آنے پر بھی راہ حق میں کربستہ نہ ہوئے تو اللہ نہایت ہی سخت عذاب میں ڈال کر اس کی سزا دے گا، اور تمھارے بدلے کسی دوسری قوم کو خدمت اسلام کے لئے کھڑا کر دے گا، تم چھانٹ دیئے جاؤ گے، کلمہ حق تمھارا محتاج نہیں اور تم ہی اپنی زندگی اور نجات کے لئے اس کے محتاج ہو،

قرآن کی بلاغت کا یہ کیسا کمال ہے کہ قوموں کے زیر و زبر اور انقلاب و زوال کا سارا مضمون دو مختصر جملوں میں بیان فرما دیا،

تمکن فی الارض یا حکومت کا مقصد اصلی یہ تھا کہ دنیا میں عبادات کا احیا ہو، نیکی کا اعلان اور راستی کا ظہور ہو، برائی سے نوعِ انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روکچے

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ،

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کی طاقت زمین میں قائم کردیں تو ان کا کام یہ ہوگا کہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے، اور برائی سے دنیا کو روکیں گے۔

حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں، فرمایا حضور اکرم صلعم نے کہ:-

"بہترین زمانہ میرا، اور اس کے بعد، اور اس کے بعد کا ہے، مگر اس کے بعد ایک قوم آئے گی جو محض کثرتِ مال و جاہ، و اکل و شرب و عیشِ نفس و ادعاء نمائش میں مبتلا ہو جائے گی"

وقت آیا کہ تمکینِ ارضی کے وارث فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖ وہ بات بھول گئے جو انھیں سکھائی گئی تھی، عبادات کے قیام و امر بالمعروف کے اعلان کی بجائے اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ، نماز ضائع ہونے لگی اور خواہشات کا انہماک بڑھ گیا، ایک مسلمان مسلمان رہ کر اسلام کے بنیادی احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، رائی کے برابر بھی ایمان کی محبت موجود ہو تو فرمانِ خداوندی ایک قلبِ غافل کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے،

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اے مسلمانو! تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ جب

کی جگہ نیکیوں کی فضائیں چھا جائیں، بدامنی کی جگہ عافیت آجائے، بداخلاقی کی جگہ اخلاق کی بلندی جلوہ گر ہو، یہ جو انقلاب آتے ہیں یہ انقلاب تھوڑے ہیں، یہ تو پہلے والی بات ہوئی، احنف بن قیسؓ ایران میں جو انقلاب لائے تھے وہ یہ انقلاب نہ تھا، بلکہ اس انقلاب کے اندر اللہ کی رضا کا جلوہ تھا، اور ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو دنیا کی دلفریبی کی طرف متوجہ ہوا ہو،

یہی واقعات قادسیہ کی جنگ میں پیش آئے کروڑوں اور اربوں کا مال مسلمانوں نے کسریٰ کے شہروں سے لاکر جمع کر دیا، لیکن کسی نے اس مال کی طرف التفات نہ کیا، اور نہ خیانت کا کوئی معمولی واقعہ پیش آیا، ان میں سے ایک ایک چیز نہایت قیمتی تھی، اگر چاہتے تو چھپا سکتے تھے، حضرت عمرؓ مسلمانوں کی یہ ایمانی کیفیات دیکھ کر رو رہے تھے، اور کہہ رہے تھے،۔

"اگر بدر کے متعلق آیات نازل نہ ہوئی ہوتیں تو میں قادسیہ کے معرکہ کو اس سے زیادہ معزز واہم سمجھتا کہ وہاں تو ایک ہزار آدمیوں سے سابقہ پڑا تھا جو چند اونٹ لئے کھڑے تھے، اور یہاں کروڑوں کی مالیت مسلمانوں کے قدموں میں تھی،،

تاریخ میں آتا ہے کہ کسریٰ کے تمام قیمتی بکس اور قالین مدینہ بھجوا دئیے گئے حضرت عمرؓ نے ان میں سے ایک مرصع قالین کو جس پر پوری سلطنت کا موتیوں اور یاقوت کے ساتھ نقشہ بنا ہوا تھا جب بالشت بالشت کاٹ کر تقسیم کیا گیا

حضرت عمرؓ کے عہد میں جب احنف بن قیسؓ نے ایران فتح کیا، یزدگرد شکست کھا کر ترکستان بھاگ گیا، اور اس کا کُل خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اس موقع پر احنف نے مسلمانوں کے سامنے جو تقریر کی تھی وہ بڑی معرکہ کی تقریر ہے، فرمایا:۔

مسلمانو! آج مجوسیوں کی حکومت برباد ہوگئی، اور اب اُن کے قبضہ میں ان کے ملک کا ایک چپہ بھی باقی نہیں، کہ وہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، خدا نے اب تم کو ان کی زمین، اُنکے ملک اور ان کے اہل ملک کا وارث بنایا ہے، تاکہ تمھارا امتحان لے، اگر تم بدل گئے، تو خدا بھی تمھاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا، یاد رکھو! تم اپنے ہاتھوں سے برباد نہ ہونا، مجھے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے اُن کی بربادی کا خوف ہے" (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۹)

انقلاب یہ نہیں کہ ایک ظلم کی جگہ دوسرا ظلم لے لے، ایک ظالم کی جگہ دوسرا ظالم آجائے، ایک خونخوار کو دوسرا خونخوار گرادے، بلکہ انقلاب تو یہ ہے کہ مال چھیننے والے اپنا مال لٹانے والے بن جائیں، آرام غارت کرنے والے اپنا آرام دوسروں کے لئے قربان کرنے والے بن جائیں، وہ انقلاب کیا انقلاب ہوا کہ ایک معصیت پر اس سے بڑی معصیت آگئی، ایک گناہوں کی سلطنت پر دوسری گناہوں کی سلطنت چھاگئی، ایک انسانوں کو روندنے والی حکومت پر دوسری انسانیت کا قلع قمع کرنے والی حکومت آگئی، انقلا [illegible]

مجھے واپس لوٹا رہا ہے"۔

یہ وہ لوگ تھے جنھیں دنیا کی چیزوں کی احتیاج نہ تھی، اور نہ ان چیزوں کو کبھی مقصد بنایا تھا، دنیا کی یہ سب حاجتیں وقتی اور جزوی، انسان ان جزوی چیزوں پر محنت کرتا ہے، کیوں کہ اس کا مشاہدہ یہی ہے، کھانے کی حاجت کے لئے محنت، مکان کی حاجت کے لئے محنت، عیش کے لئے محنت، لیکن اُن لوگوں کی محنتیں اللہ کے علم والی ابدی اور بے نہایت حاجتوں کے لئے تھیں، وہ اپنی جان اور مال جزوی چیزوں کو حاصل کرنے پر نہیں لگا رہے تھے، بلکہ کل کو حاصل کرنے پر لگا رہے تھے، اس لئے اللہ کی مشیت اُن کا ساتھ دے رہی تھی۔

عمل کا اعزاز تو اس چیز سے ہے جس چیز کے لئے عمل کیا جا رہا ہو، اگر گھٹیا چیز کے لئے عمل ہو رہا ہے تو وہ گھٹیا قسم کا عمل کہلائے گا، اور افضل چیز کے لئے عمل کیا جا رہا ہے تو وہ عمل افضل کہلائے گا، سمندر کی تہہ سے جواہرات نکالنے کا عمل اونچا عمل کہلائے گا، لیکن خاکروب کے عمل کو ادنیٰ درجہ کا عمل ہی کہا جائے گا، اگر ہیرے اور موتیوں میں کھیلنے والا گھٹیا عمل اختیار کرے تو کون ہے جو اُسے جواہرات والا کہے۔

امتِ خیر اگر خیر والا عمل چھوڑ دے تو وہ اس مقام خیر پر رہ نہیں سکتی، وہ جتنا اس سے نیچے کا عمل اختیار کرے گی اسی نام سے پکاری جائے گی، امتوں کے لئے ہوائے نفسانیہ اغراضِ شخصیہ سے بڑھ کر ارذل اعمال اور نہیں ہوئے، جب انسان کا مقصد خدا کے ماسوا بن جاتا ہے تو ماسوا کی شکلیں بگڑ جاتی ہیں، روٹی اگر مقصد بن جائے گی تو روٹی کے حصول

تو پورے مدینہ کے آدمیوں کے حصہ میں آیا، اور وہ ایک ایک بالشت کا ٹکڑا
چالیس چالیس ہزار میں فروخت ہوا جب ایمان واخلاق کا معیار گرانہ تھا، تو دنیا
اس طرح اُن کے پاس آرہی تھی، جب جدو جہد کا رخ بدلا نہ تھا تو حرص و آز سے
انسان دُور رکھا تھا، یہ واقعہ بھی اسی عہد کا حیرت زا تھا جب ایک والی کا ملک
مسلمانوں کے ہاتھ آیا، تو اس والی نے قیمتی جواہرات کی ایک ڈبیہ فاتح مسلمان
کو پیش کرتے ہوئے ایک قصہ بیان کیا تھا کہ "ایک مرتبہ ہم سپاہ سکندری کو
مجبور کر رہے تھے، کہ ہمیں ایک تہ خانہ نظر آیا، جو بہت نیچا اور تاریک تھا، ہمارے
آدمی کچھ دُور تک گئے، مگر اس کی تہہ کا سُراغ نہ ملا، آخر ہم نے سدھائے ہوئے
باز اس تہ خانے کا کھوج لگانے کے لئے اس طرح اس کے اندر بھیجے کہ پہلے
گوشت اس کے اندر پھینکا پھر باز چھوڑے، وہ وہاں سے جب یہ گوشت نکالکر
باہر لاتے تو یہ موتی اس گوشت کے ساتھ چپکے ہوتے تھے، جن کی قیمت کا کوئی
اندازہ ہی نہیں کر سکتا" یہ کہتے ہوئے اس نے یہ ڈبیہ فاتح کی خدمت میں پیش
کی، اس نے اس ڈبیہ کو دیکھا، اور یہ کہتے ہوئے واپس کر دی کہ "ہاں اللہ کی بڑی
قدرت ہے" ، جب مفتوح نے یہ دیکھا کہ مسلمان فاتح نے اس ڈبیہ کی طرف
کوئی التفات نہیں کیا، تو وہ ششدر رہ گیا اور کہا۔

"اگر دنیا کا کوئی اور بادشاہ ان موتیوں کا علم رکھتا تو وہ مجھ پر حملہ
کر کے ان کو حاصل کرتا، لیکن میں یہ خود پیش کر رہا ہوں اور یہ

لَيْسَ قَصْدِيْ مِنَ الْجِنَانِ نَعِيْمًا
غَيْرَ اَنِّيْ اُرِيْدُ هَا لِاَرَاكَا

تو ہی میرا سوال و آرزو اور مراد ہے، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تیری
کب ملاقات ہوگی، جنت کا طالب عیش و آرام کی غرض سے نہیں
ہوں ہاں اس سبب سے ہوں کہ وہاں تیرا دیدار ہوگا،

آج تو نفس کو خوش کرنے کی بات ہے، ان چیزوں کی شکل و صورت درست کرنے کی بات ہے جو دل کو مرغوب ہیں، نگاہ ظاہرہ طور پر ماسوا پر پڑتی ہے، اور انسان اپنے ماسوا کی شکلوں کو درست کرنے میں کامیابی دیکھتا ہے، حالانکہ جو عمل اس سے نکل رہے ہیں اُن کی درستی پر محنت کی جاتی تو ماسوا میں بھی شکلیں پیدا ہوتیں اور اپنے اندر بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شکلیں پیدا ہوتیں، انسان سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں یہ فنا نہیں ہوتے، جو آنکھ دی گئی ہے اگر آنکھ سے دیکھنے کے عمل کی شکل درست نکل رہی ہے تو ان آنکھوں میں اللہ کا نور آئے گا، اور موت کے بعد والی زندگی میں بھی یہ آنکھ دُور تک دیکھنے والی ہوگی، ورنہ کہہ رہا ہوگا لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، "اے پروردگار! مجھے اندھا کیوں اٹھایا میں تو دیکھنے والا تھا"، یہ چیزیں اور یہ شکلیں جن پر جان کھپائی جارہی ہے انبیاء کی محنتیں اس سے جدا ہیں، وہ تو دنیا کی تمام مادی شکلوں کو اس لئے قربان کرتے ہیں کہ انسانوں کی شکل و صورت بن جائے، ان مادی شکلوں کو وہ غیر اہم قرار دیتے ہیں، بڑے بڑے مکانوں کی جگہ

کی تمام شکلیں بگڑ جائیں گی، اگر مال مقصد بن جائے گا تو مال کے حصول کی تمام شکلیں بگڑ جائیں گی، اگر عورتیں مقصد بن جائیں گی تو شہروں کی فضائیں اور شہروں کی شکلیں بگڑ جائیں گی، جب عیش مقصد بن جائے گا تو ملک کی شکل بگڑ جائے گی، جب ظلم مقصد بن جائے گا تو امن و عافیت کی شکلیں بگڑ جائیں گی، جب بددیانتی مقصد بن جائے گا تو دیانت کی تمام شکلیں بگڑ جائیں گی، اور زمین اپنی پیداوار کا عمل روک دے گی

——— مقاصد کے بگاڑ سے اعمال بگڑتے ہیں، خواہشات کی اتباع سے انسان بگڑتے ہیں، جب انسان بگڑ جاتے ہیں تو مشیت الٰہی ساتھ چھوڑ دیتی ہے جن انسانوں نے اپنا مقصد اللہ کو بنایا تھا وہ بڑی بڑی کامیابیوں پر پہنچے تھے، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کی رضا کو یہ کہتے ہوئے تلاش کیا تھا کہ اے اللہ اگر ہمیں علم ہو جائے کہ ہمارے سمندر میں چھلانگ لگا دینے سے تو مل جائے گا تو ہم سمندر میں چھلانگ لگا دیں، اگر پہاڑ پر سے کود کر تو مل جائے تو پہاڑ پر سے اپنے آپ کو گرا دیں ؎

لَیْسَ الْمُحِبُّ الَّذِیْ یَخْشٰی مَهَالِکَهٗ
کَلَّا وَلَا شِدَّةُ الْاَسْفَارِ تَقْطَعُهٗ

یعنی دوست تو سفروں کی شدت و سختی سے گھبرا کر بیٹھ جانے والا نہیں ہے،
اور نہ وہ راہ محبت میں ہلاک کر دینے والی جگہوں سے خوف زدہ ہوتا ہے،
بلکہ وہ کہتا ہے ؎

اَنْتَ سُؤْلِیْ وَ بُغْیَتِیْ وَ مُرَادِیْ
لَیْتَ شِعْرِیْ مَتٰی یَکُوْنُ لِقَاءُ کَا

یعنی "کیا تجھے خبر نہیں ہو کہ تیرا دن قریب آگیا ہے، کیا تجھے معلوم نہیں
کہ تیری عمر ختم ہو گئی، پھر تو کس برتے پر خوش ہوتا ہے، موت تو قریب
آ چکی ہو اور تو میٹھی نیند سوتا ہو، حالانکہ سونے کی جگہ تو قبر ہے"

دین تو یہ تھا کہ اپنے اعمال میں اللہ کے احکام کو داخل کیا جائے، انسان خواہش کو شوق سے کرتا ہو، اس میں کئی خواہشات رکھ دی گئی ہیں، اور خواہشات کے ساتھ احکام دیئے گئے ہیں، جب احکام آتے ہیں تو خواہشات ٹوٹتی ہیں، جب خواہشات ٹوٹتی ہیں تو تکلیف ہوتی ہے، اس تکلیف پر اجر ہیں، ایک خواہش ذات کے لئے ٹوٹتی ہے، تو تکلیف ہوتی ہے، جب خاندان اور گھر والوں کے لئے ٹوٹتی ہو تو زیادہ تکلیف ہوتی ہے، جب اجتماع کے لئے خواہش ٹوٹیگی تو بہت تکلیف ہوگی اس اعتبار سے انبیا کو سب سے زیادہ تکلیف پہونچی، اور وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کہہ کر انھیں سب سے اونچے مقام سے سرفراز فرمایا، جس قدر انبیاء کی مشابہت میں تکلیف برداشت کی جائے گی اتنا قرب انبیاء کا مقام حاصل ہوگا،

منصب انبیا کئی اجزاء عمل سے مرکب ہو، بالحاظ وحی و تنزیل اور تشریع و تاسیس نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر پر ختم ہو چکی تھی، اور شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ قیامت تک کے لئے کامل ہو چکا تھا، جب ایک چیز کامل ہو گئی تو پھر اس کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے، اس چیز کی جگہ اگر کوئی دوسری چیز آئے گی تو نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کار کا، امت کے قیام اور

کچے مکانوں کو ترجیح دیتے ہیں، انواع واقسام کے کھانوں کی بجائے نانِ جویں پر گذر کرتے ہیں، اُن کا اعلان یہ ہوتا ہے، لوگو! جن چیزوں پر تم مٹے جارہے ہو یہ تو ایک نہ ایک دن ٹوٹ پھوٹ جائیں گی، صرف زندگی کی شکل باقی رہے گی، جس طرح کی یہ شکل ہوگی ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک ہوگا، جنت ودوزخ انسان کے اعمال کی شکلوں پر ہے، اس دنیا میں انسان کو اپنے اعمال کی شکلوں کو اہمیت دینی چاہیئے، جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو تمام بھائی بند کھڑے ہو جاتے ہیں، اور وہ سب کچھ بانٹتے ہیں جس پر پچھلے وقتوں میں اس نے محنت کی تھی، اور جمع کیا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے بوقت وفات فرمایا تھا کہ کفن اتنا مختصر بنا دینا کہ کہنی اور پیر کے لئے کافی ہو، کہ قبر ہی حد کی گئی تو بعد میں اعمال کی شکلوں کے مطابق یا تو جنت ہے یا دوزخ، دنیا کی عیش اور سہولت کے دیوانے اس دن کیا سوچ رہے ہوں گے جب پریشانیوں اور سہولتوں کا فیصلہ اُن کی ذات والے عملوں کی بنا پر ہوگا، کیا ان بازاروں اور مکانوں میں غفلت کی نیند سونے والوں نے پچھلے بازاروں اور مکانوں کی تحقیق کرلی ہے، کہ کہیں کہیں کھنڈر باقی ہیں ؎

أَفَلَسْتَ تَدْرِي أَنَّ يَوْمَكَ قَدْ دَنَا
أَوَلَسْتَ تَدْرِي أَنَّ عُمْرَكَ يَنْقُصُ
فَعَلَامَ تَطْمَعُ وَالْمَنِيَّةُ قَدْ دَنَتْ
وَعَلَامَ تَرْقُدُ وَالثَّرَى لَكَ مَرْقَدُ

خلیفہ اللہ کا شکر ادا کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز مائیں موجود ہیں، اب امت پر وہ وقت آیا تھا جس کی پہلی ضرب امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پڑی، لیکن زبانوں کی بے باکی اور دلوں کی بے خوفی اپنا کام کرتی رہی، تازیانوں کی ضرب اور جلاد کی تیغ بھی انھیں کلمۂ حق سے باز نہ رکھ سکی،

ایک طرف صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعین کی جماعتیں اسلام کی دعوت لیکر مدینہ، کوفہ، بغداد اور دمشق سے نکل رہی تھیں، دوسری طرف خلافت عزیبیہ میں محدثات کا وہ سیلاب آیا کہ التی تموج کموج البحر (عن حذیفۃ) سمندر کی موجوں کی طرح اس کی موجیں اٹھیں، اس تلاطم وطوفان میں نہ معلوم کتنی عظیم الشان عمارتیں آناً فاناً میں بہہ گئیں، اب دیکھو مخلصین کا یہ گروہ دین کی کڑھن سے کس قدر بے تاب ہو، فسق کا دھواں بڑھ رہا تھا، اظلام کی آندھی تیز تھی، لیکن اس دھوئیں میں شعلوں کی چمک معدوم نہ تھی، اور آندھی میں ابر وباراں کی گرج صاف سنائی دے رہی تھی،

امام ابوالفضل ابن طاہر نے بلاغات النساء میں سودہ بنت عمارہ، ازقار بنت عدی، ام البرار بنت صفوان کا ذکر کیا ہے، جب یہ دربار شاہی میں لائی گئیں تو ان میں سے ایک نہایت ضعیف وناتواں تھیں، دو عورتیں دو طرف سے انھیں تھام کر لائی تھیں، اہل دربار متعجب تھے، اور وہ کہہ رہی تھیں،

"میری آرزو تھی کہ مجھے موت آجائے، مگر اس وقت کو اپنی آنکھوں

سعادت و ہدایت کے بقاء کے لئے نبوت کے تمام اجزاء کا حمل امت کو تفویض ہوا تاکہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے، لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ[۱] (صحاح)

اصلاح عالم و احیائے دین کے لئے ان الٰہی سلسلوں کے ماتحت ایک جماعت ہمیشہ موجود رہی جو تاریکیوں اور گمراہیوں کے انتہائی دوروں میں بھی دعوت حق و امر بالمعروف کا اعلان کرتی رہی،

نبوت و رحمت اور خلافت و رحمت کے بعد شخصی حکمرانی و شہنشاہی کا جب دور آیا تو اسلامی جمہوریت درہم و برہم ہو گئی، قوم کے انتخاب کی جگہ طاقت و تسلط کا دور شروع ہوا، شاہی خاندان سے طبقۂ امراء کی بنیاد پڑی، احکام شریعت پر اغراض نفسانی و سیاسیہ مقدم ہونے لگیں، اسی دن نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل شروع ہوا، اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی کا آغاز ہوا، یا اسلامی جمہوریت کا خلیفہ طبقۂ عوام کا ایک فرد ہوتا تھا، یا اجماع و مشورہ کے بغیر ایک حکمران ظاہر ہوا، اسلام کا آقا تو ایک فرد قوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، یا اب قوم سے بالاتر ہستی سمجھا جانے لگا، وہ تو دار الحکومت کے خس پوش چھپر میں اس طرح رہتا تھا کہ اس کے کپڑوں کو چار چار پیوند لگے ہوتے ہوتے تھے، یا آج دیبا و حریر کے ملبوسات میں جشن شاہی منایا جا رہا تھا، ایک بڑھیا بھی خلیفۂ وقت سے بر سر عام کہہ سکتی تھی کہ اگر تم انصاف نہیں کروگے تو تکلے کی طرح تمھارے بل نکال دیئے جائیں گے،

---

[۱] ترجمہ، میری امت میں ایک جماعت ہر زمانہ میں موجود رہیگی جو راہ مستقیم پر قائم کر لوگوں کو سیدھی راہ بتاتی رہیگی،

کاش! میں جان لیتی کہ تیرے ساتھ مجھے کس نے دھوکا دیا ہے" زمین سے ایک تنکا اُٹھا لیتیں اور کہتیں "قسم ہے اللہ کی، قسم ہے اللہ کی، (دو مرتبہ) دنیا میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے"

فاطمہ نیشاپوریہ رضہ بڑی باکمال عورت تھیں، حضرت ذوالنون مصری رضہ فرماتے، میں نے اس کی مثل کسی عورت کو نہیں دیکھا، اُن کے اقوال بہت عجیب ہیں، فرماتیں جو شخص اللہ تعالیٰ کا مراقبہ نہیں کرتا وہ ہر میدان میں اٹکر پڑتا ہے، ہر زبان میں بات کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا مراقب ہے عمل اس دھیان سے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشاہدہ کرتا ہے، وہ گونگا کر دیا جاتا ہے، مگر صدق، حیا، اخلاص اس پر لازم کیا جاتا ہے،

جب یہ آیت نازل ہوئی اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ[1] حضرات صحابہؓ اس قدر روئے کہ اُن کے رخسار تر ہو گئے، جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہؓ کے رونے کی آواز سنی تو آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے، فرمایا اللہ کے خوف سے رونے والا دوزخ میں نہ جائے گا، اور گناہ پر اصرار کرنے والا جنت میں داخل ہوگا،

خشیت الٰہی کا یہ رنگ خواتین میں بھی موجود تھا، ماجدہ قرشیہ رضہ کے سوز و گداز کی یہ کیفیت تھی کہ اکثر پردۂ شب کی تاریکی میں بیٹھ کر رویا کرتیں، فرماتیں نہیں سنتی میں کوئی آہٹ، اور نہیں اٹھاتی کوئی قدم مگر گمان کرتی ہوں اجل کا،

---

[1] یعنی تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور قیامت کا ذکر سنکر ہنستے ہو اور تم کو رونا نہیں آتا،

سے نہ دیکھوں، مگر افسوس یہ آرزو پوری نہ ہوئی، اور اللہ نے
میری موت کے وقت کو بڑھا دیا، یہاں تک کہ آج میں زمانہ
کے انقلابات کے عجیب عجیب رنگ دیکھ رہی ہوں "

جب سودہ بنت عدی سے کہا گیا تو وہی عورت ہے، تو اس کی حق گوئی نے
قصرِ شاہی کو یہ کہہ کر حیرت زدہ کر دیا تھا،

"سودہ بنت عمارہ اُن لوگوں میں سے نہیں ہے جو حق سے
وقت پر پھر جاتے ہیں، اور کذب گوئی کے لئے حیلہ طرازیاں
کرتے ہیں "

امت کی صدہا ایسی جاں نثار ایں تھیں جنہیں تختِ دمشق کی شوکت قیصری
مرعوب نہ کر سکی تھی، اس کے ساتھ دینداری، زہد و ورع، عبادت و ریاضت جملہ
فضائل میں اس زمانہ کی خواتین ایک امتیازی شان رکھتی تھیں،

امراۃ رباح رضہ بڑی عابدہ خاتون گذری ہیں خشیت الٰہی تمام محاسن کا
سرچشمہ ہے، اُن پر اس کا اتنا غلبہ تھا کہ ساری رات کھڑی رہتیں، جب رات کا ایک
حصہ گذر جاتا تو اپنے خاوند سے کہتیں، اے رباح! کھڑا ہو نماز کے لئے، وہ کھڑے
نہ ہوتے تو خود نماز میں مصروف ہو جاتیں، جب رات کا ایک حصہ باقی رہ جاتا تو پھر
اُن کو بیدار کرتیں، اور کہتیں کہ اے رباح! کھڑا ہو، وہ نہ اُٹھتے تو رات کے تمام
ہونے تک قیام کرتیں، اور پھر فرماتیں، رات کاش کہ گذر گیا، اے رباح! تو سوتا

یہ میری وہ رات ہے جس میں میں مروں گی، پھر صبح تک نہ سوتیں، جب نیند غلبہ کرتی تو تو کھڑی ہو جاتیں، اور گھر میں ٹہلنے لگتیں، اور کہتی جاتیں، اے نفس! نیند تو آگے آنے والی ہے، یہ گھڑی نیند کی نہیں،

عمرہ امرأۃ حبیبؒ کی نماز خشوع وخضوع کی تصویر ہوتی تھی، ساری رات عبادت میں گذارتیں، جب سحر ہو جاتی تو اپنے خاوند سے کہتیں، اے انسان! رات چلی گئی دن نکل آیا، ملاء اعلیٰ کا ستارہ ٹوٹا، صالحین کے قافلے چلے گئے تو پیچھے رہ گیا،

ایک بار اُن کی آنکھیں دُکھیں، کسی نے کہا، عمرہ! تمھاری آنکھوں کے درد کا کیا حال ہے، کہا میرے دل کا درد بہت سخت ہے،

عجب رشیدہ اپنے عہد کی بڑی عابدہ ورمتورع بزرگ گذری ہیں، ایک مرتبہ کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ متقی حقیقت تقویٰ کو نہیں پہنچتا، جب تک اللہ کے تقرب سے زیادہ کوئی چیز اُسے محبوب نہ ہو، تو غش کھا کر گر پڑیں،

منفوسہؒ زید بن ابی الفوارسؒ کی بیٹی تھیں، بڑی صابرہ اور شاکرہ خاتون ہیں، اپنے مُردہ بچے کا سر گود میں رکھ کر بیٹھی ہیں، اور کہہ رہی ہیں، اللہ کی قسم بے شک تیرا آگے جانا میرے روبرو رہنے سے بہتر ہے، اگرچہ تیری جدائی شاق ہے، لیکن اس کے اجر کی توقع میں بڑی خیر ہے، یہ کہہ کر یہ شعر پڑھیں ؎

وَاِنَّا لَقَوْمٌ لَا تَفِيضُ دُمُوعُنَا

عَلَى هَالِكٍ مِنَّا وَاِنْ قُصِمَ الظَّهْرُ

کیا ناقص عقلیں ہیں کہ ایک گھر کے، جسے دونوں کو کوچ کا حکم دیا گیا ہے، اور وہ حیران ہیں، مہلت میں گھوڑے دوڑاتے ہیں گویا اُن کے سوا اور مرادیں اور ارمان ان کے لئے نہیں ہیں، فرماتیں، اللہ کے فرماں بردار بندے بدوں کی صحبت سے جنت میں داخل ہوں گے،

سیدہ عائشہؓ امام جعفر صادقؒ کی صاحبزادی ہیں، عذاب آخرت کو یاد کرکے جب بے قرار ہو جاتیں تو فرماتیں، "قسم ہے تیری عزت و جلال کی، اگر تو مجھے دوزخ میں داخل کرے گا تو میں توحید کو ہاتھ میں لوں گی، اور دوزخیوں میں اس طرح کہتی پھروں گی میرا دامن شرک سے آلودہ نہیں، میں موحد ہوں اور مجھے عذاب کیا گیا،

رابعہ عدویہؒ کے بہت مناقب ہیں، خوف خدا سے ہر آن لرزاں رہتیں، ان کا کفن اُن کے روبرو سجدہ کی جگہ رکھا رہتا، اُن کے آنسوؤں سے سجدہ کی جگہ ایسی ہو گئی تھی جیسے پانی کا ڈبرا، یہ اسلام کی وہ مائیں تھیں، جنھوں نے امام شعبیؒ، احنف بن قیسؒ، سالم بن عبداللہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، عبداللہ بن طاؤسؒ، عامر بن عبداللہؒ، سعید بن المسیبؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور سعید بن جبیرؒ جیسے بیٹوں کو جنم دیا تھا، جن کے احوال آگے آتے ہیں،

معاذہ عدویہؒ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ دن اور رات میں چھ سو رکعت پڑھتی تھیں، چالیس برس تک نگاہ آسمان کی طرف نہیں اٹھائی، جب دن ہوتا تو کہتیں یہ میرا وہ دن ہے جس میں میں مروں گی، پھر شام تک نہ سوتیں، جب رات آتی تو کہتیں

یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں قال یکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدیی ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیکم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس (مسلم حدیفہ)

یعنی "میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میرا طور طریق چھوڑ دیں گے، میری سنت پر نہیں چلیں گے، عنقریب تم پر ایسے لوگ حکمران ہوں گے کہ اُن کا جسم تو انسانوں کا ہوگا، مگر دل شیطان کا سا۔"

کہنے والا کہہ رہا تھا لا تعتمی یا مبن، اے مروان (گورنر مدینہ) قرأت میں ایسی جلدی نہ مچایئو کہ میری آمین ضائع جائے، امراء وسلاطین نے جب سنت پر ہوائے نفس کو مقدم کیا تو مخلوق کی نظروں سے گر گئے، آج بنوامیہ کا بھی یہی حال تھا، لوگ اُن کا بیان سننا پسند نہیں کرتے، عید کے دن خطبہ دیتے تو لوگ اُٹھ کر چلے جاتے، یہ حال دیکھ کر مروان نے چاہا کہ عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے، حضرت ابوسعید خدری نے دیکھا، تو مخاطب ہو کر کہا، "اے مروان ! تجھے اس بدعت کے جاری کرنے کی کیسے جرأت ہوئی ؟"

ماؤں کی گود کا ہلال آزادی وحق گوئی کا جوہر بن کر اب دربار شاہی میں اپنی تابناکی دکھا رہا تھا،

اے امیرالمومنین ! آپ یزید کے شبانہ روز کے مشاغل اس کے ظاہر اور مخفی ٹھکانوں سے اچھی طرح واقف ہیں، اگر اس واقفیت کے بعد بھی آپ اس کو

یعنی "ہم ایسے صبر کرنے والے ہیں کہ ہم میں سے اگر کوئی ہلاک ہو جاتے تو ہمارے آنسو نہیں بہتے، اگرچہ صدمے کے سبب ہماری کمر ٹوٹ جاتی ہو"

سیدہ نفیسہؒ یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی پوتی اور حسن بن زید بن علی کی بیٹی تھیں، ساٹھ برس تک مصر میں رہیں، اُن کی ذات جامع العلم تھی، جس درجہ کا ان میں علم تھا، اسی درجہ کا عمل تھا، امام شافعیؒ جب مصر تشریف لاتے، تو بی بی نفیسہ رضی کے پاس بھی تشریف لاتے، اور اُن کی مسجد میں نماز ادا فرماتے،

امۃ الجلیلؒ بڑی عامل سنت خاتون ہیں، عقائد و اعمال میں سلف صالحین کا نمونہ تھیں، ایک مرتبہ ولی کی تعریف میں کہا، ولی کی گھڑیاں دنیا سے غافل ہونے کی گھڑیاں ہیں، دنیا میں اس کے لئے کوئی ایسا لمحہ نہیں، جس میں وہ اللہ عز وجل کے سوا کسی چیز کے لئے فارغ ہو،

اسلام نے تو یہ معاشرہ پیدا کیا تھا، امراء و سلاطین آتے تو تعمیر کی صورتیں ختم ہونے لگیں، تخریب کے آثار ابھر آئے، ماؤں نے اپنی زہادت کی گود میں جن بچوں کو پرورش کیا تھا ان میں ایک کوفہ کے جلیل القدر عالم تھے، آج حجاج کے سامنے اس طرح لائے گئے تھے کہ پاؤں میں بیڑیاں تھیں، یہ فقیہ العصر امام شعبی رہ تھے، جن کا حلقہ درس عہد صحابہ میں قائم ہو گیا تھا، آج تو فتن کے ظہور کا زمانہ ہو، عبادات میں انجاح کی وہ کیفیتیں کہاں! نماز میں ضعف اور بد ذوقی کا یہ حال ہو کہ مقتدیوں کو نماز میں شرکت کا موقع نہیں ملتا، لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس بات کو

اُن کے صاحبزادے امام عبداللہ کے بھی یہی احوال تھے، جب موقع آتا بلاخوف وخطر حق بات کا اظہار کرتے، ایک مرتبہ ابوجعفر منصور نے انھیں اور امام مالک رح کو بلا بھیجا، یہ دونوں گئے، منصور نے کچھ سکوت کے بعد عبداللہ سے کہا، اپنے والد کی کوئی حدیث بیان کیجئے، تو انھوں نے یہ حدیث سنائی،

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کرے گا، یعنی اس میں ظلم کو شریک کریگا"

یہ حدیث سن کر منصور خاموش ہو گیا، امام مالک رح کہتے ہیں کہ میں نے منصور کے چہرے کی حالت دیکھ کر جان کے خوف سے اپنے کپڑے سمیٹ لئے، تھوڑی دیر کے بعد منصور نے تین مرتبہ امام عبداللہ سے قلم دوات اٹھانے کے لئے کہا، مگر تعمیل نہ کی، منصور نے کہا، دوات کیوں نہیں اٹھاتے، جواب دیا، اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھوگے تو اس میں میری شرکت ہو جائے گی،

شوریٰ کا زوال دین کے سارے منصوبوں کا زوال تھا، یا تو ہر قوت اکھٹی، ہر عمل ایک دوسرے سے جڑا اور ملا ہوا تھا، کسی چیز، کسی گوشے اور کسی عمل میں نہ علٰحدگی تھی نہ انتشار، ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی، ہر چیز بندھی ہوئی تھی، آج ایسی ہوا چلی تھی کہ اخلاق و اعمال کا ایک ایک بندھن کھلا تھا، علم کی غربت کا کوئی آنکھ اس سے زیادہ کیا واقعہ دیکھے گی، جو مدینہ میں ساری دنیائے اسلام کے مقتدیٰ حضرت سعید بن المسیب رض کو پیش آیا، عبدالملک اموی نے جب ولید اور سلیمان کی ولیعہدی

خدا اور امتِ محمدی کے لئے بہتر سمجھتے ہیں تو اس میں مشورہ کی کیا ضرورت ہو، آپ کو عنقریب آخرت کا سفر پیش آنے والا ہے،

یہ حضرت احنف بن قیسؓ فرما رہے تھے،

جب سلاطین کی ایک محفل میں اُن سے پوچھا گیا، حنفؒ! تم خاموش کیوں ہو؟ تو جواب دیا، جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کا خوف ہو، اگر سچ بولتا ہوں تو تم لوگوں کا ڈر ہو،

جب عبدالملک اموی نے انھیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے پیغام بھیجا تو جواب دیا۔

"اے ابن زرقا! تو مجھے شاہیوں کی دوستی کی دعوت دیتا ہو، خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کاش! اُن کے اور ہمارے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہو جائے، نہ ہم اُدھر جا سکیں، اور نہ وہ اِدھر آسکیں۔"

ابو عبدالرحمن بن طاؤسؒ کہا، تابعین میں سے ہیں، ارباب حکومت دُور دُور سے ہمیشہ بچتے تھے، لیکن خلفاء و سلاطین کو نصیحت کرنا فرض سمجھتے، حضرت عمر و بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اُن کو لکھا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے سب کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنانا، انھوں نے جواب دیا، اے طاؤس! میری بھلائی کے لئے یہ نصیحت کافی ہے،

(ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۳۳)

گناہوں میں سے ایک گناہ تمھارا وجود ہے، میں تم کو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا، تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو؟ فرمایا، خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کروگے، خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا، میرا ایک وقت مقرر ہے، اور فیصل شدہ امر، اس سے مفر نہیں، مقتل میں لے جانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو بلایا، وہ آئے تو رونے لگے، آپ نے کہا، تم روتے کیوں ہو؟ تمھارے باپ کی اس سے زیادہ زندگی تھی ہی نہیں، رونے کا کونسا مقام ہے!

حجاج نے حکم دیا، سر کے بل جھکا دو، یہ حکم سن کر خود سر کو جھکا دیا، اور زبان پر یہ آیۃ جاری تھی، مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ،

"اس (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا، اور اس میں تم کو لوٹائیں گے، اور پھر اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے"

جلاد موجود تھا، حجاج کے حکم سے دفعتاً شمشیر برہنہ چمکی، اور ایک کشتۂ حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا ؎

بجرم عشق اگر کشتی مرا ممنون احسانم
گناہ زاھد بے درد یارب چیست حیرانم

ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف دعاۃ کے گروہ اسلام کی دعوت کو لے کر جنوبی ہند، ملایا، جاوا، چین، جزائر ملوکا، بورنیو، جزیرۂ سماٹرا، جزیرۂ سلیبیز تک جا پہنچے تھے، جنوبی ہند کی موپلا قوم آج بھی ان تابعین کا اکرام کرتی ہے، جو دوسری

کی بیعت لینی چاہی تو آپ کا اعلان یہ تھا۔

"ایک بیعت کی موجودگی میں دوسری بیعت نہیں ہو سکتی، اے ابو بکر
بن عبدالرحمٰن! خدا سے ڈر، اور اس کو سب قوتوں سے بڑھ کر جان،
خدا کی قسم تمہارے دل اور آنکھ دونوں کی روشنی سلب ہو گئی ہے،
اجماع و مشورہ کو پامال نہ کر۔"

ہشام نے آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، آپ کی تشہیر کی گئی، اُن کی یہ آواز تیفعاً
سے آرہی تھی جب کہ ابو بکر بن عبدالرحمٰن انھیں سمجھا رہے تھے۔

تاریخ ان داستانوں کی ہمیشہ پاسباں رہے گی، حضرت سعید بن جبیرؓ جامع
کمالات تابعی ہیں، جامع کوفہ کے امام اور منصب قضا پر فائز ہیں، خیر القرون کی
شریعت خالص جب آلودہ فسق و معاصی ہونے لگی تو کوفہ کے علماء و قراء کو جمع کیا،
اور کہا۔

"لوگو! ان کی ظالمانہ حکومت، اُن کی بے دینی، خدا کے
بندوں پر اُن کے مظالم، نمازوں میں تاخیر، اور مسلمانوں
کی تذلیل و تحقیر پر اُن کا مقابلہ کرو۔"

خالد بن عبداللہ قسری نے انھیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا، حجاج
نے دیکھا تو کہا، میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا، پوچھا: عبدالملک
کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ فرمایا، تم ایسے شخص کے متعلق کیا پوچھتے ہو جس

نظر نہ آتا، کفر و عصیان کی اس سرزمین میں جہاں شجر و حجر کی پرستش ہوتی تھی، آج وحدۂ لاشریک کی آواز سے سلطنت سمدرا گونج رہی تھی، صرف چند انسان یہاں آگئے تھے، جنھوں نے اس سرزمین کا نقشہ پلٹ دیا تھا، ناز و نعمتِ دنیاوی سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا، یہ کام انھوں نے اپنے بوریائے فقر پر بیٹھ کر کیا تھا،

اسباب و سامان کے بغیر سفر کی کامیابی محال ہے، لیکن شیخ برہان الدینؒ نے جب اَتجیہ (آچیس) کا سفر اختیار کیا، تو دنیاوی سامان و اسباب میں سے کوئی چیز اُن کے پاس نہ تھی، وہاں پہنچے تو نہ یار و مددگار تھے۔ سارا شہر دیس والوں سے بھرا ہوا تھا، اُن میں یہی ایک غریب الوطن تھے، سب آرام و راحت میں تھے لیکن یہی ایک جان تھی جس کے پاس رات بسر کرنے کو نہ تھی، سب پرائے تھے کوئی اپنا نہ تھا، شہر میں داخل ہوتے تو کہہ رہے تھے،

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ — اے پروردگار! اس سفر میں جو میں نے اختیار کیا ہے
وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ — ایک بہتر مقام تک پہنچا ہو اور واپس لوٹا یو تو بہتر
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا — طریقہ سے لوٹا یو، اور گو میں ضعیف و کمزور ہوں، مگر
نَّصِیْرًا، — اپنی نصرت کشی سے دست گیری فرمائیو،

یہ ایک درویش کی صدائے مضطر تھی، جو اس کے حضور میں تھی جس کے ذہن نرالے ہیں، خدا کے کلام کے حاملین کے احوال اور ہوتے ہیں، اُن کو وہ قوت دی جاتی[1] ہے کہ اگر چاہیں تو سمندروں کی موجوں پر چھا جائیں، پہاڑوں کو ہلا دیں، زمین کی فضائیں

---

[1] یہ سوت کی نوب خالد بھی یا صحابہؓ کی متابعت کا مقام جس نے مسکوں کی آب و ہوا، قوموں کا مزاج اور جہتوں کے نقشے پلٹ دیئے تھے،

صدی ہجری میں عراق سے یہاں آئے تھے ۔

"مغربی ساحل ہند کی جن بندرگاہوں میں مختلف ملکوں سے بکثرت لوگ
آتے ہیں، نئے شہر آباد ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی تجارت سے آبادی
بڑھ گئی ہے، یہاں کے سردار اور رئیس اگرچہ بت پرست ہیں، لیکن
ان کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا ہے، اور قوم کے لوگ اپنے
ہم قوم لوگوں سے جو مسلمان ہو جاتے ہیں ویسا سلوک کرتے ہیں جیسا
مسلمانوں سے اُن کا برتاؤ ہے۔"

(عجائب الہند [illegible])

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ جب میں سماٹرا پہنچا تو اس وقت ملک الظاہر
کی حکومت تھی، دراصل سماٹرا میں اسلام کا چرچا تھا، مارا سیلو جو اس سلطنت
کا بانی تھا پہلا مسلمان بادشاہ تھا، جو ملک الصالح کہلایا، حضرت شیخ اسمٰعیل اور ان کے
ساتھی عرب سے یہاں آئے تو اس حکمران نے اپنا مذہب اسلام اختیار کر لیا، پاسور، لمری،
آرو اور پرلاک کے شہر دعوت کا مرکز بن گئے، الصالح کے بعد ان کا بڑا لڑکا الظاہر
جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کے عہد میں دین کو بہت فروغ حاصل ہوا یہ
بڑا زاہد و عابد فرماں روا تھا، علماء و فضلاء اس کے دربار میں موجود رہتے تھے، تمام
قلمرو میں شرعی نظام قائم تھا، ظلم و عدوان کی تمام راہیں بند تھیں، دینداری اور پرہیزگاری
کا یہ عالم تھا کہ نماز کے وقت شہروں میں سناٹا چھا جاتا، اور مسجدوں کے سوا کہیں آدمی

لوگوں نے عرض کیا کیا یہ بات بھی ہونے والی ہے؟ فرمایا ہاں! اس سے
بھی سخت تر بات ہونے والی ہے، کیا حال ہوگا تمھارا جب تم بھلائی
کا حکم نہ دوگے، اور برائی سے نہ روکو گے، لوگوں نے کہا کیا یہ بھی
ہونے والا ہے، فرمایا ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت، کیا حال
ہوگا اس وقت جب تم برائی کا حکم دو گے، اور حق کو رد کرو گے،
لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہ بھی ہونے والا ہے آپ نے
فرمایا ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے
بھی سخت تر معاملہ ہوگا، عرض کیا اس سے سخت کیا ہوگا، آپ نے
فرمایا تمھارا کیا حال ہوگا جب تم بری بات کا امر کروگے اور اچھی بات
سے منع کروگے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ ان پر ایسا
فتنہ بھیجوں گا کہ عقلمند حیران رہ جائیں گے،

ان دفتوں کی دہشت نے صحابہؓ کو خوف زدہ کر دیا تھا، ایک دوسرے سے
بار بار پوچھا کرتے تھے کہ وہ وقت آتو نہیں گیا،

روحانی ارتقاء کا آخری درجہ مقام نبوت ہے، وہ تمام نفوس قدسیہ جو ہدایت عالم
کے لئے چن لیے جاتے ہیں، اگرچہ نبی نہیں ہوتے لیکن اس مقام کے فیضان سے مستفید
ہونے کے لئے اُن کے دلوں کو کھول دیا جاتا ہے،

آفتاب نبوت کی ضیا پاشی نے جب تبع تابعین کے قلوب کو ملکۂ ہدایت سے

کو بدل دیں، آنچہ والوں کا آج یہی حال تھا، ایک تقریب نذکو پورا ملک پیش کیا جارہا تھا سرسی پادشاہ سلطان جہان شاہ اگرچہ تاریخ آنچہ کا سب نام حکمران کہلایا، لیکن اس مرد درویش کی درویشی میں کوئی فرق نہ آیا، یہ دور تو مادی سب کا دور ہے، جو معصیت کی جا بجا ظاہر ہوا، سب بہت ہی تیز و تند ہیں، جہالت مٹ چکی، یہ مدنیت کے انکار میں تہذیب آچکی، یہ علم و دانش کا زمانہ ہے، اپنی خصوصیات کو جھٹکنے والے نہ معلوم کن کن کی زینت بن گئے، ایمان کا اضمحلال کیا مصحلال تھا کہ اب کوئی اس میدان میں نظر نہیں آتا، اس چشمہ کی، دالی کیا ہوئی جس سے یہ کھیت سرسبز ہوتے تھے، ان جوانوں کی جوانی کا مصرف کیا ہوا! جو کبھی عشاق حق تھے، کیوں اپنے گرد ظلم و سرکشی کا طوفان نہیں دیکھتے، صداقتیں مستور ہو گئیں، شر و فساد کی اس یورش میں گنا ہوں کی مقبولیت حق و عدل کی بے چارگی، صلاح و خیر کی معدومی و غمخواری تمہاری آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں جو ٹپک سکے، جن دلوں میں عشق ذات حق کے لئے ایک اضطراب مخفی تھا، آج ان میں درد کی ایک ٹیس بھی نہیں اٹھتی، حق و باطل کا نظام الٹ چکا ہے، آگ تیز اُبھرنے لگیں، یہی وہ آنے والا دور فتن تھا، صحابہؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان اکثر دُہراتے ہیں۔

لوگو تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہاری لڑکیاں مبتلائے فسق ہوں گی، اور تمہاری عورتیں سرکش (یعنی تمہارے گھر کے اندر کی زندگی خراب ہو جائے گی) اور جوان بدکار ہو جائیں گے، اور تم جہاد چھوڑ دو گے،

زیادہ تھی، مسلمانوں کو ان جزائر میں آئے ہوئے نصف صدی گذری تھی، بورنیو کے
مغربی ساحل سکدانا کے مقام پر تبع تابعین کی جماعت اُتری، سکدانا کے بادشاہ نے
اسلام قبول کیا، مکہ معظمہ سے اس کے بعد یہاں کئی دعاۃ آئے، اور اسلام کو بہت
ترقی ہوئی، جب مکاسر کے مبلغین کی جزیرہ سمباوا میں آمد شروع ہوئی تو اس
جزیرہ کے احوال بدل گئے، یہ اب مہذب انسانوں کا مسکن نظر آتا تھا، جزیرہ لمبوک
کو بوگی قوم نے دعوت پر اٹھایا، زولو کے جزیروں میں اسلام کی اشاعت کا کام
سید علی ناجر نے سرانجام دیا، اس زمین کی وراثت ان کے حصہ میں آئی، اور وہاں کے
سلطان منتخب کئے گئے، سلطان سید علی نے یہاں اسلامی حکومت قائم کی، اور سات
برس تک حکمراں رہے، امام ذاکر جب یہاں آئے تو اُن کا پوتا برسرِ حکومت تھا،

انسان کو بہت کچھ لینے والا بنایا گیا تھا، یہ جسم کے تقاضے پورے کرنے میں
منہمک ہو گیا، سمجھتا ہے کہ اس کی قیمت بڑھ رہی ہے، حالانکہ یہ بے قیمت ہو رہا ہے،
اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انسان کے درمیان انبیاء کو قائم کرکے ایک ایسی محنت
کا طریق سنایا جس نے انسان کو بڑی بڑی کامیابیوں پر پہنچایا، آنحضرت رصلی اللہ علیہ وسلم
کا قیامت تک کے لئے نبی ہونے کا مقصد یہی تھا کہ آپ والی محنت اور طاقت تمام
کائنات، زمانوں میں مادّی طاقتوں پر غالب آتی رہے گی، مادّی طاقتوں کا تعلق مادّہ
سے ہوتا ہے، نبوّت کی طاقت کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے،
اس لئے یہ افضل اور اعلیٰ ہوتی ہے، حضرت عبداللہ یمنی رح ملایا کے جزیروں میں

بوجہ سے چلنا دشوار ہو، اُٹھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں، وہ پیٹھ جو معارف قرآن کی حامل تھی، کوڑوں کی لگاتار ضربیں برداشت کر رہی ہو، آپ سے کہا گیا اِنْ عُرِضَتْ عَلَیْكَ السَّیْفُ تُجِیْبُ، اگر تلوار کے نیچے کھڑا کر دیا جائے تو مان لوگے؟ کہا، لَا وَاللّٰهِ لَا نہیں خدا کی قسم نہیں، تمام پیٹھ زخمی ہو گئی، اور جسم سے خون بہنے لگا اس حالت میں پینے کے لئے پانی دیا گیا تو کہا، میں، روزہ نہیں توڑ سکتا، امام احمد فرماتے ہیں کہ میری کیفیت یہ تھی کہ کپڑوں میں خون بہہ رہا تھا، نماز کا جب وقت آیا تو ابن سماعہ نے امامت کی اور میں نے نماز پڑھی،

مصیبتیں پہاڑ بن کر آئی تھیں، مصیبتوں کے طوفان اُٹھ رہے تھے، دہشت کی چٹانیں راستہ روکے کھڑی تھیں، مامون، معتصم، اور واثق باللہ کی قہرمانی حکومتوں کے اس دور میں حق بےکس و مظلوم ضرور تھا، لیکن معدوم نہ تھا، ضلالت و گمراہی کے کئی سیلاب آئے، لیکن اس چشمۂ صافی کو کوئی چیز مکدّر نہ کر سکی، ہر زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صدائیں بلند ہوتی رہیں،

بغداد کے اس ظلم و تشدد کی داستان جب مکہ پہنچی تو شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانی کو چین نہ آیا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض سرانجام دینے کے لئے مکہ سے بغداد پہنچا، دیکھا تو مصائب کا یہاں سیلاب اُمڈ آیا تھا، تمام بغداد خوف سے کانپ رہا تھا،

شیخ عبدالعزیز کنانی نے اپنے رسالے میں جس کا قلمی نسخہ جامع اموی دمشق

پہنچے تو اسی وقت ہیں سے کچھ ان کے پاس تھا سامانِ شاہی تھا، جبّہ پہنے تھے
عصا ہاتھ میں تھا، سلطنتِ کبریٰ کا سامان اور فرعون کو دیکھ کر محوِ حیرت تھا، اور وہ کہہ رہے
تھے اِذْ اِلْقَوْا الْحَیَّۃَ بِالْمُتَّقِیْن، یعنی متقیوں کے لیے جنت ترتیب دی گئی، انبیاء کو
مادہ کی تسخیر کا عمل دیا گیا، آپ کی انگلی سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے، یہ مادہ کی
تسخیر تھی، اور یہ بتانا مقصود تھا کہ انسان مادہ کے سامنے جھکنے کے لئے نہیں بنا، بلکہ
ساری کائنات اس کے سامنے جھکنے کے لیے بنی ہے، سلاطین کے سواحل سے جاکر
پوچھو کہ تختِ اس درویش کا کیا حال تھا، مادی شکست تو اس کے قدموں میں
تھی، جب وہ اپنی پوشاک پیوند لگا کر بمصداق آیۂ قرآنی سجدہ میں سرشار ہو کر رو رہا تھا،

دور مسلمانوں کی دنیا نبوت کے فیضانِ روحانی سے سیراب ہو رہی تھی
لیکن دمشق کے بازاروں میں امر بالمعروف کے اعلان پر پہرہ تھا، اسلام کی کرنیں
زمین کے تاریک گوشوں کو روشن کر رہی تھیں، لیکن بغداد میں منکرات کے تصرف پر نقیب
تھے، اور اظہارِ حق کی قوت پر دہشت چھائی تھی، مامون الرشید کا استبداد مسئلہ
خلقِ قرآن کی صورت میں ظاہر ہوا تو علمائے حق کی مظلومی دردانگیز بن گئی، مجبور
کیا گیا کہ وہ اس بدعت کو قبول کرلیں، اور اعلان کریں کہ شریعت میں صرف اتنا ہی
نہیں ہے جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتلایا ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت
کچھ ہے، جو کہا جا سکتا ہے، اس عہد کا ایک سلطان العلماء ہے، بغداد سے طرطوس کے
قیدخانہ میں اس حالت میں لایا جا رہا ہے کہ چار چار بیڑیاں پاؤں میں ہیں، جن کے

سب سے بڑا مصرف تھا، اور اس لئے بھی نہیں کہ اس صدا کے ایک بار بلند ہو جانے سے وہ جیل خانے کھل جا سکتے تھے جن کے اندر عشاق حق محبوس تھے، اور وہ زنجیریں ٹوٹ جا سکتی تھیں جو امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوحؒ کے پاؤں میں پڑی تھیں، بلکہ صرف اس لئے کہ جبر و استبداد غیر شرعی سے ایک کلمۂ حق کو کہنا جرم قرار دیا گیا تھا، اور انسان کا ہاتھ بڑھا ہوا تھا کہ خدا کی کھولی ہوئی زبانوں کو بند کر دے، پس اس وقت زمین کے ہر بسنے والے پر جو خدا کو جانتا اور خدا کے رشتہ کو اپنے دل میں رکھتا تھا فرض ہو گیا تھا کہ اس انسانی جبر کو توڑے، اور خدا کی وفاداری کے لئے انسانی اطاعت سے سرکش ہو جائے

اُس وقت برسوں کے کاموں اور صدیوں کے ارادوں کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف ایک ہی مقدس لحہ کی ضرورت تھی جس کے اندر صدائے حق کی ایک نڈر آواز بلند کر دینا ہی اس وقت اصلی کام تھا، اگر شیخ عبدالعزیز کنانی اس کے بعد فوراً ہی قتل کر دیا جاتا جب بھی اس کے کام کی عظمت کامل تھی،

اس سوال و جواب کی ایک ہی صدا نے تمام مسجد کے اندر ایک تہلکہ مچا دیا لوگ حیرت سے دم بخود ہو گئے، اور حیران ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے، بہت سے لوگ بھاگے کہ اب کوئی بڑی ہی مصیبت آنے والی ہے، لیکن شیخ عبدالعزیز بے خوف و ہراس اپنی جگہ پر کھڑے تھے، اور اُن کا لڑکا سامنے کے ستون سے ٹیک لگا کر دوبارہ منتظر سوال تھا، اتنے میں کوتوال شہر سپاہیوں کی ایک جماعت لے کر مسجد میں پہنچ گیا اور شیخ اور ان کے لڑکے کو گرفتار کر کے اپنے صیغہ کے رئیس اعلیٰ کے دفتر میں لے گیا

کے کتب خانہ میں موجود ہے یہ واقعہ لکھا ہے، مولانا ابوالکلام صاحب نے جو اقتباسات

نقل فرمائے ہیں وہ بہت ہی عجیب ہیں،

جمعہ کے دن شیخ جامع صافہ پہنچے، اُن کا چھوٹا لڑکا اُن کے ساتھ تھا، نماز جمعہ

ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ لوگوں نے حیرت و تعجب کے ساتھ ایک عجیب واقعہ دیکھا، ایک

شخص جو اپنی صورت و لباس سے مکہ کا باشندہ معلوم ہوتا ہے پہلی صف میں کھڑا ہو گیا ہے؛

ایک چھوٹا سا بچہ اس کے بالمقابل ایک ستون سے پیٹھ لگائے اس کی طرف نگراں ہے

اور بآواز بلند سوال و جواب ہو رہے ہیں:-

مکّی نے پکار کر پوچھا

"میرے بیٹے قرآن کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟"

بچے نے جواب دیا،

"کلام اللہ منزل، غیر مخلوق"

آہ! یہ چند لفظ تھے جو ایک بچے کی زبان سے نکلے، لیکن فی الحقیقت انہی کے

اندر دعوتِ حق اور امر بالمعروف کی ایک کائناتِ ایمان مخفی تھی، یہ وہ صدا تھی جس کے

لئے اس وقت بغداد کا ایک ایک ذرہ پیاسا تھا، کہ صرف ایک بار اس جملہ کو کہہ دینا

ہی وہ جہادِ اعظم تھا جس کی فضیلت کے آگے ایک ہزار برس کی شب ہائے عبادت

اور روزہائے صیام بھی کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے،

اس لئے نہیں کہ خلقِ قرآن کا مسئلہ دعوتِ حق کی قوتوں کے خرچ کرنے کا

کسی شخص کو اپنی رہائی میں پیش کرو تو تمھیں رہا کر دیا جائے، شیخ نے مسافرت اور شاہی مجرم ہونے کا عذر پیش کیا، آخر عمرو نے کہا، خیر ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں، تم جاؤ، اور اپنے معاملہ پر غور کرو، اگر اب بھی تم اس جنون سے باز آگئے تو امید ہو کہ امیر المومنین تمھاری پہلی جرأت کو معاف کر دیں گے،

شیخ عبد العزیز پیر کے دن قصر شاہی میں حاضر ہوئے تو کوتوال کو اپنا منتظر پایا، وہ عمرو بن مسعدہ کے سامنے لے گیا، عمرو نے دیکھتے ہی کہا، امید ہو کہ اب تمھیں عقل آگئی ہوگی، اور تم اس جنون سے باز آگئے ہوگے، جس کا نتیجہ قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اگر اب بھی اس حماقت سے باز آجاؤ تو معافی پا جاؤ گے، اور میں امید کرتا ہوں کہ شاہی انعام و اکرام اور جاگیر و ریاست سے بھی تم مالا مال کر دیے جاؤ گے، کیونکہ تمھارے اندر شجاعت کا جوہر موجود ہے، لیکن شیخ عبد العزیز کے لئے یہ تمام باتیں بے سود تھیں، انھوں نے کہا، حق مظلوم ہو گیا ہی، میں اُسے پھر قائم کرنا چاہتا ہوں مجھے جب زندگی کی پروا نہیں تو مال و جاگیر کا کیا ذکر کرتے ہو،

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

عمرو جوش تاسف سے کھڑا ہو گیا، اور کہا، افسوس تمھاری غربت پر اور صد افسوس تمھارے بچے کی یتیمی اور تمھاری بیوی کی بیوگی پر، میں تمھیں ہلاکت سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر تم ہلاکت کے عشق میں دیوانے ہو رہے ہو، مگر عمرو نے جب دیکھا کہ سمجھانا بیکار ہو تو صحبت ختم کر دی، اور مامون الرشید کو اس کے آنے اور آمادۂ مناظرہ ہونے کی

(جس کو آج کل کی اصطلاح میں پولیس کمشنر کہنا چاہئے) اس وقت بغداد کا پولیس کمشنر عمرو بن مسعدہ تھا، عمرو ابن مسعدہ نے کوتوال سے کہا کہ اسے پوری نگرانی و حفاظت کے ساتھ پہنچا دو، شیخ جب پولیس کمشنر کے مکان میں داخل ہوئے تو کمشنر پولیس ان سے پہلے ہی مکان پر پہنچ گیا تھا، اور صحن میں ایک آہنی کرسی پر بیٹھا تھا، ایک نہایت ہی مکلف "دطلا" "تتوار" (پولیس کی سرکاری وردی) اس کے جسم پر تھی، شیخ کو اپنے سامنے کھڑا کرکے اس نے تحقیق شروع کی، دوسرے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے شیخ نے کہا کہ میں امیر المومنین کے حضور تک پہنچ کر ان کی موجودگی میں مدعیان خلق قرآن سے مناظرہ کرنے کی تمنا رکھتا ہوں، یہ سنکر عمرو نے اس سلسلہ میں اپنا کامل اطمینان کرکے کہا اچھی بات ہے تم امیر المومنین کے دربار تک پہنچا دیئے جاؤ گے، اس کے بعد اس نے اپنا گھوڑا طلب کیا، اور کوتوال سے کہا، میں آگے چلتا ہوں، تم شیخ اور ان کے لڑکے کو لے کر پیچھے آؤ،

شہر کی تمام خلقت ان عجیب و غریب باپ بیٹوں کو حیرت اور افسوس کی نظروں سے دیکھ رہی تھی، جنھوں نے موت کی تلاش میں بغداد کا سفر کیا تھا، اور اب اس کے منہ میں بے خوف و خطر جا رہے تھے،

قصر شاہی بغداد کے شرقی حصے میں تھا، یہ لوگ دجلہ کو عبور کرکے ایوان خلافت تک پہنچے، اور عمرو ابن مسعدہ شیخ کو کوتوال کی حفاظت میں چھوڑ کر خود اندر گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد واپس آکر کہا، میں نے تمھارا حال اور خیال امیر المومنین کی خدمت میں عرض کر دیا، امیر المومنین نے اسے منظور فرمایا، پیر کے دن مجلس مناظرہ منعقد ہوگی، اگر چہ تک

کسی شخص کو اپنی رہائی میں پیش کرو تو تمھیں رہا کر دیا جائے، شیخ نے مسافرت اور شاہی مجرم ہونے کا عذر پیش کیا، آخر عمرو نے کہا، خیر ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں، تم جاؤ، اور اپنے معاملہ پر غور کرو، اگر اب بھی تم اس جنون سے باز آگئے تو امید ہے کہ امیر المومنین تمھاری پہلی جرأت کو معاف کر دیں گے،

شیخ عبدالعزیز پیر کے دن قصر شاہی میں حاضر ہوئے تو کوتوال کو اپنا منتظر پایا، وہ عمرو بن مسعدہ کے سامنے لے گیا، عمرو نے دیکھتے ہی کہا، امید ہے کہ اب تمھیں عقل آگئی ہو گی، اور تم اس جنون سے باز آگئے ہو گے، جس کا نتیجہ قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اگر اب بھی اس حماقت سے باز آجاؤ تو معافی پا جاؤ گے، اور میں امید کرتا ہوں کہ شاہی انعام و اکرام اور جاگیر و ریاست سے بھی تم مالا مال کر دیے جاؤ گے، کیوں کہ تمھارے اندر شجاعت کا جوہر موجود ہے، لیکن شیخ عبدالعزیز کے لئے یہ تمام باتیں بے سود تھیں، انھوں نے کہا، حق مظلوم ہو گیا ہے، میں اُسے پھر قائم کرنا چاہتا ہوں مجھے جب زندگی کی پروا نہیں تو مال و جاگیر کا کیا ذکر کرتے ہو،

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ   کہ عنقا را بلند است آشیانہ

عمرو جوش تاسف سے کھڑا ہو گیا، اور کہا، افسوس تمھاری غربت پر اور صد افسوس تمھارے بچے کی یتیمی اور تمھاری بیوی کی بیوگی پر، میں تمھیں ہلاکت سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر تم ہلاکت کے عشق میں دیوانے ہو رہے ہو، مگر عمرو نے جب دیکھا کہ سمجھانا بیکار ہے تو صحبت ختم کر دی، اور مامون الرشید کو اس کے آنے اور آمادۂ مناظرہ ہونیکی

جسے آج کل کی اصطلاح میں پولیس کمشنر کہنا چاہئے۔ اس وقت بغداد کا پولیس کمشنر عمرو بن مسعدہ تھا۔ عمرو ابن مسعدہ نے کوتوال سے کہا کہ اسے پوری نگرانی و حفاظت کے ساتھ بھیج دو۔ شیخ جب پولیس کمشنر کے مکان میں داخل ہوئے تو کمشنر پولیس ان سے پہلے ہی مکان پر پہنچ گیا تھا، اور صحن میں ایک آہنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ایک نہایت ہی مکلف و طلائی "قبا" پولیس کی سرکاری وردی اس کے جسم پر تھی۔ شیخ کو اپنے سامنے کھڑا کر کے اس نے تحقیق شروع کی۔ دوسرے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے شیخ نے کہا کہ میں امیر المومنین کے حضور تک پہنچ کر ان کی موجودگی میں مدعیان حقیقت آپ سے مناظرہ کرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ کمشنر عمرو نے اس سلسلہ میں اپنا کامل اطمینان کر کے کہا بہت درست ہے، تم امیر المومنین کے دربار تک پہنچا دیئے جاؤ گے۔ اس کے بعد اس نے پانچ گھوڑے طلب کیے، اور کوتوال سے کہا: میں آگے چلتا ہوں، تم شیخ دونوں کے گھوڑے کو لے کر پیچھے آؤ۔

شہر کی تمام خلقت ان عجیب و غریب باپ بیٹوں کو حیرت و افسوس کی نظروں سے دیکھ رہی تھی، جنہوں نے موت کی تلاش میں بغداد کا سفر کیا تھا، اور اب اس کے منہ میں بے خوف و خطر جا رہے تھے۔

قصر شاہی بغداد کے شرقی حصے میں تھا۔ یہ لوگ دجلہ کو عبور کر کے ایوان خلافت تک پہنچے، اور عمرو ابن مسعدہ شیخ کو کوتوال کی حفاظت میں چھوڑ کر خود اندر گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد واپس آکر کہا، میں نے تمہارا حال اور خیال امیر المومنین کی خدمت میں عرض کر دیا، امیر المومنین نے اسے منظور فرمایا، پیر کے دن مجلس مناظرہ منعقد ہوگی۔ اگر پیر تک

کا مقدس جاہ و جلال اور پُر ہیبت و وقار چہرے بجائے خود ایک ایسی عظمت رکھتے تھے جو مصنوعی تکلفات و آرائش کے ساز و سامان سے بے نیاز تھی، اسی جلوس میں سب سے پہلے بشر مریسی کی سواری تھی، جو اس وقت فرقۂ معتزلہ کا سب سے بڑا رئیس تھا اس کے بعد دارالخلافت کا قاضی القضاۃ اپنے جاہ و حشم دریاست کے ساتھ جلوہ آرا تھا پھر تمام قضاۃ و ارباب افتار کی جماعت تھی، اُن کے بعد متکلمین و فقہا، اور ارباب درس و علوم کا سلسلہ، لیکن ان سب میں زیادہ نمایاں حصہ فرقۂ معتزلہ کے علمار کا تھا، اور جو علما معتزلہ میں سے نہ تھے، وہ بھی مسئلۂ خلق قرآن میں سرکاری حکم کے آگے سر اطاعت جھکا چکے تھے، اس نظارہ کی تقدیس کے بعد وزرار و ارکانِ سلطنت کا پُر عظمت نظارہ تھا، اُن کے عمامے بھی سیاہ تھے، مگر طلائی تسموں کی جگہ عماموں کے بالائی پیچ پر ایک مطلا حاشیہ لگا تھا، اور وہ اس احتیاط سے لپیٹا گیا تھا کہ عمامہ کا نصف زیریں نظر طراز شعاعیں کا ایک سنہری دائرہ بن گیا تھا، اُن کے گھوڑوں کے ساز و یراق بھی مطلا تھے، اور سنہری وردیوں سے ملبوس غلاموں کا شاندار حلقہ ہر سوار کے گرد و پیش جلوہ فروش عظمت و اجلال تھا، اعیانِ حکومت کے بعد افسرانِ فوج کی سب سے زیادہ مؤثر اور ہولناک ہیبت تھی، جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ محلِ شاہی کی طرف آ رہے تھے اور ان کی برہنہ تلواریں، رو بہ آسمان نیزے، اور طرح طرح کے اسلحۂ جنگ ایک آہنی سمندر کی طرح متلاطم نظر آتے تھے،

شیخ عبدالعزیز اس فوجی نظارۂ دہشت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مسلح

اطلاع دی، اور شیخ کو ایک ایسی جگہ بٹھا دیا جہاں سے وہ تمام آنے والے لوگوں کو دیکھ سکے
اور کہا کہ اجتماع کی تکمیل کے بعد تم حضرت شاہی میں طلب کئے جاؤ گے،

مامون الرشید نے مناظرہ کی تیاری کے لئے غیر معمولی احکام جاری کر دیئے تھے
اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ ایک عجیب و غریب مناظرہ تھا، تمام امراء و روسا، علماء و
فقہاء، ارکان و افسران فوجی و ملکی اپنے ساز و سامان و جاہ و جلال کے ساتھ اس میں
شریک ہونے کے لئے نکلے،

عبدالعزیز کنانی نے ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ شان سطوت و ہیبت کے
بڑے بڑے مناظر یکے بعد دیگرے اُن کے سامنے سے گذر رہے ہیں، سب سے پہلے امرائے بنی اعمام
کا گروہ نمودار ہوا جس کے سیاہ عماموں کے طلائی شملے ہوا میں اُڑ رہے تھے، اور
آفتاب کی روشنی میں اُن کا سنہری رنگ اس طرح درخشندہ تھا کہ نگاہیں زیادہ دیر
تک نظارہ کی تاب نہیں لا سکتی تھیں، اُن کی عبائیں بھی سیاہ تھیں، جن کو خلفائے
عباسیہ نے اپنا قومی لباس قرار دیا تھا، اور عباؤں کی سیاہی کے اندر سنہری حاشیے
دیراق اور طلائی قبضہ و میان شمشیر کی متحرک چمک اس طرح نظر آتی تھی گویا ابر آلود آسمان
پر بجلیوں کی مضطرب لہریں کوند رہی ہیں،

اس کے بعد علماء و فضلاء دارالخلافت کا مقدس جلوس تھا، جن کے لباس اور
ساز و سامان میں اگرچہ سونے چاندی کے تکلفات نہ تھے، اور ہر چیز سے سادگی اور بے تکلفی
نمایاں تھی، تاہم اُن کا عظیم الشان گروہ، غلاموں کے حلقے، خدام کا جاہ و حشم مذہبی زندگی

جب تمام ارکان و شرکاء مجلس مناظرہ پر آچکے تو شیخ عبدالعزیز کی بھی طلبی ہوئی، ایک کے بعد ایک متعدد دہلیزیں تھیں جن سے شیخ کو گذرنا پڑا، سلطانی دہلیزوں کے مرحلے کے بعد ایوانہائے خلافت کا ایک سلسلہ شروع ہوا جن میں سے ہر ایوان ایک پوری شہنشاہی کے ساز و سامان شوکت و ابہت سے معمور تھا، اور ہر ایوان کے خاتمہ پر اس کا پہلا رہنما رخصت ہو جاتا، اور نیا ہاتھ لینے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا تھا،

یہاں تک کہ "صاحب الستر" یعنی رئیس حجاب کا ایوان خاص آگیا، یعنی شاہی ملاقات حضور کا متوسط وسیلہ اس کو "حاجب" بھی کہتے تھے، اور یہ قصر شاہی کا آخری بُرزخ ہوتا تھا، جس کے بعد "خلیفہ" کے حضور میں کوئی شخص پہنچ سکتا تھا،

حاجب صحن دربار تک لے گیا، صحن کے دونوں جانب کروں کا ایک سلسلہ تھا جس میں مخصوص وزراء و ندماء اذنِ حضور تک ٹھہرتے، اور انتظار کرتے تھے، یہاں پہنچ کر شیخ سے حاجب نے پوچھا، آپ کو وضو کی تجدید کی ضرورت ہے، شیخ نے کہا، نہیں، حاجب نے کہا تو قبل اس کے کہ آپ امیر المومنین کے حضور میں پہنچیں، دو رکعت نماز نفل پڑھ لیجیے، شیخ نے نماز پڑھی، اور جب نماز پڑھی تو یہ کہنا غیر ضروری ہو کہ کس عالم میں پڑھی اور اپنے اُس خداوند قدوس کے حضور میں کیونکر کھڑے ہوئے جس کے کلمۂ حق کے لئے عنقریب ایک انسانی شہنشاہی کے حضور میں جانے والے تھے ؎

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

فوج کی نمائش اس لئے کی گئی تاکہ میرے دل پر وحشت و ہیبت طاری ہو جائے نیز اس خیال سے کہ میں نے حکم سلطانی کو ٹھکرا کر اگر عام رعایا کے اندر کوئی مفسدانہ جوش پیدا کر دیا تو وہ بھی اس فوجی نمائش سے مرعوب ہو کر دب جائے، لیکن افسوس کہ وہ انسانی جاہ و جلال کے جھوٹے دکھاوا ایک ایسے شخص کی آنکھوں میں ڈر اور ہیبت پیدا کرنا چاہتے تھے جس کی نگاہوں کے سامنے رب السموات والارض کا لازوال جاہ و جلال تھا۔

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

اللہ اللہ! ایک مسافر غریب الوطن اجنبی کی صرف ایک ہی صدائے حق نے مامون الرشید کی اس حکومت کو جو قیصر قسطنطنیہ کو "روم کا کتا" کہہ کر خطاب کرتی تھی، اور کتے کی طرح عاجزی کی زمین پر لٹا دینے کی طاقت بھی رکھتی تھی، کس طرح لرزا دیا تھا، ایک تنہا مسافر جس کو بغداد میں آئے چو تھا دن تھا، ایک اجنبی شخص جس کے جسم پر مسکین کے لباس اور غربت کی نقش نمائی کے سوا اور کچھ نہ تھا، مگر ہاں اس کے پاس ایک ایسی طاقت تھی جس کی فرماں روائی و سطوت کے آگے مامون الرشید کی پوری سلطنت بھی ہیچ تھی، اور جس کے جاہ و جلال کے آگے اس کی وہ سطوت و ابہت بھی کچھ نہ تھی جس سے "شاہ فرانس" ڈرتا تھا،

یہ طاقت نہ تو تخت شاہی کے اوپر پیدا ہوتی ہے، اور نہ قیاصرہ کے قصروں میں، اس کا گھر انسان کا ٹوٹا ہوا دل ہے، اور اس کا محل ایمان باللہ کی زخمی روح!

صاحب السیر برابر بتدریج ان کو آگے بڑھاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ اُن کی جگہ آگئی، اور یہ اپنا مقام پاکر بیٹھ گئے، اب تک اُن کے دل میں ہیبت و رعب کے اثرات باقی تھے،

اتنے میں مامون الرشید شیخ کی طرف متوجہ ہوا، اور شیخ کا نام، خاندان ابویت جدیت قبیلہ، محلہ، وطن، مکہ معظمہ میں بنو ہاشم کے حالات اور اس قسم کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں، اس کے بعد کہا "تمھارا بغداد میں آنا اور جامع رصافہ میں کھڑے ہو کر میرے ایک حکم دینی و شرعی کو توڑنا اور خدا کی صفات میں دوسری چیزوں کو شریک کرنا"

مامون کے جملے ابھی پورے ختم بھی نہیں ہوتے تھے کہ شیخ کی آواز بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک کی طرح ایوانِ دربار میں گونج اٹھی

یاامیرالمومنین! آپ تم ہوا کا جھونکا ہو جس سے شریعت کی آگ تو نہ روشن ہو سکی، مگر اس نے سنت کے چراغوں کو گل کر دیا، تم سیلابِ خلافت کی وہ رو ہو جو بدعات و محدثات کی خس و خاشاک کو تو نہ بہا سکی، مگر اس نے حق پرستی کے تناور درختوں کو گرا دیا، تم امارت و سیادت کی وہ تلوار ہو جو بطلان و ناحق کوشی کی فوجوں کو تو نہ قتل کر سکی پر اس نے ارباب حق کے سروں کو اپنی برش و روانی کا تختۂ مشق بنایا، اب تک تمھارا منصب رسول کی جانشینی کا رہا تھا، مگر اے مامون ابن ہارون! تو اب رسول کی جانشینی ہی کا نہیں بلکہ حقِ رسالت کا مدعی ہو گیا ہے، خدا کے رسول نے دشمنوں کو اماں دی، مگر تیری خلافت میں مسلمانوں کے لئے اماں نہیں ہے،

اے مامون اللہ سے ڈر! اس کے عذاب کی پکڑ سے کانپ، جس میں بہت ڈھیل ہے، مگر جس سے کبھی چھٹکارا نہیں، تم سے پہلے دمشق کے ائمۂ جور نے مسلمانوں کا خون مباح کیا مگر

اب پردہ اٹھا، اور شیخ نے یکایک دیکھا کہ کرۂ ارض کے موجودہ عہد کا سب سے بڑا انسان (شہنشاہ مامون اعظم) اس کے سامنے ہے، یہ نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا آفتاب نصف النہار تھا جو یکایک ابر کے نقاب سے باہر نکل آیا،

تمام خدام و متعلقین دربار کو چونکہ شیخ کے متعلق معلوم تھا کہ یہ شاہی مجرم ہے، اس لئے انھوں نے چاہا کہ مامون کے حضور میں جس قدر سختی اور بے احترامی اس کے ساتھ کر سکتے ہیں کریں چنانچہ اس موقع کے متعلق شیخ خود لکھتے ہیں،

"پردہ اٹھا، اور خدام بارگاہ نے میرے بازوؤں کو پکڑ لیا، وہ اس طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے کہ ان کا ایک ہاتھ میرے سینہ پر تھا، اور ایک ہاتھ کاندھے پر، انھوں نے اسی طرح مجھے اندر لیجانا چاہا، مگر اسی وقت مامون الرشید کی نگاہیں مجھ پر پڑیں، اور میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ چھوڑ دو جسکم شاہی پاتے ہی خدام و حجاب نے مجھے چھوڑ دیا لیکن دربار شاہی کے اچانک نظارے نے میرے ہوش و حواس پر نہایت اثر ڈالا، اور قریب ہوا کہ شدت ہراس اور ہیبت نظارہ سے میری عقل متغیر ہو جائے"

وہ لکھتے ہیں کہ مامون الرشید کی آواز برابر میرے کانوں میں آرہی تھی اُدْخُلُوْهُ دَعَنّى بِشُوْه، چنانچہ وہ بلا تامل آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ خلیفہ کو اپنے سامنے دیکھا، اور بغیر کسی عجز و اضطراب کے باواز بلند کہا، السلام علیک یا امیر المومنین: مامون نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

فرمایا، یہ حکایتیں ان عہدوں کی تھیں جو موجودہ زمانہ کے مقابلہ میں گویا عہد اقبال تھے، موجودہ وقت اور اس کی تاریکیوں کو دیکھو اور پھر ہر طرف روشنی اور روشنی دکھلانے والوں کی نایابی پر ماتم کرو، خدمت گذاروں کی پکار اور ہر طرف مزدوروں کی ڈھونڈ ہے، مگر مزدور کہیں نہیں ملتے، آج ایک مٹی کے ٹکرے اور گری ہوئی دیوار پر ایک اینٹ رکھ دینے کے معاوضہ میں اشرفیوں اور ہیروں کی قیمت مل رہی ہے، کیونکہ کام کرنے والے جتنے کم ہوں گے اتنی ہی کام کی مزدوری بھی بڑھ جائے گی، خزانہ سعادت لٹنے کے لئے کھل چکا ہے اور شرف و مراتب کا دروازہ ہر رہرو کے لئے باز، کون ہے جو اس کے خزانوں کو لوٹتا ہے اور اس دولت و کامرانی سے مالا مال ہوتا ہے، جس کے لئے نہیں معلوم اچھے دنوں میں کیسے کیسے ارباب طلب بیقراروں کے آنسو بہا چکے ہیں اور آرزوؤں سے بھری ہوئی دعائیں مانگ چکے ہیں۔

تمہارے ہاتھوں ان کا خون بھی مباح کیا گیا، تم ان کے تخت کے وارث ہوئے مگر ان کے جور و طغیان کی وراثت نہ لو۔

جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا شیخ کا جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا، سارے دربار پر خود اس کی ہیبت طاری تھی، گو بغداد کے تخت پر مامون کی جگہ اس کو بٹھا دیا گیا تھا، اور ایوان دربار کے اندر اور باہر جو کچھ تھا وہ مامون اعظم کے لئے نہیں بلکہ عبدالعزیز ابن یحییٰ الکنانی کے لئے تھا۔

تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا۔

"اے امیرالمومنین! گمراہوں اور بدعتیوں کا یہ تمام گروہ جو تیرے گرد جمع ہو گیا ہے اور تجھ کو صراط مستقیم سے بھٹکا رہا ہے کیا تیری نظر میں ان کی دلیلوں کی اس سے زیادہ وقعت ہے جو رسول اللہ والی کے اصحاب کو خدا نے دی ہے، اگر توحید اور عدل یہی ہے اور خدا کی تمام صفتوں سے انکار کئے بغیر کوئی مومن نہیں ہو سکتا تو کیا وہ سب کے سب مومن نہ تھے؟"

شیخ کہتے ہیں مامون اس طرح ٹکٹکی لگائے میری جانب نگراں تھا گویا پتھر ہے جس میں جنبش و ارادہ ہے اور نہ روح، اثنائے تقریر میں کئی بار میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں تر ہو گئی تھیں اور قریب تھا کہ ان سے آنسو بہہ نکلیں، یہ حال دیکھ کر تمام اہل دربار متحیر تھے، اور جبکہ وہ مامون سے حکم قتال کے منتظر تھے تو انہوں نے دیکھا کہ شدت تاثر و محویت سے وہ خود ہی بے حال ہو رہا ہے۔

متأخرین

(رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

(علاوہ ان موجودین کے) بعد میں آنے والوں کے لئے بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے،

وَجه۔ اَمَّا اَقَامُوا الدِّیْنَ "عرب اور قریش جب تک دین قائم رکھیں گے خلافت و حکومت
اُن کے قبضہ میں رہے گی، جو اُن کی مخالفت کرے گا رسوا ہو گا"

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان بھی صحیح ثابت ہوا، دینی اعتقاد و عمل کی
رُوح جب تک باقی رہی یہ وراثتِ ارضی کے مالک رہے، سرزمین مقدس میں مسیحی
جہاد (کروسیڈ) کی اُن آٹھ لڑائیوں کو کامیاب نہ ہونے دیا، جس میں تمام یورپ کی طاقت
اکھٹی ہو گئی تھی، حالانکہ یہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل قوت کے عروج کا نہ تھا، بلکہ تنزل و
انحطاط کا تھا،

عجمی اثرات نے جب عربی خلافت کو کتاب و سنت کے صراطِ مستقیم صحابہ کرامؓ
کے اسوۂ حسنہ سے انحراف کی راہ دکھلائی تو امر بالمعروف کے لئے یہ ایک عہد تاریک تھا،
علمائے حق محبوس تھے، اور جو باقی رہ گئے تھے وہ بادشاہ کے تقرب و حصولِ عز و جاہ
کی جستجو میں تھے، علم دین یا تو اعلانِ حق و دفعِ باطل کے لئے تھا، یا نفس پرست امراء
و سلاطین کے درباروں میں علماء و فقہاء پہلی صفوں میں نظر آنے لگے،

ارشاد و ہدایت کے سرچشمے خشک ہو گئے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے
منبع کی روانی ٹھہر گئی، وہ عمل اُٹھ گیا جو سارے عملوں اور نیکیوں سے اس دنیا میں ایک
مسلمان کر سکتا ہے افضل تھا، یہی عمل دین کی بنیاد تھا جس سے شریعت زندہ تھی، یہی
عمل اللہ کو بہت محبوب تھا، اور اس کے کرنے والے مقامِ محبوبیت سے سرفراز
ہوتے تھے، اسی عمل سے ایک دن اللہ کی راہ میں نکلنے والے کو سو برس کے روزوں

إِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ "جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے" وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ "اور ان کے بعد تمہیں اس سرزمین میں جگہ دی یہ اس کے لئے ہے جو ہمارے حکومت ومقام سے ڈرا۔" نیز پاداش عمل کی تنبیہ:

حضرت زینب بنت جحش فرماتی ہیں: اِسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب سو کر اٹھے تو ان کا چہرہ مبارک کسی شدید بات کے اثر سے سرخ تھا، اور فرما رہے تھے لا الٰہ الا اللہ اس شر سے جو قریب آگیا عرب کے لئے افسوس! پھر انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتایا کہ آج آنے والے فتنہ کی راہ اس قدر کھل گئی۔ کونسی آنے والی مصیبت تھی جس کی طرف صادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے اشارہ فرمادیا تھا۔ حقیقت اب بھی منکشف نہیں کہ زندگی کے سارے برگ وبار میں فساد عجمیت سے رونما ہوا، ساری اعتقادی وعملی گمراہی اس دروازہ سے آئی۔ آج بھی اس فتنہ عالم آشوب سے کوئی شے ہے جو محفوظ ہو۔ فرمایا لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللهُ عَلَى

پے در پے فتنے آئیں گے، ہر فتنہ دوسرے سے زیادہ سخت ہوگا، پھر اس کے بعد وہ فتنہ آئے گا جس کا قہر دیکھ کر لوگ پچھلے تمام فتنے بھول جائیں گے، (رواہ مسلم) فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ عرب اور قریش وہ بات بھول گئے تھے جو انھیں سمجھائی گئی تھی، اُن کا وجود اب نفع بخش نہ رہا تھا، قانون یہ ہو کہ غیر نافع جماعت کو باقی نہیں رکھا جاتا، اس کی جگہ ایک نئی قوم کی تخلیق ہوتی ہے، اُسے چھانٹ دیا جاتا ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ، (وہ اگر چاہے تو تم سب کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدائش نمودار کر دے) کا قانون حرکت میں آتا ہے، مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ کا اعلان کیا صادق اعلان تھا کہ زمین کے مرتفع خطوں سے تاتار کے وحشی لشکر اسلامی آبادیوں پر اس طرح آن گرے جس طرح بلندی سے پہاڑ گرتا ہے، اُن کی سبک رفتاری کا یہ حال تھا کہ ایک شہر کی تباہی کی خبر دوسرے شہر تک پہنچنے نہیں پاتی تھی کہ وہ اس کے دروازوں پر جا کر دستک دیتے تھے، کامل ابن اثیر نے لکھا ہو کہ:-

"ایسا کون شخص ہوگا جو اس حادثۂ عظیم کو جو اسلام اور مسلمانوں کی موت کی خبر کے متعلق ہے، بیان کرنا آسان ہو، کاش! میری ماں مجھ کو نہ جنتی، اور میں اُس سے پہلے ہی مرجاتا، یہ ایسی سخت مصیبت تھی جس کی نظیر لیل و نہار نہیں لا سکتے"

اے خلافتِ عرب! تجھ پر کیا گذری جب اُو کتائی کے وحشی لشکروں نے تجھے آکر پامال کیا، اے گہوارۂ اسلام کہلانے والی سرزمین! کیا یہ سچ ہے کہ تیرا کوئی گوشہ

اور راتوں کے قیام کے ثواب کی بشارت ملی تھی، اور جو ماہ رمضان میں نکلا وہ دو ہزار برس کے، روزوں اور راتوں کے قیام کے ثواب کا مستحق تھا، اور ایک نماز میں پانچ سو نمازوں کے اجر کا حقدار، عمر بھر کی مسافرت اس راہ کی ایک ساعت کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی، یہ عمل تو ایمان کی پہچان کا عمل تھا، آج دل اس کی طلب سے خالی تھے، فرمایا جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا، کہ اس کا دل جہاد فی سبیل اللہ سے خالی تھا، اس کی موت ایسی حالت میں ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے،

ابوداؤد میں ہے،

إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ عَنْكُمْ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ،

جب تم بیع عینہ (یعنی ناجائز تجارت) کرو گے بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتیوں پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تم کو بے عزت کر دیگا اور اس ذلت سے اُس وقت تک نہیں نکالیگا جب تک تم دین کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے،

کیا جامع مفہوم ہے، غور کرو، جب ظلم و طغیان کے لئے اجر و بخشش کے دروازے کھل جائیں، جب معصیت معصیت نہ رہے، گناہوں کا ارتکاب اعلانیہ ہونے لگے، طاعات میں ضعف اور سیآت کی طلب جب عام دیکھو تو یقین کر و کہ آخری عہد والی مصیبتوں کی جو خبر دی گئی تھی، اُن کا وقت آگیا، فرمایا، ایسے وقتوں میں ایک فتنہ کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا، جو پچھلے فتنہ کی یاد بھلا دے گا، مومن پکار اٹھے گا کہ فتنہ تو یہ ہے،

آئی، اوگتائی خان سلطنت کے مشرقی حصہ کا حکمران کہلایا، چغتائی خان بلاد متوسط کا مالک ہوا، جوجی خاں کا فرزند باتو خاں سیرا اُردا کا خان کہلایا، قوبلائی خاں کے حصہ میں ایران کا ملک آیا، اس کی اولاد میں ہلاکو خاں پیدا ہوا، جو دولت ایلخانیہ کا بانی تھا، اور سارا ایشیائے کوچک اس نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا،

تاتاریوں کا مذہب شامانی تھا، ایک خدا کو تسلیم تو کیا جاتا تھا، مگر اس کی عبادت نہ ہوتی تھی، یہ چھوٹے چھوٹے خداؤں اور معبودوں کو پوجتے تھے، اور بزرگوں کی روحوں کو نفع و ضرر کا موجب سمجھتے تھے،

اسلام کے ساتھ اُن کا عناد نفرت کی حد تک پہنچ گیا تھا، چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ جانوروں کو شرع کے مطابق ذبح کرتے ہیں اُن کو قتل کر دیا جائے، یہی حکم قوبلائی خاں نے جاری کیا تھا،

گیوک خاقان (۴۸-۱۲۴۶ء) کے عہد میں عیسائی وزارت کے عہدوں پر تعینات تھے، لیکن مسلمان ہر قسم کی مراعات سے محروم تھے، ارغون خاں نے (۹۱-۱۲۸۴ء) جو چوتھا ایلخان تھا، مسلمانوں کو سخت ایذائیں دیں، تمام محکموں میں جس قدر آسامیاں مسلمانوں کے پاس تھیں سب خالی کرا لیں، اور ان کا دربار میں آنا بند کر دیا،

مرکزیت تو فنا ہو چکی تھی، نہ مطاع تھا نہ مطیع، نہ امیر تھا نہ کوئی رہبر، دین مہجور ہو گیا تھا، شریعت کا کوئی نگہبان نہ تھا، کیا انتشار آیا تھا کہ ایک ایک چیز کا شیرازہ منتشر ہو گیا تھا، عجمی فلسفہ اور علم کلام نے نئی نئی توجیہات کے دروازے کھول دیے تھے،

تباہی سے نہ بچ سکا، اے قلعۂ بغداد! تیری وہ خاک کیا ہوئی جس پر تجھے غرور تھا، اے بنو عباس! تیرے اُن قصر و ایوان اور عالی شان شہروں کی رفعت کیا ہوئی جو خوشنما باغوں اور سرسبز و شاداب زمینوں پر کھڑے تھے، اے بخارا و سمرقند! کچھ یاد ہے جب تیرے مکینوں کے نعشوں کے تاتاریوں نے پُل بنائے تھے، اور کتنے ایسے تھے جو غلام بنا کر لے جائے جا رہے تھے، اے ہرات و بلخ کی تاریخ کچھ تو بتا کہ تیری پُر فضا آبادیوں پر کیا مصیبت آئی کہ خاک کا ڈھیر ہو گئیں، ماضی میں تبدیلیوں کا سُراغ پانے والے مستقبل سے کیوں بے خبر ہو گئے!

عیش و راحت کے سامانوں میں جب تعمیل امر بالمعروف کا عمل ناپید ہونے لگتا ہے تو صاحب ایمان بجا ہیں دیکھ لیتی ہیں کہ افقِ عالم پر کوئی طوفان چھا گیا، آثار بتلاتے ہیں کہ زمین کروٹ لے گی، قرائن ظاہر کرتے ہیں کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے کل اس کا نتیجہ ظاہر ہو گا،

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کے آغاز کا زمانہ کتنا انقلاب انگیز تھا، پچاس لاکھ مسلمانوں کا خون بہہ چکا تھا، نعشوں کے پُل اور انسانی سروں کے مینار کھڑے دکھائی دیتے تھے، ان کی ہیبت نے مسلمانوں کو سراسیمہ کر دیا تھا، اسلامی تہذیب کا چراغ بُجھ رہا تھا، اور ان کے تمدن پر وہ اپنی نئی سلطنت کی بنیاد رکھ رہے تھے،

چنگیز خاں کی موت کے بعد مغلوں کی سلطنت اُس کے چار بیٹوں کے حصہ میں

غوغا آرائی ماند پڑگئی، کیا حقیقت افروز تعلیم تھی، فرمارہے تھے:-

"دنیا میں متکلمین اور فلاسفہ سے بڑھ کر محروم و مضطرب، اطمینان سب
سرور روح کی لذت سے یک قلم ناآشنا اور کوئی گروہ نہیں ہوا، اُنکے
شکوں کو مٹا دینے والا، اور ساری بے چینیوں سے نجات دلا دینے والا
وہی طریق تھا جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب و
اتباع نے دنیا کے آگے پیش کیا، اور شک وظن کی ظلمت کی جگہ علوم
سماویہ دہبویہ کی یقینیات کا دروازہ نوعِ انسانی پر کھل گیا، جس کے
علم و عمل کے نمونے سلفِ صالحین نے امّت کو دکھائے"

فلاسفہ ہر نئے مرحلہ پر ایک نئی منزل کی تلاش میں نکلتا ہے، ایک نئی گم گشتگی کا نشانہ بنتا ہے، جس تقیوری پر رکتا ہے وہ یقین کی جگہ ایک نئے شک کی دعوت نکلتی ہے، جواب کی جگہ وہ ایک نیا سوال ہوتی ہے، اس سے دریافت کرو، کیا تمھارے پاس کامل بصیرت ہے؟ یقین ہے یہ کہے گا، میرے پاس تو شک ہی جو آتا ہے میں اُسے شک سے معمور کر دیتا ہوں،

جو لوگ علوم جدیدہ کی پکار سنکر اُدھر جارہے ہیں اُنھیں غور کرنا چاہئے کہ ان علوم کے حاملین نے کیا کامیابی حاصل کی ہے، دفع شبہات کی سعی میں خود اُن کا وجود تشکیک کا نشانہ نہیں بنا؟ اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ کہتے ہوئے رخصت نہیں ہوئے کہ علوم عقلیہ میں علم و نظر کے تمام تیر بیکار ثابت ہوئے، اور آخر

ملت اسلامیہ پر جس قدر نازک دور آئے تھے یہ دور سب سے زیادہ سخت تھا، کائنات ارضی کسی رہنما کے لئے بے قرار تھی، کہ ساتویں صدی میں ایک آفتاب طلوع ہوا جس کی گرمیٔ کیفیت، دلوں سے چھن چھن کر اس طرح نکلیں کہ تمام جادہ و دشت و صحرا روشن ہوگئے، ایک ہستی عارفانہ دعوت کی قوت کے ساتھ اس طرح اٹھی کہ قوموں کی ہیئت اور مزاج بدل گیا۔

انبیاء والی محنتوں کے میدان پھر قائم ہوئے، فضا میں خوشگوار ارتعاش آیا، دہشت کا طوفان تھم گیا، فساد کی آندھی ختم ہوگئی، ظلمت کے سیلاب رک گئے، نفرت کی پیشانی نے سر جھکایا، ایمان کی قوت بیدار ہوئی، اور بڑی بڑی طاقتیں جو ہماری گردنوں نے اپنے پاؤں تلے روندا تھا آج آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کر رہی تھیں۔

حضرت امام ابن تیمیہؒ کے حصہ میں نیابت کا وہ مقام آیا تھا کہ ان پر قوموں اور ملکوں کے اسرار کھول دیئے گئے تھے، یہ مقام ان خاص نفوس کے حصہ میں آتا ہے جو اتباع اخلاق و صفات نبوت کے درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں، یہ وقت کی ذہنی و روحانی بیماریوں کو پہچان لیتے ہیں، اور ان کی استعداد کے مطابق علاج کرتے ہیں، احیاء السنۃ کا جب آپ کی ذات مبارک میں ظہور ہوا، تو اس عہد کی دعوت و تجدید کی مرکزیت آپ کے حصہ میں آئی۔

علوم قرآن و سنت متروک تھے، علم کلام جدید کا شور بپا تھا، شبہات کے ہجوم میں امام ابن تیمیہؒ کی آواز جب قوت و نفوذ کے ساتھ بلند ہوئی تو تمام صداؤں کی

تربیت یافتگان تمام ممالک و بلدان میں احیائے دین کے لئے مصروف تھے، روح کا تعلق صفات الٰہیہ سے جڑا تو اسلام اپنی شان و شوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا مغل اور تاتاری یا تو اسلام کے بدترین دشمن تھے، یا اسلام کی خدمت کا کام ان سے لیا جا رہا تھا،

ادگتائی خان (۱۲۲۹-۱۲۴۱ء) کے عہد میں کرگز حاکم ایران نے جو بدھ مذہب کا پیرو تھا اسلام قبول کر لیا، المغازی نے مغلوں کے پہلے بادشاہ برکہ خان، خان آف سیہ اوردا (۱۲۵۶-۱۲۶۵ء) کے اسلام لانے کا واقعہ لکھا ہے کہ بخارا سے ایک کارواں یہاں آیا جس میں دو مسلمان تاجر تھے، برکہ خان نے ان سے ملاقات کی، اور اسلام کی حقانیت کا اس کے دل پر گہرا اثر ہوا، اور اس نے اسلام قبول کر لیا، برکہ خان کی تبلیغ سے اس کا چھوٹا بھائی مسلمان ہوا، برکہ خان اور سلطان مصر رکن الدین میں رابطۂ اتحاد قائم ہوا تو ہلاکو خان نے عیسائی فرماں رواؤں سینٹ لوئی بادشاہ فرانس، چارلس بادشاہ صقلیہ، جیمس بادشاہ اراعون کو اپنے ساتھ ملایا، لیکن اس کا بھائی تکودراجب جانشین ہوا تو اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا، تاریخ وصاف کا مورخ لکھتا ہے کہ تکودرا کا نام سلطان احمد تھا، یہی وہ پہلا دولت ایلخانیہ کا بادشاہ تھا جس سے تمام قوم تاتار میں اسلام پھیلا، سلطان احمد کا ایک خط جو اس نے سلطان مصر کو روانہ کیا تھا، اسلامی اخلاق و سیرت کا ایک بہترین نقش ہے، اسلام سے پہلے کی زندگی کیا تھی، اور اب کیا قلب ماہیت ہوا تھا، تاریخ کے دامن میں آج بھی اس یادداشت کا مضمون محفوظ ہے، مکتوب یہ ہے :-

میں یہی معلوم ہوا کہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے یہ راہ بالکل بند ہے، ساری کاوشیں کرکے اپنی ماں کے عقیدہ پر دنیا چھوڑ کر جا رہے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ نے آکر بتایا کہ شبہات کی بنیاد علوم و فلسفہ نہیں، بلکہ یہ انسانی فکر و نظر کی کجی ہے، جو ہمیشہ سے رہی ہے، اُس وقت بھی یہی کجی تھی جب كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ (ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر عذاب ثابت ہوگیا) کا اعلان ہو رہا تھا، اور إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (یہ نہیں ہیں یہ مگر قصے پہلے لوگوں کے) کی پکار سے فضا معمور تھی، یاد رکھو: یقین و اطمینان کا ایک ہی طریق ہے، کہ تم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرو، علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ مقام نبوت ہے، اسی کو حکمت کہا گیا ہے، اور خیر کثیر، اس مقام کا اعلان یہ ہے کہ میں شک کی جگہ یقین ہوں، ظن کی جگہ دلیل و حجت، لَا أَدْرِي (میں نہیں جانتا) کی جگہ إِنِّي أَعْلَمُ (میں جاننے والا ہوں) وَأَشْهَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) راستہ بھولنے والے راستہ بھولے ہوؤں کا دامن تھامے کدھر جا رہے ہیں، کیا اُن کے کان يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہم کو بھی شہادت دینے والوں میں لکھ لیجئے) کی آواز سے آشنا نہیں ہوتے؟

محورِ فکر اب ذہن انسانی نہ تھا، بلکہ علوم سماویہ تھے، شکوک و اضطراب کے پردے اٹھ رہے تھے، انسان نظر و فلسفہ کے ہنگامہ سے نکل کر اسلام کی صاف اور سیدھی راہ پر آ رہا تھا، دعوت کی صدائیں ہر سمت بلند ہو رہی تھیں، آپ کے ہزاروں

اُس مقصد پر غور کیا جس پر اُن کے ارادے پختہ اور اُن کی راتیں متفق تھیں،
لیکن یہ طریق عام نیکی کے خلاف تھا، جس کے جاری کرنے کا ہم ارادہ رکھتے
تھے، کہ شعائر اسلام زندہ ہوں اور ایسے احکام ہماری طرف سے جاری
ہوں جس سے خون ریزی موقوف ہو، دنیا کی مصیبت کم ہو، اطراف عالم
میں امن و سکون کی کیفیت پیدا ہو۔ تمام شہروں کے حاکم ہماری شفقت
اور مہربانی سے آرام پائیں، کیوں کہ ہم خدا کی تعظیم کرتے ہیں، اور خدا کی
مخلوق پر مہربان ہیں، اس لئے خدا نے ہمارے دل میں القا کیا کہ ہم مشتعل
آگ کو بجھائیں اور فتنہ و فساد کو فرو کریں۔ شیخ الاسلام قدوۃ العارفین کی
نصیحت نے ہمارے اس ارادے کو جو فلاح و بہبود کی خواہشوں پر مبنی ہے،
پختہ اور مصمم کر دیا ہے، اس لئے ہم نے اس فرمان کے پہنچانے والوں کیلئے
قاضی القضاۃ قطب الدین شیرازی اور اتابک بہاؤ الدین کو جو اس وقت
عمائدین سلطنت میں روانہ کیا ہے، تاکہ لوگوں کو ہمارے طریقہ سے واقف
کریں، اور تمام مسلمانوں کے فائدے کے لئے جو بات ہمارے دل میں
پوشیدہ ہے سب اس سے آگاہ ہوں، نیز لوگوں کو اس بات سے مطلع
کریں کہ خدا نے ہم کو نصیحت و ہدایت عطا کی ہے، اسلام اُن تمام گناہوں
کو معاف کرتا ہے جو مسلمان ہونے سے پہلے سرزد ہوئے ہوں، اب
تو خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے، کہ ہم حق کی اور اہل حق کی پیروی کریں، پس

خدا کی قوت اور قرآن کے اقتباس

سلطان محمد کا فرمان بادشاہ مصر کے نام

بعد حمد کے واضح ہو کہ خدا نے اپنی عنایت اور ہدایت کی روشنی سے
ہمارے دل میں کہ اپنی الوہیت اور وحدانیت کا اقرار کرنے اور حضرت محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق کرنے اور اپنے دوستوں اور نیک
بندوں کی نسبت خوش اعتقاد رہنے کی ہدایت بخشی تھی۔ وہ جس کسی کو
ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے دل کو مذہب اسلام قبول کرنے کے لئے
کھول دیتا ہے۔ ہم اس وقت سے آج تک دین کا بول بالا کرنے اور مسلمانوں
کے معاملات کی اصلاح کرنے پر مائل رہے ہیں یہاں تک کہ والد بزرگوار
اور برادر بزرگوار کی وفات سے حکمرانی کی نوبت ہم تک آ پہونچی۔ خدا نے
اپنی مہربانی سے ہماری امیدوں کو پورا کیا، حکومت اور سلطنت ہم کو عنایت
کی۔ پھر قوریلتائی سردار الامراء نے یہ قرار دیا کہ ہمارے برادر بزرگ کے
حکم سے فوج کشی کو جاری کیا جاوے اور ہماری فوجوں میں سے جن کی کثرت
سے زمین باوجود وسیع ہونے کے تنگ ہے اور جس کی صولت و ہیبت سے
سب کے دل کانپتے اور تھراتے ہیں ایک بڑی فوج اطراف میں روانہ
کی جاوے اور یہ فوج کشی ایسے مضبوط ارادے کے ساتھ ہو کہ جس کے سامنے
بلند پہاڑ جھک جائیں اور سنگ خارا کی چٹانیں نرم پڑ جائیں۔ ہم نے

مذہب شامان کا ساتواں حکمران غازان ۱۲۹۵ء میں مسلمان ہوا، اور اس کے عہد میں اسلام ایران کا شاہی مذہب قرار دیا گیا، ۱۳۰۴ء میں جب غازان کے بھائی نے عثمان حکومت سنبھالی، تو وہ بھی ربِ کعبہ کا پرستار کہلایا، اور سلطان محمد خدابندہ مشہور ہوا، ۱۳۱۴ء میں ازبک خاں نے اسلام قبول کیا، ۱۳۲۳ء میں طرمشرین کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے چغتائی مغل کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے، ۱۳۴۷ء میں جب سلطان کاشغر تغلق تیمور خاں نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، تو چنگیزی قلمرو کے تمام ملک اسلامی ملک کہلانے لگے،

عشاقِ حق پر امن و کامیابی کی ساعتیں بھی آتی رہیں، امتحان و مصائب کے دَور بھی آتے رہے، اس دَور کی تاریخ کئی اہم تذکروں سے معمور ہے، انہی میں سے تغلق تیمور خاں کا واقعہ ہے، لکھا ہے کہ:۔

ایک بزرگ شیخ جمال الدین رح اور ان کے رفقاء کا سرزمین کاشغر کے ایک ایسے خطہ سے گذر ہوا جو تغلق تیمور کی شکارگاہ تھا، بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو سب کی مشکیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا، اور کہا، تم ہماری زمین میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے؟ شیخ نے جواب دیا، ہم اس ملک میں اجنبی ہیں، ہمیں علم نہیں تھا کہ ہم ایسی زمین میں پہنچ گئے ہیں جس میں چلنے کی مناہی ہے، بادشاہ کو اُن کے ایران سے آنے کا حال معلوم ہوا تو کہا ایرانی سے کتا بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا، سچ ہے، ہمارے پاس اگر دینِ برحق نہ ہوتا تو ہم اس سے بھی بدتر تھے، بادشاہ یہ جواب سُنکر متعجب ہوا، اور حکم دیا کہ جب ہم

اگر لوگوں کے دل ایسی دلیل کی جستجو میں ہیں جس سے وہ ہم پر بھروسہ
کر سکیں تو ہماری اُن تمام فضیلتوں پر نظر ڈالیں جو دنیا میں عام طور پر
مشہور ہو چکی ہیں، کیونکہ ہم نے خدا کے فضل سے دین کے نشانوں کو
بلند کیا ہے، اور ہرگز کمی کرنے میں اس امر کو پیش نظر رکھا ہے،
شرع محمدی کے قوانین کو سلطان کی عظمت اور بزرگی میں مقتضائے
انصاف پر جاری کیا ہے، ہم نے تمام رعیت کے دل خوش کئے ہیں،
اور جن سے پہلے کوئی بھاری غلطی ہو گئی ہو ان سب کو ہم نے معاف
کر دیا ہے کہ خدا بھی تمہاری سب خطاؤں کو معاف کرے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حضرت امام ابن تیمیہؒ کی جہدِ صادق نے تعمیرِ امت کا سنگ بنیاد رکھا تو دین
کے لئے طلبِ عمل کا ایک بہترین دور شروع ہوا، لاکھوں مسلمان دعوت کے جذبہ
سے سرشار ہو کر اٹھے، اور تمام اسلامی اور عجمی ممالک کو دینی عظمت و شوکت سے
مالامال کر دیا، مغل اور تاتار سلطنتیں یکے بعد دیگرے اسلام میں داخل ہو گئیں،
چنگیز خاں کا پڑپوتا براق خاں [illegible]ھ میں مسلمان ہوا، اور سلطان غیاث الدین
کے لقب سے تخت پر بیٹھا، خاندان ایلخانیہ کا سب سے زیادہ پُرشوکت بادشاہ

سیکھی جاسکتی ہے، اور یونان کا علم فلسفہ پڑھا جاسکتا ہے، لیکن کیا اس سے انسان بدلے جاسکتے ہیں؟ بڑے سے بڑا مادی انقلاب رونما ہو چکا، مادیت کی ترقی یافتہ صورتیں وجود میں آتی رہیں، لیکن انسانیت کی ترقی یافتہ شکلیں معدوم رہیں، مادی زاویہ پر اصلاح کا سُراغ پہلے بھی محال تھا، اور اب بھی محال ہے،

دعوت کے میدان میں داعیِ حق کو امن کی گھڑیاں کب نصیب ہوئی ہیں؟
حضرت امام ابن تیمیہؒ پر مصیبتوں کا دَور آیا تو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں، دمشق کے قید خانہ میں قید کئے گئے، تصنیف وتالیف کے کام سے روک دیا گیا تھا، جب قلم دوات چھین لی گئی تو آپ قیدیوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے، اور انہیں کہیں کا کہیں پہنچا دیا،

مادی قوت والوں نے کامل انسانوں کے ظہور کو اپنے لئے ہمیشہ خطرہ سمجھا، مخلوقِ خدا کی کشش اُن کا سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا، خلیفہ متوکل آپ کا مخالف تھا اُمّت کے اس مصلحِ اعظمؒ نے قید خانہ کی تنگ وتاریک کوٹھڑی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، جب جنازہ قید خانہ سے نکلا تو انسانوں کا اس قدر اجتماع تھا کہ اس سے پہلے دیکھنے میں نہ آیا تھا، پندرہ ہزار سے زیادہ عورتیں تھیں، جو گھروں سے نکل آئی تھیں، دنیا میں سربفلک یادگاریں تعمیر ہوتی رہیں گی، اور مٹتی رہیں گی، لیکن پاکانِ حق کے خلوص وعمل کا نقش ہمیشہ غیر فانی رہیگا،

دین کے لئے آپ کی یہ قربانی اُمت کے لئے ایک ایسا واسطہ بنی جو آنیوالوں

شکار سے واپس آئیں تو اُن کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ بادشاہ نے واپس آکر شیخ جلال الدین کو تنہائی میں طلب کیا، کہا، جو کچھ تم اس وقت کہہ رہے تھے کے اب بکھاؤ، دین رحق سے تمہارا کیا مطلب تھا؛ شیخ نے قرآن حکیم کی چند آیات تلاوت کیں، اور اُن کی تفسیر کچھ ایسے پُر تاثیر اور درد انگیز طریق پر بیان کی کہ بادشاہ کے قلب پر ایک عجیب محویت کا عالم طاری ہوا، حالت کچھ کا جب ہیبت نقشہ سا بن گیا تو بادشاہ باوجود قسی القلبی کے ضبط نہ کر سکا، اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

یہ وراثت کا ملہ نبوت کا فیضان تھا جو حضرت امام الناخرین امام ابن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک وجود سے جاری ہوا تھا، حالات اس طرح منقلب ہو گئے تھے کہ ہر چیز میں انقلاب آ یا تھا، عطایا اور بخشش کے دروازے کھل گئے تھے، آسمان سے رحمتوں کا نزول تھا، فضاؤں کی خشونت و تلخی خوشگواری سے بدل گئی تھی، زمین خوف و خون کی جگہ امن و حفظ کا مسکن بن گئی تھی، زمین پر انسانوں کی جگہ فرشتے چل پھر رہے تھے۔

دنیا اس عہد سے اعلیٰ تمدن کی مثال پیش کر سکتی ہو، بہتر سے بہتر علوم و فنون کا اظہار کر سکتی ہے، لیکن دنیا ایسے انسان دکھلانا چاہے تو نہیں دکھلا سکتی۔
یونان و یورپ کے عقائد و اعمال سے ایسا انقلاب ممکن نہیں، یورپ کی تعلیم کی تقلید کی جا سکتی ہے، اور تہذیب کو اپنایا جا سکتا ہے، امریکہ کی معاشرت

کیونکہ یہ دولت آپ ہی کے خاندانِ مقدس کی خانہ زاد ہے، آپ ہی کے طفیل سے دوسروں نے یہ دولت حاصل کی ہے، اس جلیل الشان خدمت کی انجام دہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حقیقی اور سچی وراثت ہے، یہ وہی زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا، آج وہ زمانہ ہے کہ اگر امر ونہی کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دوگے تو تباہ ہو جاؤ گے، لیکن اس کے بعد وہ زمانہ آئے گا کہ اگر دس میں سے ایک کو بھی انجام دے لیں گے تو نجات پا جائیں گے،،

ایک اور جگہ اپنے دُکھ کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:۔

"حکومت موجودہ میں اسلام سے پہلے جیسی ضد اور نفرت نہیں پائی جاتی لہذا ائمہ اسلام، صدور عظام وعلمائے کرام پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت شریعت مطہرہ کی رواج دہی میں صرف کرکے شروع ہی میں اسلام کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کر دیں، اور اس میں ہرگز ہرگز تاخیر نہ کریں، غریبوں کے دل اس تاخیر کے باعث مضطرب ہیں، قرن سابق کا تصوّر دلوں میں بیٹھا ہوا ہے، مبادا اس کی تلافی نہ ہو سکے، تو دین سے یہ اجنبیت اور طویل ہو جائے گی،،

ایک مکتوب میں اپنے دل کا اضطراب اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:۔

"فرزندا روز فردا (قیامت) میں کام آنے والی چیز اتباع رسول اللہ

کو سلف صالحین کے ساتھ جو ترقی رہی، مختلف مکانوں اور آنے والے زمانوں میں اس کام کے فیضان و برکات کا ظہور ہوتا رہا، وہ آواز جو خلیفۂ متوکل کے عہد میں مصر کے قید خانہ سے سُنی گئی تھی، آج قلعۂ گوالیار کے ایک قیدی کی زبان پر تھی، یہ وقت کے مجدد حضرت امام احمد سرہندیؒ تھے، فرماتے تھے :-

"وظائف بندگی کو ادا کرنا اور حضرت حق جل مجدہ کی جانب ہمیشہ اور ہر وقت متوجہ رہنا، پیدائش انسان کا مقصود ہے، یہ بات صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ سنت سید الاولین والآخرین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔"

بہتّر سالہ عہد اکبر و جہانگیر منکرات و بدعتوں کا عہد تھا، اسی زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ظہور ہوا، بادشاہوں کے احوال دیکھتے تھے، اور فرماتے تھے،

"عالم کے اعتبارات بادشاہ کی وہی نسبت ہے جو دل کو بدن سے ہے، لہذا اصلاح بادشاہ اصلاح عالم، اور فساد بادشاہ فساد عالم"

شہزادوں اور امراء سلطنت سے اس طرح مخاطب ہوتے،

"یوں تو جس زمانہ اور جس شخص سے بھی ترویج دین اور تقویت ملت کی خدمت سرانجام پائے بہتر ہے، لیکن بے بسی اسلام کے موجودہ دور میں آپ جیسے اہل بیت کے جوان مردوں کے لئے ترویج دین اور تائید ملت زیب دیتا ہے، اور آپ جیسوں ہی کا مخصوص کام ہے،"

جھلکتا ہے، جو حالتِ اسیری میں انھوں نے تحریر فرمائے، اپنے فرزند حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو لکھتے ہیں:۔

"وقت آزمائش اگرچہ تلخ اور بے مزہ ہے، لیکن اگر توفیق ہو تو بہت غنیمت ہے، فرصت کا ایک لمحہ اور لحظہ بھی بے کار مت ضائع کرو، تین چیزیں ہیں، تلاوتِ قرآن مجید، طویل قرأت کے ساتھ ادائے نماز، کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا ورد، کلمہ لا سے نفس کے معبودوں کی نفی کرو، اپنے مقاصد اور اپنی مرادوں کو ذبح کرو، اپنی مراد مانگنا بھی اپنی معبودیت کا دعویٰ ہے، ساحتِ سینہ میں اپنی کوئی مراد، وہم و خیال میں اپنی کوئی ہوس باقی نہ رہے، خدا خیریت رکھے ملاقات ہو یا نہ ہو، ہماری نصیحت یہی ہے کہ اپنی کوئی مراد یا ہوس باقی نہ رہے، جو کچھ ہو رضائے الٰہی اور ارادۂ خداوندی ہو، حتیٰ کہ میری رہائی جو آج کل تمھارا بہت بڑا مقصود بنا ہوا ہے وہ بھی مقصود و مراد نہ رہے، حضرت حق جل مجدہ کے ارادے اور اس کی مرضی پر پوری طرح راضی ہو جاؤ، اس زندگی کے باقی حالات اس قابل ہی نہیں کہ معرضِ تحریر میں آئیں، کیوں کہ وہ ختم ہونے والے ہیں"

جائیداد و مکان جب بحق سرکار ضبط کر لئے گئے تو تحریر فرمایا:۔

"اے فرزند! حویلی، سرا، کنواں، باغ، اور کتابوں کا غم بہت معمولی بات ہے، اگر ہم مر جاتے تب بھی جاتی رہتیں، اب زندگی میں جاتی رہیں،

رصلی اللہ علیہ وسلم) ہے، صوفیا کے احوال اگر متابعت کے موافق ہوں تو بہت
بہتر ورنہ سراسر خرابی اور عتاب ربانی کا سرمایہ ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ
کو کسی نے خواب میں دیکھا، فرماتے تھے سارے رموز و اشارات ختم
ہو گئے، جملہ علوم و معارف ہیچ ثابت ہوئے، صرف اُن چند رکعتوں نے
کام دیا جو درمیان شب میں پڑھی گئیں، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کو ضروری سمجھو کیونکہ
یہ برکت اور سراسر برکت ہے، اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ کی مخالفت
سے پوری پوری احتیاط برتو، نہ قولاً مخالفت ہو نہ عملاً نہ اعتقاداً، کیونکہ
یہ سراسر نحوست اور بربادی ہے۔"

مصلحین عالم کے لئے امن و انصاف کہاں؟ قلعۂ گوالیار ہے، اور قید و بند کی صعوبتیں
جھیل جا رہی ہیں، جرم یہ ہے کہ ہزاروں جان نثار آپ کے گرد جمع ہو گئے ہیں، خطرہ ہے
کہ ملک میں کوئی فساد رونما ہو جائے، دربار میں مدعو کئے گئے، سجدۂ تحیّہ کے لئے مجبور
کیا گیا، تو سختی کے ساتھ تردید کی، اور کہا کہ غیر خدا کے لئے سجدہ حرام ہے، آپ پر مغرور
اور خرابیٔ نیت کا جرم عائد کیا گیا، سلطنت کے لئے سیاسی خطرہ، امراء دربار خوش ہیں برقتل
شیخ نوشتند، لیکن بادشاہ نے قید کرنے کا حکم دیا، پاک نفسی کا کیا جذبہ تھا، قوت ربانی کے
کیا فیوض تھے، کہ اس حالت بے کسی و مظلومی میں ہزاروں لاکھوں طالبان حق کے دلوں
کو کھینچ لیا، صبر و حلم کے میدان میں اتباع اعمال نبوت کا رنگ اُن کے اُن خطوط سے

بھی اس کے اثرات ہمیشہ اُبھرتے رہے، اور نمایاں ہوتے رہے، افریقہ کے مغربی اطراف میں تجانیہ کی تحریک کے بانی حضرت عمر الحاجی رح کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے قوم بمبارا اور قوم ماندن گو کو دعوت پر اٹھایا، اور بالاخر اس راہ میں شہید ہوئے ایک اور بزرگ حضرت امام احمد الصمد رح نے شہر فلندیہ کو ہدایت کا مرکز بنایا، افریقہ کی قوم وار فسر کو سلیمان رح نے راہ مستقیم دکھائی، ۱۶۱۲ء میں عبدالکریم رح کی کوششوں سے سوڈان میں اسلام کی دعوت کا احیاء ہوا، اور شیخ عثمان رح کے جذبہ حق پرستی نے تمام سوڈان میں اصلاح و تجدید کی فضا پیدا کر دی، شمالی افریقہ میں حضرت احمد بن ادریس رح اور حضرت محمد عثمان الامیر غنی رح کی تحریک دعوت و تبلیغ نے لاکھوں بندگانِ خدا کو رشد و ہدایت کی راہ دکھلائی، امیر غنیہ کی اولاد نے دعوت کے اس پیغام کو دور ملکوں تک پہنچایا،

الجزائر کے ایک بزرگ حضرت سید محمد ابن علی السنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۳۷ء میں احیائے دین کے لئے امر بالمعروف کی تحریک کا آغاز فرمایا، اور ایک ایسی جماعت پیدا کی جو حضرت ختم المرسلین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کا عملی نمونہ لے کر اس طرح بڑھی کہ اس کا راستہ نہ پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں روک سکیں، نہ سمندروں کی ناپیدا کنار موجیں اس کی راہ میں حائل ہو سکیں، اور نہ اس کے مسافروں کو صحراؤں کے وسیع میدان تھکا سکے، یہ لوگ دل کے عشق اور باطن کے سوز و گداز کے ساتھ عجیب کیفیت سے لے کر نکلے، کہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام بر اعظم افریقہ پر چھا گئے، صحرائے اعظم

کوئی فکر نہیں، اولیا اللہ خود ان چیزوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں
اب شکر ادا کرو کہ خدا نے اپنے اختیار سے ان چیزوں کو چھڑا دیا
جہاں بیٹھے ہو اسی کو وطن سمجھو، چند روزہ زندگی جس جگہ بھی گذرے
یاد خدا میں گذرنی چاہئے، دنیا کا معاملہ آسان ہے، آخرت کی طرف
متوجہ رہو، اگر اللہ چاہیں گے، آپس میں ہماری سب کی ملاقات بھی
ہو جائے گی، ورنہ حکم پر راضی رہو، اور دعا کرو کہ جنت میں سب ایک
جگہ ہوں، اور ملاقات دنیا کی تلافی کریں۔

اللہ اللہ ایمان و یقین کے چشمہ کی کیا روانی ہے، دل بے اختیار چاہتا ہے کہ انہیں صادقین کا ذکر زبان پر جاری رہے، جب قلعہ میں پریشانیوں اور اذیتوں کا دور آیا، تو لکھا:۔

"غضب حقیقی دشمنانِ خدا کا حصہ ہے، عاشقانِ خدا کے لئے صرف
صورتِ غضب ہے جو حقیقت میں عین رحمت ہے، اور اس قدر
منافع کی حامل کہ اس کی تفصیل ناممکن ہے"

حضرت مجدد الف ثانی رح کی دعوت ایک پیام الٰہی تھی، جس نے بدعات و محدثات کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا تھا، ہزاروں انسان کامل خلوص اور سچی قربانیوں کے ساتھ میدان میں نکل آئے تھے، جنھوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ بلادِ عرب افریقہ، شام، عراق اور مصر کے احوال بدل دیئے تھے، اور بعد کے زمانوں میں

کی صدا پر لبیک کہا، عظیم الہیئت ایوانوں اور محلوں میں رہنے والے نہ تھے بلکہ درویشی اور فقیری اُن کی پہچان تھی، آنکھوں کی خوں باری اُن کا نشان، دل کی شکستگی سے یہ لوگ پہچانے جاتے تھے، دنیا کی دل فریبی اور اس کی رونق انھیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی تھی، حضرت مہدی سوڈانی رح انہی مخلصین میں سے ایک تھے، جن کے ایثار و اخلاص کی تاثیر سے ہزاروں جانباز اور حق پرست درویش احیائے دین کے لئے میدان میں نکل آئے، جذبۂ اتباعِ شریعت سے اُن کے دل صفاتِ الٰہیہ کا جب مسکن بنے تو دنیا کی جابر و قہرمانی قوتیں انھیں زیر نہ کر سکیں، اس زمین کی حکومت و وراثت اُن کے حصّہ میں آئی، ام درمان دولت دراویش اسلامیہ کا مرکز کہلایا، جہاں شرعی عدالتیں اور شرعی قوانین کا سالہا سال تک نفاذ رہا،

امیر عبدالقادر الجزائری رح نے الجزائر، تیونس، اور مراقش کے مسلمانوں میں دینی حمیت کی روح کو اس طرح زندہ کیا کہ بیت الحمراء کی یاد تازہ ہو گئی،

لہ چودھویں صدی عیسوی کے اختتام اور پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز کا زمانہ بھی عجیب زمانہ تھا، ایک طرف کمزور کی معدودی مسلمانوں سے اندلس چھوڑا رہی تھی، غرناطہ عیسائیوں کے حصّہ میں آچکا تھا، شاہ کے لئے کوئی مقام اب وہاں نہ تھا، دلت و مسکنت کی ایسی ہوا چلی تھی کہ اندلس کے مسلمانوں کا دفاع خس و خاشاک کی طرح الجزائر کی سرحدوں پر آ ڈھیر ہوا تھا، خانقاہ بیت الحمراء ہی وہ مقام تھا جو اُن کے لئے جائے پناہ تھا

بیت الحمراء دینی فکر کا ایک مرکز تھا، ظہور ہدایت کی شعاعیں ہویدا ہوتی تھیں، لیکن

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۰ پر)

دسوؤں کے شاداب قطعات اور مصر سے مراکو تک ان کے زاویے اور خانقاہیں نظر آنے لگیں، مصر اور طرابلس کے درمیان جغبوب ایک گاؤں ہے، شیخ السنوسیؒ نے اس گاؤں کو دعوت وارشاد کا مرکز بنایا، جہاں سے ہر سال سینکڑوں مسلمان دینی تعلیم و اسلامی تربیت سے آراستہ ہو کر دوسرے ملکوں کو روانہ ہو جاتے، ان میں سے ایک ایک کا حال یہ ہوتا کہ حق کی طلب میں اپنا سب کچھ لٹا کر باہر نکلتے اور سوائے عجز و شکستگی کے اپنے لئے کچھ باقی نہ چھوڑتے ؎

عشق بستان و خویشتن بفروش

کہ ازیں خوب تر تجارت نیست

ان کی زبانوں سے جو صدا اٹھی وہ ان کی آواز نہ تھی، بلکہ خدا کی آواز تھی جس طرف دیکھتے تھے دل مسخر ہوتے نظر آتے تھے، تو یہی کی بزدل قومیں سید الوربالی، سیو قوم کے مثل ہو گئیں، جب ان میں کام شروع ہوا تو ان کی کایا پلٹ گئی، گالا کے ملک میں پہنچے تو اس کے احوال بدل ڈالے، یہ تحریک نہ تھی بلکہ سیلاب انقلاب تھا، جس نے لاکھوں بندگان خدا کے قلوب ایک غیر متزلزل حق و یقین کی دولت سے مالا مال کر دیئے تھے، دین آیا تو دنیا کی بخشش و عطا کے بھی ان پر دروازے کھل گئے، پائیدار اسلامی حکومت وجود میں آ گئی، جس کے اس وقت حکمران محمد ادریس السنوسی سلطان لیبیا ہیں، حضرت سید ابن علی السنوسیؒ کا انتقال ۱۸۵۹ء میں ہوا، وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے وقت کے تقاضوں کو دیکھا، اور دعوت الٰہی

اسلام سے فضائیں پھر معمور تھیں، الہام کی ہوائیں بہت تیز تھیں، حق کے بادل گرج رہے تھے، اور ایک نحیف انسان کسی سے کہہ رہا تھا۔

اِنِّیْ اَرْجُوْ اِنْ اَنْتَ قُمْتَ	اے امیر عنیہ اگر تم لا الٰہ الا اللہ کی امداد کے
بِنَصْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنْ	لئے آمادہ ہو جاؤ تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
یُظْهِرَكَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ تَمْلِكُ	تمھیں غالب کرے گا، اور نجد اور اہل نجد کی باگ
نَجْدًا وَ اَعْرَابَهَا،	تمھارے ہاتھ میں ہوگی،

سرزمین عنیہ سے داعی کے اخراج کا منظر بھی عجیب درد انگیز تھا، ریگستان عرب کی تپتی ہوئی ریت تھی، اور تیز دھوپ، فرید الطیفری، عثمان بن معمر کے حکم سے گھوڑے پر سوار ہے، یہ پیادہ پا عنیہ کا علاقہ عبور کر رہے ہیں، اور اسلام کی پہلی غربت کا منظر سامنے ہے، جب مکہ کی تنگ دامانی نے مسلمانوں سے گھر چھڑا دیئے تھے،
حالت یہ تھی کچھ حبش میں درماندگی کی عبا اوڑھے پڑے تھے، اجنبی ملک اکوئی نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۰) ان کو آئین و اخلاق و محاسن اسلام کی تعلیم دے، یہ لوگ جانوروں کی طرح بغیر خدا اور دین کے رہتے ہیں، اُن کی اس حالت کو دور کرنے کے لئے میں نے پختہ ارادہ کیا ہے، کہ تمھاری غیرت و حمیت کو حرکت دوں، پس ان پہاڑوں کے لینے والوں کو دین کے حقائق سے اب زیادہ لاعلم نہ چھوڑو جاؤ ان کے مذہب کی بجھی ہوئی آگ کو پھونکو، اور دبی ہوئی چنگاریاں پھر بھڑکا دو، تمھیں اس کام میں سخت دشواریاں پیش آئیں گی، لیکن خدا کے لطف و کرم سے تم ان مشکلات پر غالب آؤ گے، میرے بچو جاؤ! خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر اُن کو پھر لاؤ جو جہالت اور انکار کے

(باقی صفحہ ۳۲۲ پر)

حوادثات رونما ہوتے رہے، انقلابات آتے رہے، ماضی وحال کی ان سرگذشتوں میں جو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں، بہار وخزاں، خندہ وغم، یاس وامید، گریہ وخنداں کی کیا عبرت خیز داستانیں تھیں جن سے دنیا کی قومیں گذرتی رہی ہیں،

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ، (امید ویاس، شادی وغم، عزت وناکامی کے یہ ایام ہیں جو نوبت بہ نوبت انسان گذارتے رہتے ہیں)

غفلت ومدہوشی کی نیند بھی کیا گہری نیند تھی، عیش ونشاط کے خواب بھی کیا میٹھے خواب تھے، بارہویں صدی ہجری کا دور بھی کیا دور تھا، اسے ارتقائے حیات انسانی کے سنہرے باب کا دن کہا جائے یا آیامِ جمات، لادینی وحوادثات کا ایک طوفان آیا تھا جس سے ہند ونجد کی زمین بچی تھی نہ شام وعراق کا خطہ محفوظ تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۹) البوبار کے پہاڑی قلعوں وحصاروں سے ٹکرا کر واپس لوٹ آئی تھیں، دعوت کی صدائیں ارتعاش پیدا کرتی تھیں لیکن طویل قامت پہاڑوں کو عبور نہ کرسکتی تھیں، شیخ خانقاہ کو جن کے حصہ میں سنت حسنہ کا مقام آیا تھا، قوم کمیل میں تجدید واحیائے دین کی مشکلات نے بہت تھکا دیا تھا کہ اس قوم کے پہاڑی قلعوں وحصاروں تک رسائی ناممکن تھی، یہ کلائیک فراموش کرچکے تھے جب اندلسی مسلمان یہاں آئے تو شیخ خانقاہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ اس دشوار کام کو کرلینگے۔ بیت الحمراء کی دینی وروحانی فضاؤں کا اندلس کے مسلمانوں پر گہرا اثر ہوا تھا، جب شیخ خانقاہ نے ان سے کہا "یہ ہمارا فرض ہے کہ اسلام کی شمع ہم ان قوموں میں لے جائیں جنھوں نے مذہب کی دولت سے اپنا ملد شگم کر دیا ہو، بدقسمتی تو کمیل میں نہ مدارس ہیں اور نہ کوئی عالم ہے جو

خدایا! وطن سے دور آگئے ہیں، اب یہاں ایسا دل لگادے کہ مکہ بھول جائیں غربت اُولی کی ساعتوں کا ایک منظر یہ بھی تھا، طائف اس حال میں چھوڑ رہے تھے کہ چہرۂ اقدس زخمی تھا، اور خون بہہ رہا تھا، فرمارہے تھے، "اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّتَ حِیْلَتِیْ" "اے پروردگار! اپنی بے چارگی اور بے سروسامانی کا حال کس سے بیاں کروں تیرے ہی آگے فریاد ہے، اور شکوہ! غربت کی تلخیوں کے ایام تھے، اور بشارتیں آرہی تھیں، صحابہؓ حیران تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے لَتُفْتَحَنَّ کُنُوْزُ کِسْرٰی "عنقریب کسریٰ کے خزانے تمھارے لئے کھل جائیں گے" یا حضرت! کسریٰ بن ہرمز شاہ ایران؟ فرمایا، تم تعجب کیوں کرتے ہو، اگر زندہ رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے، عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں زندہ رہا، وَکُنْتُ فِیْمَنْ اَفْتَتَحَ کُنُوْزَ کِسْرٰی "اور ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے اپنے ہاتھ سے ایران کا خزانہ کھولا"

آج تو انسانی نظریات و ظنون کی کارفرمائی ہے، یہ دَور تو وحی الٰہی اور حکمتِ نبوی کا دَور تھا، انسانی افکار کتاب و سنّت کے تابع فرمان ہوگئے تھے آج یہ حق غیر معصوموں کو مل گیا ہے، سب کی خاطر اُسے چھوڑا جارہا ہے، ایک وہ وقت تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۲) ہاتھ میں لئے بے آب و گیاہ کوہستانی علاقوں کو عبور کر رہے تھے، جہاں پریشان منظر اور غیر آباد پہاڑوں کے غار اور کھوہ دیکھتے وہیں بسیرا کر لیتے، انھیں ایمان کامل کا وہ مقام عطا ہوا تھا کہ ان کی دعوت زمان و مکاں کی محتاج نہ تھی، انسانی آبادیوں کا دور دور تک نشان نہ ملتا تھا لیکن نیکی کی فضاؤں کا اس جگہ ظہور ہونے والا تھا جس جگہ وہ بیٹھ گئے تھے، اُن کا اخلاص تاریک عالم پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۴ پر)

جس سے درد دل کہہ سکیں، کچھ مدینہ میں سوز اضطراب کے بستر پر کروٹیں لے رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ پہونچے، وکان ابو بکر اذا اخذته الحمّٰی حضرت ابو بکرؓ شدید بخار میں مبتلا تھے ذرا ہوش آتا تو کہتے،

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ

وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

یعنی ہر آدمی کے لئے صبح اس کے خاندان میں ہوتی ہے، اور موت تو اس کی جوتی کے تسمہ سے بھی قریب ہو،

یہی حال اس غریب الوطن کا تھا، جو صحابہؓ کی شباہت میں چلا تھا، شدید تکلیف میں ہوش آتا تو کہتے "اے اللہ، وطن سے دور ہوں، آپ چاہیں گے تو عزیزوں سے ملاقات ہوگی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صحابہؓ کی غربت و بے کسی کے احوال دیکھتے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے، اور فرماتے: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۳) اندھیرے میں راستہ بھول چکے ہیں، نجات کا پیغام ان میں بیدار عزم تمنا جانی ہو۔ اندلسی مسلمانوں نے جب یہ کلمات سنے تو شیخ کے دل کا سوز ان کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگا، پانچ پانچ چھ چھ افراد کی جماعتیں بنا کر پہاڑوں کی مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے، دل کے عشق اور وطن کے سوز و گداز نے ان کے احوال بدل دیئے تھے، یا تو سرزمین اندلس کی خود فراموشیوں نے انھیں مدتوں مدہوش کر رکھا تھا، یا اب حالت یہ تھی کہ ماکسر ہی سے زاس کی ہواؤں سے بھرا،

(باقی صفحہ ۳۴۵)

موضیٰ بنت ابی دحطان بھی کیا خاتون تھیں، یہ درعیہ پہنچے، تو اپنے شوہر امیر محمد بن سعود سے کہنے لگیں:۔

اللہ نے یہ نعمت آپ کے ہاں بھیج دی ہے، اٹھو اور اس کی مدد کرو
تمھاری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی،

گمراہی اور باطل پرستی کی رات کیا اندھیری رات تھی، دیکھنے والی آنکھ محوِ حیرت تھی، اور کوئی کہہ رہا تھا۔

عرب کے ریگستانوں نے گولیل و نہار کے ہزاروں تماشے دیکھے ہیں،
مگر شاید اس تماشے سے بڑھ کر کوئی تماشا نہ ہوگا کہ تاریک ذروں سے
ایک چمکتے سورج (وجودِ نبویؐ) کے پرتو سے روشن ہو کر ساری دنیا کی
آنکھوں کو اپنی چمک دمک سے روشن کر دیا، اور اُن کے گوشہ گوشہ کو
مطلعِ انوار بنا دیا، اور عین اس وقت جب وہ دشت وجبل اور بحر و بر کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴) تھی جو آتا ہے مگر دخویش بھول جاتا ہے، ان واقعات کی جب تفصیل سامنے آتی ہے تو قلب پر ایک عجیب عالمِ محویت طاری ہوتا ہے، زمین والوں کے لئے سعادت و برکت کے دن آئے تھے، آج انسانوں سے آسمانی فرشتوں کا کام لیا جا رہا تھا، یا تو یہ حال تھا کہ اس قوم تک کسی اجنبی کی رسائی محال تھی، یا اب پہاڑوں کی ہر کھوہ اور ہر غار درس کی تعلیم کا حجرہ بن گئی تھی، یہ اندلسی علم طب، صنعت و دیگر فنون کی مدد سے اپنا روزگار کرتے، اور کھیل قوم کے لوگوں کو علم سکھاتے، یہ علم سیکھ لیتے تو اسلام کے داعی بن کر اپنے قبیلہ میں جاتے، اور اُن کی اصلاح کا کام انجام

اس کی خاطر سب چھوڑے جا رہے تھے، مصائب کیا ہیں؟ خوف خدا عطا ہو جانے کی شکلیں ہیں، ملکوں اور قوموں پر آفات و بلایا کا نزول کیا ہے؟ خواہش نفس کے عکوس ہیں، وہ آنکھیں گہری نیند سو گئیں جو زمانہ کے حالات دیکھتی تھیں، اُن سے آنسو بہتے تھے اور عذاب کی گھڑیاں ٹل جاتی تھیں،

اس داعی حق کا حال کیا پوچھتے ہو جو سرزمین حجاز سے نکالا جا رہا تھا، اور کہہ رہا تھا، اِنَّ الدِّيْنَ بَدَءَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ. یعنی دین کی ابتدا غربت سے ہوئی اور قریب ہے کہ پھر اس طرف پلٹ آئے، پس بے یاروں اور پردیسیوں کے لئے کیا ہی مبارکی ہو، یہی لوگ ہیں جو اُن خرابیوں کو دور کر دیں گے جو لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دی ہوں گی"، (رواہ عمرو بن عوف)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۳) ہیں اب روشنی کی کرن بن کر چمکنے والا تھا، گئے ان دنوں کا حال معلوم ہو کہ جب ان کا کسی جگہ سے گذر ہوا تو معلوم ہوا کہ کوئی یہاں سے گذرا ہو ان کے عجیب احوال تھے مجاہدانہ و عابدانہ رنگ ان کی زندگیوں سے جھلک رہا تھا، یہ ایام عسرت تھے جو دین کے لیے کاٹے جا رہے تھے، یہ مصائب و شدائد کی راتیں تھیں جن میں آہ و زاریوں کا کیف تھا، پہاڑوں کی خاموش فضا میں عجیب سماں پیدا کرتا تھا، اور قوم کمیل کے قلعوں اور حصاروں سے جا ٹکراتا تھا پہاڑوں میں ان درویشوں کی اس زندگی نے ایک ہلچل ڈال دی تھی، قوم کمیل کے لوگ ان کے احوال کی عجیب کیفیت دیکھنے کے لئے اپنے پہاڑی قلعوں سے باہر نکلے، اخلاص و ایثار فی اللہ کی کیا تاثیر

(باقی حاشیہ ص ۳۴۵)

جن کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اس کی اطاعت بلا وسیلہ نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، یہاں تک کہ مقامات مقدسہ (مکہ و مدینہ) بداعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے، حج بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا، فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے۔

نجد کا یہ حال تھا کہ مشرکانہ عقائد دلوں میں گھر کر چکے تھے، بھلائی اور برائی کا کوئی امتیاز باقی نہ تھا، قبریں مسجود تھیں، بلیدۃ الغدا کے ایک درخت سے حاجتیں طلب کی جاتی تھیں، اولاد سے مایوس عورتیں اُس درخت سے ہمکنار ہوتیں، درعیہ کا ایک غار شرمناک برائیوں کا مرکز بنا تھا۔ (روضۃ الافکار)

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس

اجمعین[1] کا اعلان بھی عجیب اعلان تھا جس نے وادی نجد میں کہرام مچا دیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! میں اللہ تعالیٰ اور آپ سے محبت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا اے انس! جسے تو دوست رکھتا ہے قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، حضرات صحابہؓ

---

[1] نہیں ایماندار ہو سکتا تم میں سے کوئی شخص حتیٰ کہ میں اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے اس کے دل میں محبوب ترین ہو جاؤں۔

غور کرتے تھے، خود اپنے اندر پہنچ گئے کہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:[1]

مسلمانوں کے عروج کی اُن صدیوں میں بغداد اور قرطبہ کی علمی درسگاہیں قائم ہوئیں، ازہر (مصر)، زیتونہ (تیونس)، قرویین (فاس) کی مسجدوں میں علم و عمل کے چشمے جاری ہوئے، ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا، سلیمان اعظم (۱۵۲۰ء) نے وائنا کی دیوار ہلا دی، مغلوں نے ہندوستان کو زیر و زبر کیا، لیکن عرب کا شتربان اپنے صحرا میں آرام کی نیند سوتا رہا۔

نیو ورلڈ آف اسلام کا امریکی مصنف اٹھارہویں صدی عیسوی کے عرب کے خط و خال اس طرح بیان کرتا ہے:

تصوف کے توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھانک لیا تھا، مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں، لوگ تعویذ گنڈوں میں پھنس کر گندے فقیروں اور درویشوں پر اعتقاد رکھتے، مزاروں پر زیارت کو جاتے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۵) یہ تو اندلس مسلمانوں کی اس سرزمین سے مکمل کی ساری ہے؟ اور یہاں عمارات الحمراء کے سارے محرابی دیوارات میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہاں اسلام پھر لوٹ آیا ہے، الحمراء میں دینی و قومی حمیت کے جن واقعات کا اعادہ تاریخ دہرا کر رہی ہو، اس زمانہ کے خاکہ کا تو ہو نشان ہی تو ہو، آج بھی عالم کا نقشہ بیت الحمراء کے واقعات کا منتظر ہے۔

[1] علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ذوم دھام جاری جو محمد شاہ کے ارکان دولت تھے، اور مذہبی نقلیں کرتے تھو اوران نقلوں میں خدا اور اس کے پاک نبی کی توہین کی جاتی تھی، شریعت میں جن امور کو سختی سے منع کیا گیا ہو وہ بہت شوق اور دھوم دھام سے کئے جاتے تھے، دینی مدارس برائے نام رہ گئے تھے، نہ علم حدیث تھا نہ تفسیر نہ فقہ، کچھ بھی نہیں، قرآن مجید کی جگہ صوفیوں کی مجالس میں دیوان حافظ کی تلاوت کی جاتی تھی، نہ کسی کو محمدی دین کی خبر تھی، نہ کوئی حنفی مذہب کو جانتا تھا ایک عجیب اندھیر مچا تھا، بدعت وہ بھی زبوں تر بدعت کا گھر گھر رواج تھا، اسلام کے چند ارکان باقی رہ گئے تھے، مثلاً روزہ، نماز اور نکاح، مگر ان رسمی ارکان میں بدعت نے ایسی رنگ آمیزی کی تھی کہ فرائض سخت بدعت کی صورت میں جلوہ دینے لگے تھے، روزہ شراب اور بھنگ کے پیالے سے کھولا جاتا تھا، نماز حالت مخموری میں پڑھنا برا کام نہ خیال کیا جاتا تھا، نکاح کی سب سے بری کیفیت تھی جتنی رسمیں اہل ہنود کے ہاں جاری تھیں، وہ سب نکاح میں برتی جاتی تھیں،

محمد شاہی دربار کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔

اس دربار میں تین سو برہنہ کسبیاں ہر وقت ناچا کرتی تھیں، اور جب وہ تھک جاتی تھیں اور تین سو ان کی جگہ لے لیتیں تھیں، شراب کا دور

ایسے نفوس کی تعظیم قلعہ میں بہت دھوم سے کی جاتی تھی، بادشاہ مع بیگموں کے اُن کے پاس خود آیا کرتے تھے،۔۔۔۔۔ وہ اُن کی ایک نگہہ کی محتاج رہا کرتی تھیں، یہ زبوں حالت تھی اہل قلعہ کی، بھلا پھر حامیٔ دین اور علمائے کبار کی ان لوگوں کے آگے کیا خاک عزت ہوگی جب مولانا فخرالدین جن کی ہیئت بالکل وہی ہوتی تھی جو اوپر بیان ہوئی نماز پڑھنے آتے تھے تو لوگوں کا اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ تِل رکھنے کو بھی جامع مسجد میں جگہ نہ ملتی تھی، بڑے بڑے رئیس یہ آرزو کرتے تھے کہ کسی طرح مولانا صاحب کے جامہ کا دامن ہی مَس کرلیں، اور اُن کے مقابلہ میں جب شاہ عبدالعزیزؒ جامع مسجد تشریف لے جاتے تھے تو سوائے چند محمدیوں کے اور کوئی ان کے ساتھ نہ ہوتا تھا،

انسان بہت ہی گرا تھا، انسانی سیرت کا زوال کیا زوال تھا، ساری متاع لُٹ گئی تھی، فرمایا فتنے اندھیری رات کی طرح آئیں گے، صبح آدمی مسلمان ہوگا تو شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر، اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت کرتا پھرتا ہوگا، فحاشی کا کوئی ٹھکانا تھا، محارم کی پاسبانی جاتی رہی تھی، قیامت کے دن لوگ پہاڑوں کی مثل عمل لے کر آئیں گے، مگر وہ سب برباد کردیئے جائیں گے، فرمایا یہ وہ لوگ ہونگے جو اللہ کے محارم کی نگہبانی نہیں کرتے تھے، قیامت کے دن ہر آنکھ رو رہی

ہر وقت جاری رہتا تھا۔ قلعہ میں عموماً نصف برہنہ عورتوں کا پہرہ رہا کرتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ارذل حالت انسانی ایک معمولی حالت تھی، اور کوئی عیب بھی نہ سمجھتا تھا۔ کوئی امیر ایسا نہ تھا جس کا گھر سو سو، پچاس پچاس بیویوں سے نہ بھرا ہوا ہو۔ ملاؤں نے جہالت پر غضب کی استھا جاشنی کر رکھی تھی۔ نئی نئی قسم کی بدعتوں میں انھیں پھنسا کر اپنا الّو سیدھا کرتے تھے۔ شب برات کے حلوے، بیوی کی صحنک، شیخ سدّو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، بڑے پیر کی گیارھویں، مُردوں کی نا واجب فاتحہ، پھول، دسواں، چہلم وغیرہ وہ ناقابل تنفر رسمیں ہیں جنھوں نے اُن پڑھ مسلمانوں میں گھر کر رکھا تھا۔

اکبر شاہ کے دور کا منظر ان الفاظ میں مرزا حیرت پیش فرماتے ہیں:۔

ناقابل برداشت بدعتوں اور شرمناک شرکوں کی حد ہو چکی تھی، اور کہیں برائے نام دیکھنے سے بھی اسلام کا پتہ نہ رہا تھا۔ اکبر شاہ گور پرست اور پیر پرست تھا، اور وہ ایسے لوگوں کو پیر بناتا تھا اور انھیں ولی اللہ جانتا تھا کہ جن کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہو، جن کی زلفیں لمبی لمبی اور عطر میں لدی ہوتی ہوں، جو پھر پور جھپے پہنتے ہوں، جن کے کپڑے نفیس گیروے رنگے ہوں، اور جو طبلہ کی چوٹ اور قوال کی ہائے ہائے پر لطافت سے گیتیں بھرنا جانتے ہوں جن کے ماتھے قبروں پر گھسے ہوں،

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندان مغلیہ کا آخری چراغ

حضرت ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۳۷ء جلوس تا ۱۸۵۸ء

آج تاریخ ۷ نومبر ۱۸۶۲ء مطابق ۱۴ جمادی الاول ۱۲۷۹ھ دن جمعہ کو وہ روح جو نواسی سال بہادر شاہ کے جسم میں موجود رہی زندگی کے تمام تماشے دکھا کر داغ کی تیاریاں کر رہی ہے، دن ڈھل چکا ہے اور دن کے ساتھ ہی بادشاہ کا پیمانہ عمر بھی لبریز ہو گیا، رنگون کی خاک اس کو آغوش میں لیتی ہے جو خاندان تیموریہ کا آخری چراغ تھا جس نے جہان آباد میں جنم لیا، وہ دہلی سے ہزاروں کوس دور ایک معمولی پلنگ پر دم توڑ رہا ہے، سکرات طاری ہے، سانس اکھڑ چکا ہے جس کی زندگی سچ مچ کا سکھ تھی جس کی زندگی کا ہر لمحہ جگنوؤں میں گزرا آج صرف تین آدمی ایک مرد اور دو بچے اس کے دم واپسیں میں ساتھ ہیں آفتاب بھی غروب ہو رہا تھا کہ اس بادشاہ نے عالم دنیا کو اپنی حسرت کی تصویر دکھا کر دنیا سے کوچ کیا اور شاہ جہان آباد کا یہ گوہر آبدار رنگون کی خاک میں ابدی نیند سو گیا، فاعتبروا یا اولی الابصار،

تاریخ وفات

چودہ جمادی الاولیٰ جمعہ کا روز وقت عصر — حالت قید کے کسی بے بسی میں گزری بہت کٹھن
ہوئے شاہ جب رنگون کیا وطن سے دور — ظفر آپکا دل اے ظفر چلا وطن
۱۲۷۹ھ

BAHADUR SHAH EX- KING OF DELHI
DIED AT RANGOON, NOVEMBER 7TH 1862
AND WAS BURIED NEAR THIS SPOT,

ZINATH MAHAL WIFE OF BAHADUR SHAH
WHO DIED ON THE 17TH JULY, 1886
IS ALSO BURIED NEAR THIS SPOT.

ملکہ نواب زینت محل اعلی اللہ مقامہا ۔ تاریخ وفات ، ۱۴ شوال المکرم ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۸۶ء

رونق زمانی شہزادی بیگم اعلی اللہ مقامہا ۔ تاریخ وفات ، ۳ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۳۰ء

عبدالظہور ... ۲۲ گلی ... رنگون ، (دو سطور برمی زبان میں 7-11-1862)

ہو گی، مگر وہ آنکھ جو محارم سے بچی رہی، فرمایا ایسی آنکھ دوزخ میں نہ جائے گی۔ لوگو، آنکھوں کو بند کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعضا اور شکلوں کو بدل دے گا، بھاگنے والا بھاگ رہا تھا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں، اور کھینچنے والے کی آواز بڑی ہی سوزناک تھی قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ اے اللہ مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں"

پھر کس نے حیرت کی آنکھ سے دیکھا ؟ کہ ایک کے استقبال کے لئے مصر کا تخت[1] جھکا تھا، اور دوسرے کے سر سے اس کی جہاں بانی[2] کا تاج اُتارا جا رہا تھا، ایک کے حصہ میں زندگی کی کامرانیاں اس طرح آئی تھیں کہ جب وہ مصر سے نکلے تھے تو اسی ایک لڑکے کی نسل سے کئی لاکھ انسانوں کی ایک قوم جا رہی تھی، اور دوسرے کے مزار پر ایک لوح نصب تھی، جس پر حرف بحرف یہ لکھا تھا۔

---

[1] حضرت یوسف علیہ السلام،

[2] زوال حشت ابن معلیہ،

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زار و قطار رو رہے تھے، اور کہہ رہے تھے،
کاش! میں درخت ہوتا، اور کاٹا جاتا، فرط گریہ سے صحابہؓ کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں
اور مونہوں کو ڈھانپ رہے تھے،
ایمان والوں کے تو یہ احوال تھے، آج اس کا کہیں سراغ نہ ملتا تھا، سب
حرص و آز میں مبتلا تھے، دین کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا،
اے انسان! تیری بصیرت مند آنکھ اشیاء کے تغیر، حکومتوں کے فنا،
اور شاہوں کے زوال میں حکمت کا کوئی موتی نہ ڈھونڈھ سکی، اور نہ اس راز کو
فاش کرسکی کہ حادث کی تلاش و جستجو ایک فریب ہے،
لوگ ہمہ تن گوش تھے، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے،
اللہ تعالیٰ اس شخص پر تعجب کرتا ہے جو دنیا کا انقلاب دیکھتا ہے، اور پھر
اس کی طرف مائل ہوتا ہے، حساب کا یقین کرتا ہے اور اس کے لئے عمل
نہیں کرتا،
لوگو! قبر آدمی کو ہر روز بلند آواز سے پکارتی ہے کہ تو مجھ کو بھول گیا
میں تنہائی کا گھر ہوں، اور مسافری کی منزل،
انسان آرزوؤں کے میدان میں بہت آگے نکل گیا تھا، لیکن ہادیٔ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فضاؤں میں گونج رہا تھا۔
لوگو! پیٹ اور دماغ کی حفاظت کرو، دنیا کا حرص اور لمبی امید بخت

سیاح کی ڈائری کا ورق کھولا تو لکھا تھا۔

"آج مزار شاہ کے قریب چشمے کا صندوق "گرا شہنشاہ" کے ہاتھ میں

کشکول گدائی"۔ اس فقیر میں یہ دل سوز منظر دیکھنے کی تاب نہ رہی۔

وہاں سے بھاگ نکلنے کو جی چاہا۔ مگر پھر کسی معصوم تصور نے لڑکا جیسے دامن

پکڑ لیا ہو کہ "اپنی بھیک کی کمائی سے ہی سہی اس کشکول عبرت میں

بھی کچھ ڈالتے جاؤ"[1]۔

وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ان سرگذشتوں

نے تم پر حقیقت کھول دی۔ اور یہ سرتاپا موعظت و تذکیر کی داستانیں ہیں۔

خوف و عذاب کس کے پیش نظر تھا۔ سب حیات مستعار کے عشق و تعبد کا شکار

تھے۔ خشیت و الحاح کی وہ کیا پرسوز کیفیتیں تھیں جب حضرات صحابہؓ کا حلقہ تھا، اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ دہر کا مضمون بیان فرما رہے تھے۔

"لوگو! میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے یعنی عذاب،

ان آوازوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے، آسمان اللہ کے خوف سے

چرچراتا ہے، تم اگر عذاب کی کیفیت جان لو، بہت تھوڑا ہنسو اور زیادہ

روؤ، اور عورتوں کے بستروں پر جانا چھوڑ دو، اور روتے چلاتے ہوئے

جنگلوں کو نکل جاؤ۔"

---

[1] جریدۂ سوشلسٹ، جلد ۲، شمارہ ۱۲۔

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں، بلکہ اپنی طرف
بلاتے ہیں، اور اپنی رضا اور خوشنودی کا حکم دیتے ہیں، ایسے لوگ فتنہ
میں مبتلا کئے گئے ہیں، کیا تمھارے لئے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد
میں کوئی عبرت نہیں، اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا
تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ[1]،

لوگوں کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیا تو اس میں حکمران طبقہ کا ہاتھ نظر آیا، لکھتے ہیں:-

اگر برسر اقتدار طبقہ آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی اپنا شعار
بنالے تو اس کا بوجھ عوام پر اتنا پڑ جائے گا کہ سوسائٹی کا اکثر حصہ
حیوانوں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ انسانیت کے
اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں، جب کسی جبر سے انھیں
اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے، اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی
طرح روٹی کمانے کے لئے کام کریں گے، جب انسانیت پر ایسی مصیبت
نازل ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ
ضرور الہام کرتے ہیں، یعنی ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان
پیدا کرکے قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے، ارعون

---

[1] یہی ہمارا سیدھا راستہ ہے پس اس پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا، یہ تمھیں اس کے
راستے سے بھٹکا کر منتشر کر دیں گے۔

کی یاد نہیں، تم آرزو نہیں کرتے ہو مگر نہیں پا سکتے، اُسے جمع کرتے ہو
پر کھا نہیں سکتے، میں آنکھ کھولتا ہوں، اور بند کرنے کا یقین نہیں کرتا،
شاید اس سے پہلے موت آجائے پیالہ اور لقمہ اُٹھاتا ہوں تو گمان
کرتا ہوں کہ شاید پیالہ رکھنے اور لقمہ کھانے سے پہلے اجل آجائے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کے یہ اثرات تھے کہ قریب کی
جو تیموری خاندان کا کاشانہ کانپ رہی تھی، شاہان کے تخت لرز رہے تھے، فتاویٰ عالمگیری
کی تدوین آپ کی دعوت کا ایک کارنامہ تھا، لیکن آج فضا کا عجیب انداز بدلا تھا،
تاج شاہی کے زور سے ہر طرف بدعات پھیل رہی تھیں، نیابت انبیاء کی امتحان کا
خال تھی کہ اس عہد کا یہ مقام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا،

دنیا کا گھر بھی نیا گھر تھا کہ یہاں کفر کی ظلمت کے اندھیرے بھی چھا جاتے رہے،
اور ان اندھیروں میں ہدایت کے چراغ بھی روشن ہوتے رہے، اسلام قبول
کرنے والی اقوام پر تنزل و انحطاط کے دن بھی آتے رہے، اور ساتھ ہی سنت الٰہیہ
اپنی عادت جاریہ سے صحیح انسانوں کو قیام حق کے لئے مستقیم بھی کرتی رہی، خزاں
و افسردگی کے بادل چھائے تھے، اور کوئی کہہ رہا تھا:-

خبردار! خبردار! کسی ایسے شخص کی پیروی نہ کرنا، جو کتاب اللہ و سنت
رسول اللہ کی دعوت نہ دیتا ہو، بلکہ اپنی طرف بلاتا ہو، اس کی بارگاہ
اقدس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ تھا، تم اُن کے پیچھے لگ گئے جو اللہ تم

بڑی مذموم چیزیں ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ان لعنتوں کو برباد کرنے والا ہے، انسانیت کی سربلندی کے لئے ضروری ہے کہ معیشت اور معاشرت میں وہ اخلاق و اوصاف پیدا کئے جائیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے تھے،

دین کی بہار امارت کے ایوانوں میں بیٹھ کر نہیں دیکھی گئی تھی، دین کی اٹھان عیش و تنعم کے سامانوں میں نہیں ہوئی تھی، دین آرام و راحت کی فضاؤں میں نہیں پھیلا تھا، مکہ والوں کا تو یہ حال تھا کہ حکومت چھوڑ کر جا رہے تھے، مدینہ پہنچے تو اپنی محنت سے نئے گھر بناتے، راہ دعوت میں اس مرد حق کا بھی یہی حال تھا، وہ سب کچھ جھیل رہا تھا جو لوگوں کی زبان سے نکل رہا تھا حق بات سے زیادہ بوجھل اور تلخ کوئی بات نہ تھی، امت کو تشبہ بالانبیاء کے اوصاف عطا ہوئے تھے جو بوجھ خدا کے رسولوں کو اٹھانا پڑا تھا وہ اس امت کو اٹھانا تھا، جو بات انبیاء علیہم السلام کو سمجھائی گئی تھی کہ لوگوں کی باتوں سے دل تنگ نہ ہونا آج اللہ کے بندوں کو اس پر عمل کرنا تھا،

بدعات و منکرات کے قہر و غضب سے ارض ہند کا ایک ایک ذرہ کانپ رہا تھا، مصیبتوں کے طوفان اٹھ رہے تھے، لیکن دعوت و تذکیر کی صدائیں اپنا کام کر رہی تھیں،

اس راہ کے ساعی کی غربت کا شاید ایک ہی حال تھا، دنیا کی داد و دہش

کی ہلاکت قیصرو کسریٰ کی تباہی اس اصول پر لازم ثبوت شمار ہوتی ہے[1]

دین سے انحراف کی شکلیں سامنے آتی ہیں تو اپنے دکھ کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

امور دین میں جماعت صالحین کے مشورے کی قید بھی اٹھ گئی، ان لوگوں
کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کی مانند ہو گئی، بس فرق صرف یہ ہے کہ
یہ نماز پڑھتے ہیں، اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے ہیں، ہم اس تغیر
کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں، معلوم نہیں آگے چل کر خدا تعالیٰ کیا
دکھانا چاہتے ہیں،

صوفیوں کا رنگ کتاب وسنت سے زیادہ چھا گیا ہے، افسوس!
منبروں پر دعوت کی مسند بگڑ گئی، تصوف وزہادت کے ٹھکانے
بگڑ گئے، درس کی افتادہ عالم کا مال جاہ، اہل علم کے گوشوں کا تو یہ
تابناکی کا مقام کھو چکا، امراء ورؤسا کی مجالس تفنن طبع اور لطف کلام
کے لئے مشہور ہو گئیں،

کیا عجیب بیان ہے حکیم امت کا، سرزمین ہند کے احوال اس سے جاننے والے
تھے، استغنا، کا کیا ہی کیف تھا سب سے بے نیاز رہتے تھے اور فرمارہے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہی یہی تھا کہ رسوم عجم وعادات
ہنود ہم اپنے اندر نہ آنے دیں، قیصر وکسریٰ کے تعیشات اور تکلفات

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۲،

(ایام دعوت ۱۷۹۳ء تا ۱۸۲۴ء) تھے، جن کی دعوت و تعلیم کا یہ اثر تھا کہ کتاب و سنت کی روشنی سے ہزاروں گھر روشن ہو گئے تھے، ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں علمِ حدیث کی مسند پر آپ کا شاگرد نظر نہ آتا ہو، دین کے اجڑے گلستان میں یہ خاندان کیا ابرِ باراں بن کر برسا تھا، اور اس میں کیا بہار آئی تھی،

ہاں رائے بریلی کے خاندانِ سادات کا ایک نوجوان سید احمد شہید[1] رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کا تربیت یافتہ تھا جس نے صدیقین[2] کی ایک ایسی جماعت پیدا کی، جس کے ایمان و عمل کی جنبش نے ساری انسانی آبادیوں میں تہلکہ مچا دیا تھا، تواریخ عجیبہ[3] میں اُن کے عجیب احوال درج ہیں

جہاد فی سبیل اللہ کی یہ کیا تحریک تھی جس نے صحابہؓ کے دَور کی یاد تازہ کر دی تھی، دین کے لئے یہ لوگ دور دراز مسافتوں میں نکل آئے تھے، اللہ کی خوشنودی پیشِ نظر تھی، اور اس کی رضا کا جذبہ کارفرما تھا۔ ان کا مقصد نہ ملکی غلبہ تھا، نہ سیاسی تفوّق، وہ اللہ کے کلمہ کو سرنگوں نہیں دیکھنا چاہتے تھے، اسی عشق اور سوز نے ان کے احوال بدل دیئے تھے،

مولانا اسمٰعیل شہید[4] رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحیّ رحمۃ اللہ علیہ اسی قافلہ کے سالار

---

[1] تاریخ پیدائش ۱۲۰۱ھ، شہادت ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء،
[2] عفیف شہرت سے باز رہتا ہے، متورّع نفس کو محارم سے روکتا ہے، متقی مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے، لیکن صدیق کا مقام یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتا،
[3] تالیف مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ،
[4] تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ، تاریخ شہادت ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ،

ہیں دہلی مرحوم کا سراغ ڈھونڈنے والے کہاں ہیں؟ آئیں اور وقت کے اُس
جلیل القدر امام کی زندگی کا آپ ہی ساتھ دیکھیں، کس میں ہمت ہو کہ داعی حق
کی زندگی کا آپ ایک ورق بیان کرے، اور کس میں یارا ہو کہ یہ پُرسوز داستان
سنے، جس کی گھڑیاں [illegible] عالم بے کسی تھی، اور عدالت
میں لائے جا رہے تھے، کیا درد انگیز منظر تھا اُن ہاتھوں کا جن کے پہنچے اتروا لئے گئے
تھے، وہ ہاتھ جو معارف قرآن کے حامل تھے خاموش ہو گئے تھے، وہ انگلیاں جو
اسرار نبوت کی راز داں تھیں آج ساکن تھیں، انسانوں کا یہ سلوک تھا کہ آواز آئی؟

چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

اے دلی کی خاک، کچھ یاد ہو کہ عین بقر عید کے دن تجھ پر کیا گذری، اہل دل
اور محمد شاہی دربار کا کیا حال تھا جب نادر شاہ ایک بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوا
اور اس کے قتل عام کی یاد تیری پیشانی پر عبرت کا ایک نشان بن گئی،

یہ ہاتھ ضائع کیوں ہوتے، ان ہاتھوں کی عظمت و مقبولیت کیا پوچھتے ہو،
وہ عظمت عظمیٰ ملی جس نے سارے خاندان پر اعمال نبوت کا دروازہ کھول دیا،

مرض کی شدت بڑھ رہی تھی، بخار بہت تیز تھا، فرما رہے تھے، مجھے اٹھا کر
بٹھا دو، دو آدمی بازو پکڑے ہوتے ہیں، اور آپ کا بیان جاری ہے، حضرت شاہ
ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہ اُن کے فرزند حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، [illegible] اسی صفت بھی [illegible] گذار کر [illegible] کرتے،

ہو جاتی، جو شاید سینکڑوں چلّوں اور برسوں کی ریاضت میں بھی نصیب نہ ہوتی،

جوں ہی آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلتا "اللہ سے ڈرو" روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں، گھنٹوں اور پہروں تک رو رو کر دعائیں مانگتے تھے، لکھا ہے جب دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تو بلند آواز سے عجز و انکساری کے ساتھ دعا فرماتے، اس وقت حالت یہ ہوتی کہ اکثر آدمی بے ہوش ہو جاتے، تین لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت[1] کی،

اے شہیدانِ دینِ مصطفوی اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں
تم پر کہ تمہاری قربانیوں سے دین ہم تک پہنچا ؏

---

[1] اور جو اُن کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاؤں کے ذریعہ بیعت میں داخل ہوئے اُن کی تعداد ڈیڑھ کروڑ تک پہنچی ہے (تاریخ طیبہ)

تھے، لیکن حالت یہ تھی، مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ان دونوں سراج تھا، دہلی سے جن کی تعظیم بادشاہ تک کرتے تھے، جو
تھیں اہل شاد یا تھا، چکی پیستے، دانہ دلتے، گھاس کھودتے، بوجھ اٹھاتے
سائیسی کرتے، غرض کسی ذلیل سے ذلیل کام سے بھی ان کو عار نہ تھی،
روحانی برکات حاصل ہونے کے بعد یہ دونوں خاندانی بزرگ مقتدائے قوم
وامیرزادے، ناز و نعمت میں پلے ہوئے، دہلی کے خوش خوراک، خوش وضع
باشندے اب کبھی کبھی کھچڑی یا اس کی کھرچن کھا کر دو تین وقت کے
فاقے کھینچ کر، اور چٹائیوں یا خالی زمین پر سو کر شاداں و فرحاں رہتے تھے،

آہ! اس دینی تحریک کی کیا تاثیر تھی، زمین کا ایک ایک گوشہ خواب غفلت سے چونک اٹھا تھا، بدعات و منکرات سے اعلان بیزاری تھا، کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی روشنی سے ہر گھر جگمگانے لگا تھا، دینداری، تقوٰی، اور پرہیزگاری کا یہ حال تھا، کوئی گھر تہجد سے خالی نہ تھا، عورتیں دین کے کاموں میں پیش پیش تھیں دعاۃ کے قافلے تمام ملک میں کام کر رہے تھے، حالت بے سروسامانی کی ہوتی تھی، عورتیں اپنا زیور دے کر ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں جس طرح عوام دین کی نصرت کیلئے کمربستہ ہوتے تھے خواص کا بھی یہی حال تھا، اس کشف و ظہور کی عجیب کشش تھی جو ایک مرتبہ آجاتا گھر و خویش بھول جاتا تھا، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں کسقدر اونچا مقام آیا تھا، آپ سے ملتے ہی نفس کا تزکیہ ہو جاتا، اور وہ باعمل

اصحابِ دعوت

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

"(اے پیغمبر!) تم کہہ دو، میری راہ تو یہ ہے میں اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور (اس راہِ دعوت میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے، وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں، اللہ کے لئے پاکی ہو، میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں"

باب ۹ نہم

دَورِ حاضر

سکون وراحت کی قرارگاہ، اضطراب کا اس پر گذر تھا نہ داغ تذبذب نے اُسے چھوا تھا
ہاں جو فطرت اصلیہ کی تابناکی رکھتا تھا، ارتقاء عبدیت کے آخری مقام پر فائز تھا اس
کی جستجو تھی، اور اس کے لئے اعلان وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ "جو اللہ سے
ڈرا اور اپنے نفس کو بدراہوں اور بدعملیوں سے روکا تو اس کے لئے دو جنتیں ہیں"

حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِنَّ فِی الدُّنْیَا جَنَّةً، دنیا میں بھی ایک
جنت ہے، مَنْ لَّمْ یَدْخُلْهَا جو اس جنت میں داخل نہ ہوا لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ الْاٰخِرَةَ
وہ آخرت کی جنت میں بھی کبھی داخل نہ ہوگا، فَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی جو شخص اس
دنیا میں ظلمت وشک میں مبتلا رہ کر بے بصیرت رہا فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وہ آخرت
میں بھی اپنی بصیرت کی گم گشتگی پہ ماتم کرے گا، لیکن پکارنے والے کی آواز اس دن
اسے پکارے گی یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ،
جس دن نہ نفع دے گا مال اور اولاد، مگر جو شخص آئے پروردگار کے ہاں قلب سلیم لے کر"

قومیں اور ملک اپنے مقصد میں ناکام تھے، صداقتیں معدوم تھیں،
معیشت گم، تمدن رسوا، عدالت بدنام، احتیاج طویل، اسے یقین آئے تو کیونکر،
انسان جو چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا، دراصل ہر چیز میں مادہ ہے، اور اس میں روحانیت
کا جزو، انسان مادہ کو چاہتا ہے، مادہ حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اس کی روحانیت جو اللہ
کی مشیت ہے اس کو نہیں پا سکتا، یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اللہ
کو اپنا بنا لیتا ہے، جب مشیت والے اعمال انسان سے سرزد ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ

خدا کی مرضی آجائے، اپنے ارادہ کی جگہ خدا کا ارادہ سامنے ہو، یہ نیابت و خلافت کا مقام ہے، نسبت الٰہی کا یہی وہ مرتبہ ہے جسے فنا فی المحبوب کہتے ہیں، یہیں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صدائیں ہویدا ہوتی ہیں، ایک داعی ساری نسبتوں سے بے نیاز اور سارے امتیازوں سے کنارہ کش ہو کر کہتا ہے کہ اس نسبت سے بڑھ کر اور کونسی نسبت ہو سکتی ہے،

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ	اور کون بہت اچھا ہے قول میں اس شخص
وعمل صالحا وقال اننی من	سے جو اللہ کی طرف بلاتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو
المسلمین،	اور کہتا ہو کہ میں اللہ کا فرمانبردار ہوں،

یہ چار چار مہینے کی دعوت تو ایمان کی ا، ب، ت ہے، جس طرح بچے پرائمری درجے میں داخل کئے جاتے ہیں، اور ان کو قاعدہ پڑھایا جاتا ہے، یہ تو نچلے درجے کی دعوت ہے، جب دین کے لئے جانیں دینے والا جذبہ آئے گا، تو پھر ملکوں کی کایا پلٹے گی عدل نمایاں ہوگا، احسان آئے گا، مساوات آئے گی،

انسان اپنے موضوع کے اعتبار سے اتنا بلند ہے کہ تمام دنیا انسان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی حیثیت نہیں رکھتی، تمام مخلوقات اسے نہیں، لے صفت خالقیت کے مظاہرہ کیلئے بنایا لیکن انسان کو اپنی صفات کا مظہر بننے کیلئے بنایا، صورت کے اعتبار سے انسان کا تعلق دنیا کی چیزوں سے معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے تمام چیزوں کا سہارا انسان ہے، انسان جتنا اپنے موضوع سے ہٹے گا اتنی عالم کی تخریب ہوگی، جب یہ اپنے

کی مشیت انسان کے موافق ہو جاتی ہے، غیر نسبت والے اعمال پر نصرت نہیں کی جاتی، چاہ کے اندر چاہ ہے، جب تم اپنی چاہ اللہ کے لئے قربان کر دو گے تو وہ تمہاری چاہ پوری کر دیں گے، چاہ اور طلب کا مقام بھی کیا مقام ہے، اِذْ جِئْنَا اِلٰی رَبِّکَ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً[1] جب آدمی اس مقام کو پا لیتا ہے تو اللہ سے سب کچھ پا لیتا ہے اور سب کچھ طلب کر سکتا ہے۔

انسان کا ہاتھ مادہ کی بلندیوں کو مس کرنے لگا۔ مادہ کی معلومات ناقص تھیں پہچان نہ سکا کہ اس سے امن آئے گا یا ہلاکت، مادہ کے نفع و نقصان کا علم اس کے اختیار سے باہر تھا، اس نے اپنی احتیاج کے لئے کئی گنا مادی اجزاء جمع کئے لیکن بہ وثوق سے کچھ نہ کر سکا، اس سے اس کی احتیاج پوری ہو گی یا معاملہ بڑھے گا، اعمال کی نسبت مخلوق سے جڑی تھی، اس لئے انسان بے قرار تھا، اس کی ضروریات ختم پھر ان ختم ہونے والی حاجتوں اور ضرورتوں کے اندر نہ ختم ہونے والا اضطراب مخفی تھا، طمانیت مفقود تھی اور سکون چھن چکا تھا۔

اعمال کی نسبت اگر خالق سے قائم ہوتی تو اس کا چھوٹے سے چھوٹا عمل آگ، لوہا، پانی اور ہوا والی مخلوق پر بھاری تھا، اپنی ذات کے اعتبار سے انسان کی کوئی قیمت نہیں، جس قدر قیمت ہے وہ نسبت کے اعتبار سے ہے، اسی سے انسان تشبہ باللہ کا بلند مقام حاصل کر لیتا ہے، یعنی خدا کی صفات سے مشابہت پیدا کرنے کا مقام ہے، تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ، خدا کا اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، اپنی مرضی کی جگہ

---

[1] پر جا طرف پروردگار اپنے کے گرد نشی ہو آپ سنگی گئی

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ جس دن کانپے گی زمین (کانپنے والی تَتْبَعُہَا الرَّادِفَۃُ، آوے گی اس کے پیچھے آنے والی، قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ کتنے دل اس دن دھڑک رہے ہوں گے، اَبْصَارُہَا خَاشِعَۃٌ اور آنکھیں اُن کی (مارے خوف کے) جھکی ہوں گی، موت ناخوش تھی اور حیات مستعار سنواری جارہی تھی، یہی وہ پیش آنے والی حالتیں تھیں جن کی صادق المصدوق خبر دے رہے تھے:۔

ایسا ہوگا کہ دنیا کی قومیں تم سے لڑنے کے لئے اکٹھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے بھوکے ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے ہیں، ایک شخص نے عرض کیا یہ اس لئے ہوگا کہ ہم اس وقت تھوڑے ہوں گے، اور دشمن بہت؟ فرمایا نہیں مسلمان تو اس وقت بہت ہوں گے مگر ایسے ہو جائیں گے جیسے دریا کے جھاگ کا کوڑا کرکٹ، جس طرف بہہ رہا ہے بہہ جائے گا، تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی، اور تمہارے دلوں میں "وَہْن" پیدا ہو جائے گا، قِیْلَ وَمَا الْوَہْنُ، کسی نے پوچھا وہن کیا ہے فرمایا حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاہَۃُ الْمَوْتِ الخرجہ، دنیا کا عشق، اور راہِ حق میں موت کو ناخوش جاننا اور اس سے بھاگنا (ابو داؤد)

دنیا کی یہی ہوس اور محبت تھی جسے دنیا کا یہ سب سے بڑا انسان ختم کرنے آیا تھا، یہی وہ سب سے بڑا گناہ تھا جو انسانیت کے چہرے کا بدصورت داغ بنا تھا، انسانیت کے

موضوع پر نہیں رہے گا تو تمام عالم پر ہلاکت چھا جائے گی، تمام عالم کی تخریب کا الزام انسان پر آئے گا۔ ساری کائنات انسان سے قائم ہے، اور انسان اللہ سے قائم ہے، جب انسان کے پاس اصل صفات در ہیں گی زمین و آسمان کھڑے تو رہیں گے مگر حقیقت یہ ہے، انسان کے مقصد کے ساتھ عالم کے مقاصد وابستہ ہیں، اس کا مقصد تمام مقاصد کا سردار ہے، اگر انسان کا مقصد بگڑ جائے گا، تمام عالم کے وجود میں خرابی آجائے گی، تمام کائنات اس وقت تک صحیح رہے گی جب تک انسان صحیح رہیں گے، انسان اس لئے بنا کہ اللہ کی صفات اس دنیا میں لائی جائیں، باقی کائنات کی چیزوں سے اللہ کی صفات وجود میں نہیں آئیں گی، زمین سے غلہ تو آسکتا ہے لیکن عدل، رحم اور خلق عظیم نہیں آسکتا، چیزوں سے چیزیں آئیں گی، لیکن انسان سے صفات باری تعالیٰ ظاہر ہوں گی، انسان سے نیک صفات نکلیں گی، تو تمام کائنات سے خیر ہی صفت نکلے گی، ہلاکت کے آثار اس وقت نمایاں ہوتے ہیں جب اچھی صفات معدوم ہو جاتی ہیں، قوم نوح جب اپنے موضوع سے ہٹی تو حق تعالیٰ نے اس کی ہلاکت کے اسباب پیدا کر دیئے،

نئے طوفان کا سامان ہو چکا ———— بادل کے گھر چکے، گھٹاؤں کے برسنے اور طوفانوں کے اٹھنے میں اب کیا دیر باقی ہے؟

دنیا کا عشق بھی کیا عشق تھا، اس کے عیش و نشاط کی گھڑیاں بھی عجیب گھڑیاں تھیں، انسان اس میں جھک گئے، اس دن کا منظر کس کے سامنے تھا،

امراء کی دولت بڑھ رہی تھی، عیش و راحت کے سامانوں میں جب اخلاق کی تلاش محال ہوئی تو ساری انسانیت کو گھن لگ گیا، تہذیب و تمدن کے ایوان انہی کے لئے بنے، سیاست و سیادت کا اہل انھیں قرار دیا گیا، دنیاوی وجاہتیں انہی کے لئے وقف ہوئیں، راحت کے ابواب ان کے لئے کھلے، سکون ان کے حصہ میں آیا، اطمینان انہی کے لئے بنا، عیش و نشاط کی بزم میں انسانیت کے غم کا کہاں گذر تھا، فرمایا جب تمھارے امیر بدترین لوگ ہوں، تمھارے مالدار بخیل ہو جائیں اور تمھاری حکومت عورتوں کے اختیار میں چلی جائے[1] تو پھر زمین کا اندر تمھارے لئے زیادہ اچھا ہوگا بمقابلہ اس کی سطح کے، یعنی انسان بے قیمت ہو جائے گا، انسانیت رسوا ہوگی، عزت باقی نہ رہے گی، غیرت دلائی کہ مرجانا ہی بہتر ہوگا،

مقصد الٰہی شفقت، رحمت و احسان ہے، لیکن جب ایک گروہ اپنی منفعت کے لئے اللہ کے بندوں پر ظلم کرتا ہے، ان کی معیشت چھینتا ہے، اُن کی پس ماندگی پر اسے رحم نہیں آتا، ان کی بے چارگی پر رحم نہیں کھاتا اور یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کی راہ میں مزاحم بنتا ہے، تو عدل قائم کرنے کے لئے دوسرے طریقوں کی بھی اجازت دی ہے۔

عدل کی بنیادیں اسلام نے اتنی راسخ کی ہیں کہ مادی دنیا کے ریفارمر وہاں تک نہیں پہونچ سکتے وہ سطحی اور نظری مساوات لا سکتے ہیں، جو اسلام کے عدل کا

---

[1] یہ اشارہ ہر شاہ اِن نفس پرست اور امراء و عمال کی حرم سراؤں کی زندگی کی طرف، گویا سررشتہ حکومت مجلس شوریٰ اور اصحاب حل و عقد کی جگہ حرم سرا کے عشرت خانوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا، عورتیں جس چال چلائیں گی، چلائیں گی (ابوالکلام)

سسکنے اور تڑپنے کا بھی باعث تھا، دنیا کی یہی وہ بدترین حقیقت تھی کہ ایک چھوٹا طبقہ انسانوں کی بڑی کثرت کو اپنی حرص و آز کا نشانہ بنایا، اُن سے ان کا آرام چھینا، علم چھینا، کلچر چھینا، ان کے پاس کچھ باقی نہ رہنے دیا، اور ایک وقت اُن پر ایسا بھی آیا کہ جب چند انسان عیش و راحت کے ایوانوں میں زندگی کے مزے لُوٹ رہے تھے، تو انسانیت کی ایک بڑی تعداد سسک سسک کر جان دے رہی تھی، ان حالات میں قانون کو تسلط و عدل حرکت میں آتا ہے[1]، قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کر کے ظلم کے نتائج کا اعلان کرتی ہے،

لَقَدْ اَرْسَلْنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ،

ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا، اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو بھیجا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور لوہا پیدا کیا جو ہتھیاروں کی شکل میں سخت خطرناک بھی ہے اور ساتھ ہی بہت سی منفعتیں بھی انسانوں کے لئے اپنے اندر رکھتا ہے۔

قرآن بین الاقوامی کتاب ہے، جو پوری تشریح کے ساتھ نظام عالم کے قوانین اساسی بیان کرتی چلی گئی ہے، اسلام کسی گروہ اور طبقہ کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ انسانیت کی ایک بڑی تعداد کو اپنی حرص و آز کے لئے استعمال کرے اور دبائے،

---

[1] زبردستوں کی انقلابی تحریکیں کیا ہیں؟ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (ان پر سختی کرو) کا ذکر ان سے ( ) کے تحت اعلان تعدیل! دیکھو تاریخ عالم!

سے وہ پہچانے جاتے تھے،

اَلسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ، زمین اور آسمان ایک محکم تدبیر میں چل رہے ہیں ایک نظام کے ماتحت حرکت کر رہے ہیں، نہ ان میں افراط ہے نہ تفریط، نہ معارض ہیں نہ مخالف، کائنات کا یہ نظام ایک عدل کے ماتحت قائم ہے، هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ کیا تم اس میں کوئی خرابی دیکھتے ہو، هَلْ تَرٰى مِنْ تَفٰوُتٍ کیا اس میں کمی بیشی پاتے ہو، ایک مبصر خالی الذہن ہو کر اپنی فطری عقل سے جب دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ سارا نظام جو ایک دوسرے کا معاون ہے، مخالف نہیں، ضرور کسی عادل کی طرف سے قائم ہے، باریک بیں نگاہیں مدبر حقیقی کا اس نظام عالم کی رفتار سے یقین کر لیتی ہیں کہ کوئی اس کا صانع اور چلانے والا ہے، بو علی سینا اور ابو سعید ابوالخیر ایک مجلس میں جمع ہوئے، ایک فلاسفر تھا، دوسرا صوفی، ابو علی نے بعض حقائق اپنی عقل سے ثابت کئے شیخ ابو سعید نے کہا، یہ جو کچھ اپنی عقل سے ثابت کر رہا ہے میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں،

(حاشیہ صفحہ ۳۵۴ کا) باطن دونوں طرح سے کی جاتی ہے، امام نبی کا نائب ہوتا ہے، واقعہ ہے کہ ایک جذامی عورت بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی حضرت عمرؓ نے اس سے کہا، گھر میں طواف کر لیا کرو، تمہیں بیت اللہ کے طواف کی حاجت نہیں، وہ گھر میں بیٹھ رہی، جب حضرت عمرؓ وفات پا گئے تو کسی نے اس سے کہا اب تو بیت اللہ کا طواف کر، حضرت عمرؓ انتقال فرما گئے، جواب دیا ان کا حکم جس طرح اس وقت قابل عمل تھا اسی طرح آج بھی قابل عمل ہے، اور اس طرح جب ماں نے بیٹی سے کہا کہ دودھ میں پانی ملا دے تو بیٹی نے کہا، ماں یہ نہیں ہو سکتا امیر کا حکم ہے،

کا ایک جزو تو ہو سکتی ہے، لیکن مدارِ فطرت نہیں۔ وقتی طور پر انسان چیزوں میں اپنی
حاجت روائی دیکھتا ہے۔ دراصل دنیا کی کسی چیز سے اس کی احتیاج پوری نہیں
ہوتی، زراعت سے غلہ تو حاصل کر سکتا ہے، لیکن کپڑا اور دوسری ضرورتیں پوری
نہیں کر سکتا، اس کے لئے روپے کا محتاج ہوتا ہے، روپے سے جو چاہتا ہے خریدتا
اور پھر چند چیزیں ہی خرید سکتا ہے، جب وہ پیچھے ہو جاتا ہے پھر حاجت مند ہو جاتا
لوگوں نے کہا، ملک ملے گا تو ہماری ساری احتیاج پوری ہوں گی، وہی پچھلا
زمانہ لوٹ آئے گا، گیہوں سستا ہوگا، روپیہ عام ہوگا، زندگی کا معیار اونچا ہوگا، لیکن
سو سال کی محنت کے بعد جب ملک ملا، تو وہ حاصل ہوا جو اللہ کو منظور تھا، انسان
صورت کی بنا پر لینا چاہتا ہے، حق تعالیٰ صفات و سیرت کی بنا پر دینا چاہتے ہیں
انسان کامیابی چیزوں میں دیکھتا ہے، لیکن کامیابی اللہ کے طریقوں میں تھی، اگر
چیزوں پر محنت سے کامیابی آتی تو انبیاء علیہم السلام کا طریق ہدایت کامیاب نہ ہوتا
بلکہ فرعون، ہامان، نمرود، اور دیگر مغضوب قومیں کامیاب ہوتیں، دنیا کی
تاریخ یہ بتاتی ہے کہ نتیجہ کی کامیابی ان کے حصہ میں نہیں آئی جو مادہ پر محنت کرتا
تھے، بلکہ ان کے حصہ میں آئی جو ایمان پر اپنی قوت لگاتے تھے، مشرق و مغرب
میں کمزور تھے، زمین کے کسی حصہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی، جب خاص قسم کا
ایمان ان میں آیا، تو عالم کا ان کو امام[1] بنایا گیا، توحید ان کا نشان تھا، اتقاء اور

---

[1] امام بادشاہ سے افضل ہوتا ہے۔ بادشاہ کی اطاعت ظاہر میں کی جاتی ہے، لیکن امام کی اطاعت ظاہرا
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۵ پر)

نیکی و عدل کا پیغام لے کر پھرنے والے ہوں گے، اُن کا اپنا امتیاز یہ ہوگا کہ گمراہی اور فساد سے محفوظ رہنے والے ہوں گے، دنیا کی اقوام پس ماندہ ملکوں اور قوموں میں اعتدال پیدا کرنے کی خواہاں ہیں، یہ عدل والی بات تھوڑی ہے، یہ تو پہلے والی بات ہی، اسلام کی تعلیم کا انقلاب دیکھو، دنیا اور اس کے عیش کی تعمیر جو کم زور کے خون اور آنسو کا نتیجہ تھی، دنیا کے اس عظیم انسان کی عملی زندگی نے اسے کس طرح پامال کیا، عبداللہ بن مسعود رضہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوریا پر سے سو کر اٹھے تو آپ کے بدن مبارک پر بٹوں کے نشان پڑ گئے تھے، میں ان کو دیکھ کر رو دیا، تو فرمایا اے عبداللہ! تم کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو ریشم اور اطلس پہنتے ہیں، اور اللہ کے برگزیدہ نبیؐ اس حالت میں ہیں، اجازت ہو تو آپ کے لئے کوئی نرم فرش بنا دیں، فرمایا، اے عبداللہ! اُن کے لئے دنیا ہی، اور ہمارے لئے آخرت، میرا دنیا سے اتنا تعلق ہے جیسے کوئی مسافر دوپہر کو گرمی کے وقت ذرا دیر کے لئے درخت کے سایہ میں دم لے، اور وہاں سے پھر چل دے، اور درخت کو چھوڑ دے، مصلحین کے کئی نمونے پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن اس مصلح اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے مقابلے میں کوئی شخصیت نہیں لائی جا سکتی، جب آپ کے سامنے دودھ اور شہد پیش کیا گیا، تو فرمایا، میں دو چیزوں کے ایک ساتھ کھانے کو حرام تو نہیں کہتا، مگر مکروہ جانتا ہوں کہ قیامت کے دن دنیا کی زائد نعمتوں کے متعلق سوال کیا جاؤں:

بعض عمیق نظروں سے کائنات کا مطالعہ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ انسان
چھوٹی چھوٹی ذاتیں دیکھتا ہے، اور ان کے آگے جھک جاتا ہے، کائنات میں اسے
حاجت روائی نظر آتی ہے، اور اپنے میں حاجت دیکھتا ہے، اپنی حاجتوں کو حاصل
کرنے کے لئے محنتوں کے میدان قائم کرتا ہے، لیکن فکر یہ ہے کہ تمام کائنات
کی حاجت روائی کا انتظام کہاں سے آیا! انبیاء نے اس چیز کو کھولا کہ خالق کائنات
کے پاس انسان کے لئے بے پناہ حاجتیں موجود ہیں اور ان حاجتوں کا بے پناہ انتظام
موجود ہے، انسان نے حاجت روائی کی چیز کو حاصل کیا تو بھی کامیابی حاصل
نہیں کی، ہو سکتا ہے ان چیزوں میں فائدہ کی بجائے نقصان ہو، انسان کی کششیں
نہ پائیدار ہیں نہ موافق، ان حاجتوں سے حاصل ہونے والی چیزیں بھی عارضی ہیں؛
اصل معاملہ انسان کے اعتدال[1] ہونے کا ہے، یہی اس کا موضوع ہے، جب یہ
اپنے موضوع پر پورا اترے گا تو تمام چیزوں میں انسان کے لئے موافقت آئے گی؛
وَسط کا لفظ عدل کے معنی میں بولا جاتا ہے، فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ
أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ جس جماعت کا فرض امر بالمعروف اور
نہی عن المنکر ہو اس سے بڑھ کر اور کونسی جماعت عند اللہ و عند الناس عادل
ہو سکتی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے عدل قائم
کرنے والی امت بنایا، تاکہ دنیا کے لئے ایک گواہ عادل کی حیثیت سے شہادت
دے سکو، امت کی عدالت نص صریح سے ثابت ہو گئی، یعنی اس امت کے گروہ

---

[1] یعنی عدل [illegible]

کہ تمھیں ایک سوار کے زاد راہ کے برابر زاد کافی ہے، یہی حال ہاشم بن عتبہ رضؓ کا تھا، جب حضرت معاویہ رضؓ اُن کے پاس آئے تو وہ رو رہے تھے، انھوں نے کہا، اے ماموں آپ کس درد کی شکایت سے روتے ہیں، یا کچھ دنیا کی طمع ہے؟ فرمایا، اس لئے روتا ہوں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے عہد لیا تھا جسے ہم نے پورا نہیں کیا، پوچھا، کیا عہد ہی؟ آپ نے فرمایا تھا کہ تمھیں دنیا میں ایک خادم اور جہاد کے لئے سواری کافی ہے، اور میرے پاس آج کے دن بہت کچھ مال ہے۔" جب فوت ہوئے تو کل تیس درہم مال نکلا،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے پانی طلب کیا تو شہد ملا کر پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا یہ پانی شیریں ہے، میں نے سنا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس قوم کی مذمت بیان فرمائی ہے جو دنیا کے مزے اور خواہش کے پیچھے لگ گئی تھی، فرمایا، اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا میں خوف کرتا ہوں کہ ہماری نیکیوں کا شاید ہمیں دنیا ہی میں بدلہ نہ مل جائے، آپ نے اس پانی کو نہ پیا

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ جب گوشت کھانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، تو فرمار ہے تھے، کیا تم سب خوشیاں یہاں کرنا چاہتا ہو، اپنے ہمسایۂ اور بھائی کی خدمت کے لئے اپنے پیٹ کو صبر نہیں دیتے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سچ تھے، اور آپ فرمار ہے تھے،

" تمھاری کیا حالت ہوگی جب تم ایک لباس صبح کو پہنو گے اور ایک شام

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ابو رافع رضہ کی گھر والی ہیں، کہتی ہیں کہ میرے پاس حسن بن علی، عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) تشریف لائے۔ انھوں نے کہا، ہمیں وہ کھانا کھلاؤ جسے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پسند فرماتے تھے۔ میں نے کہا اے میرے بچو! تم آج اسے پسند نہیں کرو گے، پس میں اٹھی اور جَو لیکر پیسے، بے چھنے آٹے کی روٹی پکا کر اُن کے آگے رکھی، اور روغن زیتون کا سالن جس میں کالی مرچ ڈالی گئی تھی دیا، اور میں نے کہا اس کھانے کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) دوست رکھتے تھے۔

یہی احوال امت کے اُن افراد کے تھے جو عالم میں عدل کے داعی بن کر آئے تھے۔ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر ہیں، خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں:۔

"لوگو! دنیا جلد ہی چلی جاتی ہے، بہت قلیل باقی ہے، جیسے برتن میں لپٹا ہوا کچھ طعام باقی رہ جاتا ہے، پس تم آخرت کی طرف کوچ کئے جاتے ہو، تم یہاں نیکی اور عدل اختیار کرو، اور اس کے ساتھ رخصت ہو، جہنم انسانوں سے بھر جائے گی جس کی گہرائی کا کیا پوچھتے ہو؟"

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت بیمار ہیں، جب فوت ہونے کا وقت قریب آیا، لوگ بیمار پرسی کے لئے گئے، اور کہا، اے خباب! خوش خبری ہو کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر داخل ہوں گے، وہ اپنے گھر کی طرف اشارہ کر کے رونے لگے، اور کہا یہ کیسی تکلیف کی عمارت ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا

جسم کے تقاضے رُوح سے پورے ہو سکتے ہیں لیکن روح کے تقاضے جسم سے پورے نہیں ہو سکتے، رُوح کی غذا زراعت نہیں، تجارت نہیں، رُوح کی غذا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے نمونے ہیں، آپؐ کے اخلاق اور اعمال ہیں، اگر انسان کی شخصیت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشکیل پر ہوں تو دنیا اور آخرت کی کامرانیاں اس کے حصہ میں آسکتی ہیں،

ایمان و احتساب کے ذیل میں اس باب کی یہ تمہیدی سطور تھیں، آئندہ صفحات لکھنے بیٹھا تو ایک دوست امریکہ میں مقیم ایک صاحب کا خط لائے جس میں انھوں نے لکھا تھا۔

عزیزی سلمٰ الرحمٰن ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ ،

یہ خط ایک ضروری امر کے سلسلہ میں لکھ رہا ہوں، یہاں ایک بلند پایہ تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ ہے، اس میں ہر مذہب کے پیرو شامل ہیں، اس گروہ والے سال بھر کے لئے ایک مضمون متعین کر دیتے ہیں، اور ہر ماہ اس مضمون پر مقالے لکھے جاتے ہیں، بعد میں بڑی دلچسپ بحث ہوتی ہے، اس سال کا مضمون حسب ذیل ہو۔ "انٹرنشنل ازم کی مذہبی بنیادیں" The Religious foundations of Internationalism

مجھے انھوں نے اسلامی نقطہ نگاہ، بیان کرنے کے لئے منتخب کیا ہے، یہاں اس مضمون کے لئے مواد کم دستیاب ہو سکتا ہے، یہ مضمون چونکہ حضرت

کو اور تمھارے آگے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور ایک اٹھایا جائیگا
یعنی تمھارے سامنے طرح طرح کے کھانے رکھے جائیں گے، اور تم
اپنے گھروں کو کپڑوں سے ایسا ڈھانکو گے جیسے کعبہ شریف ڈھانیا جاتا
ہے. لوگوں نے عرض کیا ہم اُس وقت اس وقت سے اچھے ہوں گے
کیوں کہ عبادت کے لئے فارغ ہوں گے، اور معاش کا فکر نہ رہے گا
فرمایا نہیں اس دن سے تم آج اچھے ہو۔

انسان دو نسبتوں کا مجموعہ ہے، ایک نسبت تمام مادّے سے تعلق رکھتی ہے،
جو جسم سے متعلق ہے، دوسری نسبت رُوح سے تعلق رکھتی ہے،
انسان ایک طرف صفات الٰہیہ سے تعلق رکھتا ہے،
دوسری طرف دنیا کی چیزوں سے تعلق رکھتا ہے، جتنے کمالات ہیں وہ رُوح کی
نسبت سے ہیں، اگر انسان جسم کے تقاضے پورے کرنے میں منہمک ہو جائے تو
رُوح جسم کے تابع ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ انسان بالکل بے قیمت ہو جاتا ہے، انسان
جب توحید سے سرشار ہوتا ہے، تو روح کی ترقی ہوتی ہے، اور تمام عالم میں امن
اور چین آتا ہے، رحم اور عدل آتا ہے، انبیاء علیہم السلام ایک نسبت کی محنت کے
لئے آئے جو پوشیدہ ہے اور پوشیدہ چیز روح ہے، جسم کے تقاضے والی چیزوں کو
وہ غیر اہم قرار دیتے ہیں، کیوں کہ سارے انسانی کمالات روح سے تعلق رکھتے
ہیں، آج کی محنتیں اجسام کی محنتیں ہیں، رُوحانی محنتیں نہیں،

جماعتوں کے سامنے جدوجہد کے کئی میدان تھے، اشخاص مختلف محنتوں میں منہمک جو جس پر محنت کر رہا ہے اس کی حقیقت کو اس پر کھولا جا رہا ہے، اور محنتوں کے فوائد و نقصان ظاہر کئے جا رہے ہیں، محنتیں مادہ پر صرف ہو رہی ہیں، اس لئے مادہ کے حقائق ظاہر ہو رہے ہیں، انسان کا فضاؤں میں اُڑنا، پہاڑوں کی بلندیوں کو طے کرنا، سمندروں کی تہہ تک پہنچنا، انسانی محنتوں کے نتائج ضرور ہیں، لیکن انسانی محنتوں کا کمال نہیں یہ کام تو دوسری مخلوق بھی کر لیتی ہے، ہوا کے پرندوں، سمندری مچھلیوں اور پہاڑی درندوں سے یہ بعید نہیں، مادی اشیاء اور جمع مال میں دن رات کا انہماک انسان کے لئے وجہ فضیلت کیوں ہو؟ جب ایک ادنیٰ جانور بھی دن رات ڈھونے کے کام سے فرصت نہیں پاتا، انسان تمام مخلوقات سے اس اعتبار سے افضل ہے کہ اسے خاص صفات کا حامل بنایا گیا ہے، انسان اپنی محدود عقل کے مطابق محدود چیزوں پر محنت کرتا ہے، محدود دنیا کا انتظام چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ لامحدود دنیا کا انتظام کرنا چاہتے ہیں، انسان اللہ تعالیٰ سے محدود لینا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ لامحدود دینا چاہتے ہیں، انسان دنیا کی بھوک و پیاس کو سامنے رکھ کر محنت کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو اونچے درجہ کی ضروریات کے لئے محنت کرانا چاہتے ہیں، انسان اس دنیا کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے محنت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کی اخروی ضروریات کو سامنے لا کر محنت پر ڈالنا چاہتے ہیں، جس طرح اس دنیا میں ضرورتیں ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد کی کچھ ضرورتیں ہیں، اُن ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہاں نہ تجارت ہوگی،

مولانا کے فکر سے ملتا جلتا ہے، اس لئے میں آپ کو لکھ رہا ہوں،
آپ اس کے متعلق جتنا مواد میرے لئے بہم پہنچا سکیں جلدی جمع
کر کے بھیج دیں"

مادی افکار اور مادی ساماں امن نہ لا سکے، دنیا صداقت کی تلاش میں نکلی،
لیکن امت سے دعوت کا عمل نکل چکا تھا، حاملین دین مانیت کے گوشوں میں
سر بزانو تھے، اور یورپ اپنی نیشنل تہذیب کو انٹرنیشنل (بین الاقوامی) بنانے کی
سعی میں مصروف تھا، کوئی نہیں، حقائق کا اعلان کرے کہ جو ازم تم نے پیدا کیا ہو
وہ ٹیکنیکل ازم ہے، یا لبرل ازم، یا سوشلزم[1]، یہی یوروپین ازم ہے،

نپولین کے زمانے سے اس یوروپین ازم کو انٹرنیشنل بنایا جا رہا ہے، ان افکار
کا بین الاقوامی ہونا تو درکنار، یہ ازم ان کے اپنے خلفشار کو دور نہیں کر سکا، نپولین
سے لے کر اب تک کونسی گھڑی ان پر امن کی گذری ہے، یورپ نے چھوٹے بڑے
کام کے لئے مشینیں ایجاد کرلیں، اور اس مشینی دوڑ Tenucal Same میں
آگے نکل گیا، اور مشرق پیچھے رہ گیا، اس لئے وہ ترقی یافتہ کہلایا، ٹیکنیکل ازم....
...... سے مشینیں ضرور وجود میں آئیں، لیکن اخلاق و سیرت کی تعمیر ہاتھ نہ
آئی، مشینوں کی ترقی سے یہ انٹرنیشنل تو نہ بن سکے، لیکن اقوام شرق کے اعمال
اخلاق، معاشرت و تمدن غارت ہو گئے،

---

[1] سوشلزم سے مذہب خارج کر دیا گیا ہے

نسبت خارق سے بھی ہے، مادّہ اپنی اصلی حالت پر رہے گا صرف مادہ پرہی تمھارا انحصار تمھیں ختم کردے گا، ضرور ہو کہ دوسری نسبت بھی تمھاری قوی ہو،

انبیاء (علیہم السلام) نے جتنی رُوحانی ترقی کی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روحانیت ان سے کہیں زیادہ ہے ان کے طریقے اوران کی والی محنت آج بھی ویسی ہی طاقتور ہے جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے تھی، آپؐ کا قیامت تک کے لئے نبی ہونے کا مقصد یہی ہے کہ آپؐ کی والی طاقت تمام زمانوں میں اور تمام مکانوں کے لئے دوسری طاقتوں کو ختم کرتی رہے گی،

صبح صادق کا طلوع کہاں کہاں، اور کن کن مہیب عالم کے تاریک گوشوں کو منور کردیتا ہو، دور ستاروں کی دنیا آفتاب کی روشنی سے جس طرح روشن ہوجاتی ہو اسی طرح آفتاب نبوت کی ضیا پاشی جب کسی قلب کو انوار اندوز کرتی ہو تو نہ معلوم کتنے اقطاع ارضی چمک اُٹھتے ہیں،

اخلاقی واجتماعی تنزل کا کیا آخری دَور آیا تھا، پچھلی روشنی کی جگہ ایک نئی تاریکی چھاگئی، انگریزی عروج کی داستان بھی عجیب داستان تھی، اس کے غلبہ و استیلاء نے قیادت کی عنان سنبھالی تو ہر جگہ اس کی باتیں ہونے لگیں، دین کے تقاضے ذہنوں سے محو ہوگئے، سرمایۂ فکر دوسروں کا دیا ہوا رہ گیا،

حالات پُر آشوب تھے، لیکن دین کے تحفظ واحیاء کے لئے کئی اہم شخصیتیں مصروف تھیں، جنھیں ایثار فی اللہ میں بہت اونچا مقام حاصل تھا، یہ اخلاص و

نہ ملازمت، سوچنا یہ ہو کر رہنے کے بعد کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام ان ضروریات کا حل لے کر اس دنیا میں آتے، اور وہ حل احکام خداوندی ہیں، جو انسان جتنی کوشش کرکے اعمال حسنہ بجالائے گا، اتنا ہی اخروی ضروریات کا انتظام ہوتا جائے گا، ہماری عقل اور علم صرف مادی ترقی کو تسلیم کرتا، مادہ اصل نہیں، روح اصل ہے، مادہ صورت ہو اور روح حقیقت، اعمال کی ایک صورت ہو اور ایک حقیقت، صورت مادہ ہے اور حقیقت روح یہ بات ہرگز نہیں کہ جو غیب میں ہے اس کا وجود نہیں، تمام اجسام میں روح ہے، اور تمام اجسام روح کے تابع ہیں، اور روح کیا ہے امر الٰہی اور مشیت ایزدی،

انبیاء پر تو یہ کھل جاتی ہے وہ مادہ کی روحانیت کھول جاتی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے زمین کی روحانیت کھول گئی، پھر آسمان کی روحانیت کھل، اس کے بعد روحانیت کا سمندر عطا کیا گیا، اور وہ سمندر قرآن پاک ہے،

مادیت کی طرف بھاگنے والوں کو مادہ کی طاقت دی گئی، اور انبیاء کی تشکیلوں پر مرمٹنے والوں کو مادہ کی روحانیت ملی، دیکھا، تو ایک مادہ کے سامنے جھکا تھا اور دوسرے کے سامنے مادہ جھکا تھا کہ اے اللہ کے ایک کے اہل کی نے یہ انسان کی شان کو اتنا بلند کر دیا، اے انسان! اگر تیرے اندر بقیہ اعمال بھی آجائیں تو سارے مادہ پر تیرا تصرف ہو جائے۔ یورپ کو جاکر بتا دو، جن کے تم نام لیوا ہو انھوں نے مادہ پر محنت نہیں کی انھوں نے انسانوں پر محنت کی تھی، تمھاری ایک نسبت اگر مادہ سے ہے تو دوسری

---

[1] پیغمبران حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام،

کی مناسبات کی عدم رعایت ہے، یا یہ کہ حق تعالیٰ کے خزانہ میں
دہش کی جتنی گنجائش ہے اس کے مناسب مزید طلب، اور اس کے
مناسب جہد نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ اس کو مل چکا ہے اس پر اسی طرح
بس کرتا ہے جیسے خدا کے خزانے میں اور کچھ نہ رہا ہو،،

عقل انسانی تشکیات و توہمات کی آماجگاہ بنی تھی، وہ قدم جو نور دحی کی رہبری میں اٹھتے تھے خود آگاہی و حق شناسی کا جوہر کھو چکے تھے، مقام عبدیت کون پہچانتا، اپنی ذات کی پہچان سے انسان لاعلم تھا، کون کہتا حق تعالیٰ میرا خالق ہے، وہی میرے اوّل بھی ہے آخر بھی مجھے محیط ہے، میرے ساتھ ہے، قریب ہے، اقرب ہے، میں اس کے علم سے جاننے والا ہوں، مجھے جتنی صفات بخشی گئی ہیں میرے پاس بہ امانت ہیں، میں امین ہوں، اللہ نے انسان کو بنایا، اور بنانے کے بعد امتثال کی چیزوں میں لاکر کھڑا کر دیا، یہ چیزیں جن کے درمیان انسان تھا، ایک نمونہ کی چیزیں تھیں، حقیقی نہیں تھیں، حقیقی نعمتیں دوسری ہیں، یہ ظاہری اور عارضی ہیں، انسان نے ان گردوپیش کی چیزوں کو اپنا موضوع بنا کر محنت شروع کر دی، حالانکہ جو کچھ ملنے والا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہت زیادہ تھا، اس کا ملنا اعمال پر تھا، اعمال کے لئے محنت پر تھا، جد وجہد پر تھا، اعمال کے مراتب تھے، اور مراتب کے حساب سے درجات تھے، کچھ عمل سفلی تھے، کچھ علوی، کچھ ادنیٰ تھے، اور کچھ اعلیٰ، ادنیٰ یہ کہ ایک کھجور خیرات کر دی، یہ عمل اللہ کا محبوب بنا دینے والا تھا،

للّٰہیت کے جذبے سے سرشار تھے، اور اپنے رنگ میں دین کے کاموں میں مصروف رہے
انہی قابلِ احترام شخصیتوں میں سے ایک شخصیت حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
کی تھی، جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے کاموں کے لئے منتخب فرمایا، زور فتن
آتے رہے، فسق و معاصی کے طوفان اُٹھتے رہے، ضلالت و عصیاں کے بادل گرجتے
رہے، فساد و طغیان کے اندھیرے چھا جاتے رہے، انسانوں کی بے راہ روی سے
زمین کانپتی رہی، لیکن اس سطح ارضی سے حق و صداقت کی آواز بھی منقطع نہ ہوئی، انسان
مادی رعنائیوں میں کھو چکا تھا، کہ ایک آواز سے دنیا چونکا،

لوگو! آدمی کو اپنے وجود میں جو نسبت حق تعالیٰ کے وجود سے ہے،
خواہ وہ ذات میں ہو یا صفات میں ہو، یا دیگر عطیات میں ہو ظاہر کر
کر اس کے یہاں کے مقابلہ میں جو کچھ اس کے پاس ہو جاتے کچھ بھی
نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو کچھ اس کو عطا ہوا ہے وہ بھی باعتبار
اس کی اپنی اصل حالت کے، اور استحقاق کے بہت ہی کچھ اور بہت
زیادہ ہے، سو اگر اپنی کوشش اور سعی میں دونوں حالتوں کی ہم وقت
رعایت کرتے ہوئے، اللہ کی راہ میں جہاد اور کوشش جاری رکھے،
تو یہ ضعیف انسان جس قدر ترقی پا سکتا ہو وہاں تک کوئی تعبیر یا تحریر
یا کسی ذکی الطبع انسان کی روحانیت پرواز نہیں کر سکتی، انسان
کی محرومی و ناکامیابی و خیبت و خسران کا باعث ان دونوں حالتوں

دنیا کی ذاتوں کے لئے انسان پریشان ہوتا ہے، حالانکہ انسان خود مخلوق ہے، اور ذاتیں بھی مخلوق ہیں، انسان اپنا نفع ذاتوں میں دیکھتا ہے، حالانکہ یہ ذاتیں خالق نے پیدا کی ہیں، یہ بذاتہ کچھ نہیں، ان میں نفع وضر رب اللہ کی جانب سے ہے، وہ چاہے تو خاصیت بدل دے آج یہ نظر آتا ہے کہ چیزیں چیزوں سے بن رہی ہیں، انسان انسان سے بن رہا ہے، ذات ذات سے بن رہی ہے، لیکن ایک وقت وہ بھی تھا کہ ذات نہ تھی، ذات کو پیدا کیا، غلہ نہ تھا، غلہ کو پیدا کیا، انسان نہ تھا، انسان کو پیدا کیا، وہی اب اگر چاہے ذات کے بغیر کامیاب کر دے، اور ذاتوں والوں کو ناکامیاب کر دے،

یقین اور مشاہدہ کی قوتیں مضمحل تھیں، سمع وکلام کا ایک شور مچا تھا، لٹریچر تو بہت تھا، لیکن عمل مفقود تھا، وہ علم جس کا تعلق مشاہدہ سے ہے وہ اور چیز ہے اور صرف جاننا اور چیز ہے، جاننا غائب سے ہوتا ہے کہ دور رہ کر احوال سن لئے جائیں، یا قیاس اور عقل سے اندازہ کر لیا جائے، اور پہچاننا یہ ہے کہ آدمی سامنے حاضر ہو کر اس کے خدوخال رنگ وبو کو دیکھ کر یقین کرے کہ یہ وہی ہے جس کے متعلق مجھے غائبانہ بتایا گیا تھا، مشاہدہ اور علم قرب سے حاصل ہوتا ہے، علم کا تعلق عقل سے اور تکلم سے ہے، جس قدر تکلم کے مواقع بڑھیں گے، قرب بڑھے گا، اور مشاہدہ ترقی کرے گا، انبیاء (علیہم السلام) نے مشاہدۂ الٰہی میں جتنی ترقی کی، سب سے زیادہ کمالات علوم سماویہ ومشاہدات الٰہیہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مبارک پر منکشف ہوئے، ہر نبی کو صفات خداوندی کا جزوی علم دیا گیا لیکن آپ کو وہ علم دیا گیا کہ آپ خاتم العلوم کہلائے، پھر ان صفات خداوندی کا مظہر بننے اور جن

اور لوہا، پہاڑ اور ہوا دال مخلوق پر یہ بھاری تھا کہ اس کی نسبت خدا سے جڑا ہی تھی انسان اس پر لیا ڈالا گیا۔ عمل سے عمل قسم کے عبقی کو جو کچھ ملے گا وہ ان ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے کئی گنا زیادہ ہوگا، اس قسم کے ایک ایک جنتی کو ستر ستر حوریں ملیں گی، ایک ایک حور کی صفات کیا ہوں گی، اگر اس کی ایک انگلی ظاہر ہو جائے تو سورج کی ٹکیہ سیاہ پڑ جائے، ایک ایک حور کو ستر ستر جوڑے پہنائے جائیں گے، اگر ایک حلہ دنیا میں لایا جائے تو اس کی قیمت ان ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی قیمت سے بڑھ جائے جو اعمال جدید جدید کے ذریعہ وجود میں آئیں گے ان کے اجور کا اندازہ نہیں ہو سکتا، پہلے جد وجہد نہیں تک محدود ہوتی تھی، ان کی امتوں کو اعمال دیئے جاتے تھے، نماز کا عمل، روزے کا عمل، خیرات کا عمل، حج کا عمل، لیکن امت محمدیہ کو نبوت والا عمل دیا گیا، نبوت کو ختم کر دیا اور کام کو امت سے جاری فرمادیا، مدارج اور عبادات کے لحاظ سے امت کا درجہ اونچا تھا، حاصل تھا ایک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) والی عبادات، پھر دعوت والا عمل، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی امت کے اجر کا علم ہوا تو تمنا کرتے تھے کہ کاش! میں بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں ہوتا، اور پیغمبروں کے اجور اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امتیوں کے اجور، لیکن حق تعالیٰ کے خزانے میں بخشش کی جتنی گنجائش ہے، اس کے مناسب مزید طلب اور اس کے مناسب جد جہد نہیں کرتے، جو کچھ کسی کو مل چکا ہے اس پر اس طرح بس کرتا ہو جیسے خدا کے خزانے میں اور کچھ نہ رہا ہو۔

اداؤں کے بغیر چین نصیب نہیں ہوتا، اصحاب دعوت کے تمام اعمال اس اسوۂ حسنہ نبوت سے منعکس ہوتے ہیں، اور اس راہ تشبہ بالانبیاء میں جس کا قدم جس حد تک پہنچتا ہے اس کے مطابق ثمرات و برکات اس کے حصہ میں آتے ہیں

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

داعی کی ایک عجیب شان ہے، اس کے قلب پر بلا قصد و اختیار اور بلا کسب و اکتساب ایک باطنی کیفیت طاری ہوتی ہے، اس کے کاموں سے اضطرار جھلکتا ہے، اس کے چہرہ سے کرب دبے چینی ظاہر ہوتی ہے، امور دین امور طبعیہ بن جاتے ہیں، ان کی انجام دہی کا تقاضا اندرونِ قلب سے ایسا ہوتا ہے جیسے بھوک پیاس اور نیند کا تقاضا اور غلبہ، اندر سے صفات[1] الٰہیہ کا داعیہ اٹھتا ہے، اور دل اس کی تعمیل کرتا ہے، اگر موانعات پیش آتے ہیں تو طبیعت بے چین ہے، اور مُردنی چھائی ہے[2]۔

داعی کا مقام مدح و مذمت کے مراحل سے بہت اونچا ہے، کسی کی باتوں سے طبیعت منقبض نہیں ہوتی، نہ مدح و ستائش سے وہ اثر قبول کرتا ہے، بلکہ کہتا ہے اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا، جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ

---

[1] امر بالمعروف و نہی عن المنکر صفاتِ الٰہیہ میں سے ہیں۔

[2] عشرہ عزیزم فاروق عزیز رحمۃ اللہ علیہ کی یہی کیفیت بارہا دیکھی لیکن اس جذبۂ صادق کی مجھ سے قدر نہ ہوسکی، اللہ مجھے معاف فرما اور اپنی مغفرت سے سرفراز کر، آمین!

ادا کرنے میں ان کا کوئی مثیل ہے اور نہ نظیر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے
عجیب احوال دیکھتیں، اور فرماتیں اِنَّكَ لَفِيْ شَانٍ وَّاِنَّا لَفِيْ شَانٍ یعنی آپ اپنے
ہی حال میں ہیں اور ہم اپنے حال میں ہیں، ایک شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب
اپنے پاس نہ پایا تو دل میں کہنے لگیں کہ آپ کہیں دوسری بیوی صاحبہ کے ہاں چلے
گئے ہوں، باہر نکلیں تو مدینہ طیبہ کے قبرستان بقیع غرقد میں آپ کے رونے کی آواز
سنی، ندامت سے لوٹ آئیں اور فرمانے لگیں اِنَّكَ لَفِيْ شَانٍ وَّاِنَّا لَفِيْ شَانٍ، ہم اپنی
بدگمانیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ عبدیت کے اس بلند مقام پر ہیں، ہاتھ آسمان
کی طرف اٹھے ہیں، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ شَانِيْ
كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، "اے اللہ مجھے گھڑی بھر بھی اپنے نفس کے
سپرد نہ فرما، میرا حال درست فرما"، خدمت کا رنگ یہ تھا، عبدیت کی بے تابیاں
بھی کیا بے تابیاں تھیں، آواز آتی، لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ،
"یعنی یہ جو تیری پیش کردہ بات نہیں سنتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کرے گا"
خلق اللہ کا رشتہ اللہ سے جوڑ رہے تھے، اور اس بوجھ سے کمر دہری ہوئی جاتی تھی،
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ یعنی ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے
تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا، حالت یہ تھی کہ لوگوں کو راہ مستقیم پر لانے کے طریقے معلوم
کرنے کے لئے جب بے قرار ہوتے تو آواز آتی وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى، اور اس نے
تجھے تلاش میں گم پایا، اور پھر تجھے ہدایت دی، کیا دل ربا حالت ہے کہ محبوب کی

ایک کرکے اور جہد کا حق ادا کرکے جو شریعت کے تعلیم و تعلم کی اصل صورت تھی، وہ معدوم کرکے اب افادہ اور استفادہ بیچاری ایک زبان ہی کے اوپر رہ گیا ہے............ بغیر سعی والے یعنی قاعدین مجاہدین جیسے نہیں ہو سکتے، اور اہم فرائض کے مجاہدین نوافل کے مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے، اور تخلیوں کو اور تجلیوں کو معمور رکھنے والے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی زندگی کے نقش قدم پر کوشش کرنے والے کم چیزوں میں مصروف ہونے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، مجھے تعجب ہے کہ ہم ایسے فرائض میں جان توڑ کوشش کی سنت کو زندہ کرنے میں، اپنی جانیں کیوں نہیں دے رہے"

گروہ دو تھے، دماغی سوچ بچار پر محنت کرنے والوں کا مقصد اور طریق کچھ اور تھا، نسبت انبیاء کے کام کی جلالت و شان دوسری تھی، مادیت کا فسوں بھی کیا فسوں تھا، کہ انسان منظری کامیابیوں اور سفلی ترقیوں میں کھو گیا، اعلیٰ محنتوں اور اعلیٰ کامیابیوں کا احساس مفقود دیکھتے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور کہتے،

ہم خدا کی قدرت اور اس کی حقانیت سے ناشناسی کے خوگر اللہ جل جلالہ کے کام کے لئے کھڑے ہوتے بھی ہیں تو نارسا عقل میں اور اس کے احاطے میں آنے والی مقدار منافع کے ساتھ اپنی سعی کو محدود کرکے کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ اس کے معاوضہ کو حق تعالیٰ کی شان کے شایان

میں سے ، تو تم اپنے آپ کو پاک وصاف کیسے سمجھ سکتے ہو ، هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے ، فرمایا من بطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ اصل چیز عمل ہے جس کا عمل سست پڑ جائے گا اس کا نسب چست ہو کر اسے آگے نہ بڑھا سکے گا .

عشق اور محبت الٰہی میں پھرنے والوں کا عجیب حال تھا ، اس راہ کی مصیبتیں ان کے لئے راحت بن گئی تھیں ، اس عشق کو تو کیا چھوڑتے ، اس کی مصیبتوں کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ، فرمایا دشمنوں کی طرف سے میں بہت ستایا گیا ہوں ، اور ڈرایا گیا ہوں سب سے بہت ایذا دی گئی ہو ، مجھ پر تیس رات اور دن ایسے گذرے ہیں کہ میرے اور بلال کے پاس اس قدر کھانے کی چیز تھی جس کو بلال کی بغل نے چھپا رکھا تھا ،

دعوت کے میدان میں داعیانِ حق کو مشاہدہ کی دولت ہاتھ آئی تو ان کا بھی یہی حال تھا ، آپ آرام فرما کر اٹھے تو جسم مبارک پر چٹائی کے نشان تھے ، صحابہؓ یہ حالت دیکھ کر رو رہے تھے ، حق کے اس درویش کا کیا حال پوچھتے ہو جس کی ساری متاع اس کا ایک بوریائے فقر تھا ، چبھی ہوئی پتھریلی چٹائیں تھیں ، ان کو مجبور کر رہے تھے ، حالت ضعف تھی اور فرما رہے تھے ،

ہم مادیات میں اس وقت لپٹے ہوتے ہیں ، طمانیت کا مطلب مانع سے حصہ لینے کا دستور چھوٹ چکا ، اور عمل جد و جہد میں خون پسینہ

ہماری اس تحریک کا خاص مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی زندگی سے اس
اصولی اور بنیادی خرابی کو نکالنے کی کوشش کی جائے، اور ان کی
زندگیوں اور سرگرمیوں کو ظنون واوہام کی لائن کی بجائے الٰہی وعدوں
کے یقینی راستے پر ڈالا جائے، انبیاء (علیہم السلام) کا طریقہ یہی ہے،

اعلان بھی عجیب تھا، اور سماں بھی عجیب تھا، عہد و پیمان ٹوٹ رہے تھے، قول واقرار
کی بندشیں ڈھیلی تھیں، انسان اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے دنیا کی ہر چیز کے
سامنے جھکا تھا، اپنا امتیاز کھو رہا تھا، اپنے خاص فرق کو کون پہچانتا، امت
خاص طبقہ سے ملحق تھی، یہ انبیاء کے رفقاء کی جماعت تھی، ان کے نقش قدم
پر چلنے والی، ان کی محنتوں پر محنتیں کرنے والی، ان کی تشکیلوں کو تا قیامت باقی
رکھنے والی، یہی جماعت تھی، انسانی احوال کا کیا حال پوچھتے ہو، زمین کی وسعتیں اور
عالم بالا کی پہنائیاں تکلیف میں تھیں، سنت مرسلین کو زندہ کرنے والوں کی تلاش
تھی، اور ایک ٹوٹے ہوئے ---- زخمی دل کی آواز:

ہندۂ ناچیز کو اہل حق کے سامنے اپنے ضعف اور ہر طرح کی کمزوریوں
کی بنا پر نہایت دشوار نظر آرہا ہو، کہ اس حق بات کو پبلک کے سامنے
کس قوت سے اظہار کرسکوں، دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں ہمارے حوالہ
نہ کریں، بلکہ خود ہی اس حق کو علماً اور عملاً کھولنے میں ہماری مدد اور
کارسازی فرمائیں، وہ یہ کہ حق تعالیٰ مسلمین اور مسلمین کے ذریعہ

مقدار پر حوالہ کرتے ہوئے اور لَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ پر ایمان رکھتے ہوئے
بے چون و چرا اپنے اس معاملہ میں جنون ہونے اور کہلاتے جانے کی
تمنا رکھتے ہوئے ان کوششوں میں اپنی فنا میں اپنی بقا سمجھتے تو ان کوششوں کا
دنیا ہی میں جنت کا مزہ پاتے، لیکن دستور اس کے خلاف ہو گیا۔
افراد اور اقوام پر عام پریشانی چھائی تھی، ذہنی منصوبوں کی تکمیل کا شعور مجاہدۃ
حوادثات کے رونما ہونے میں کیا تاخیر تھی؟ انسان اپنے تجربات کر آخری شکل دور ا
تھا، لیکن داعی حق کی آواز یہ تھی۔

آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور تجربات کی روشنی میں جو کچھ سوچتا ہے اور منصوبے
قائم کرتا ہے وہ محض ظنی اور رسمی باتیں ہیں، مگر آج کا عام حال یہ ہے
کہ اپنے ذہنی منصوبوں اور اپنے تجویز کئے ہوئے وسائل و اسباب
اور اپنی سوچی ہوئی تدابیر پر یقین و اعتماد کر کے لوگ اُن کے مطابق
جتنی محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں، اللہ کے وعدوں کی شرطیں پوری
کر کے ان کا مستحق بننے کے لئے اتنا نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ اپنے خیال اسباب پر ان کو جتنا اعتماد ہے اتنا اللہ کے وعدوں
پر نہیں ہے، اور یہ حال صرف ہمارے عوام کا ہی نہیں ہے بلکہ سب ہی
عوام و خواص الا ماشاء اللہ الٰہی وعدوں والے یقینی اور روشن راستے
کو چھوڑ کر اپنی ظنی اور رسمی تدبیروں ہی میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

دماغی اسکیموں پر عمل ہوا تو کروڑوں انسان وحشت و بربریت پر اُتر آئے، تن اور پیٹ کے نامکمل لوازمات کیا میسر آئے کہ خوف و ہراس کے تسلط نے چین چھین لیا جنگل اور بیابانوں میں انسان کی لاش بے قیمت پڑی تھی، ایک تجربہ سے انسان اخلاق کی سرحدوں کو پھاند رہا تھا، دوسرے تجربہ سے انسان کو مقامِ خوف حاصل ہوا تھا، اے امیر المومنین! میں نے عجیب خواب دیکھا ہے، فرمایا اے خادمہ بیان کر، بولی کہ میں نے دوزخ کو دیکھا کہ سُلگائی گئی ہے، اور اس پر پُل صراط دھری ہے، عبد الملک بن مروان کو اس پر گذرنے کے لئے حاضر کیا گیا، وہ تھوڑا سا چل کر اس میں جا گرا، اس کے بعد ان کے لڑکے ولید بن عبد الملک کو لایا گیا، وہ بھی باپ کی جگہ دوزخ میں جا گرا، پھر سلیمان بن عبد الملک کو حاضر کیا گیا، وہ بھی اس میں جا گرا بولی اے امیر المومنین! آپ کو ان کے بعد حاضر کیا گیا حضرت عمر بن العزیزؒ یہ بات سنتے ہی نعرہ پر نعرہ مارنے لگے، اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، وہ پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ قسم ہر اس ذات کی اے امیر المومنین! میں نے سلامتی کے ساتھ آپ کو پل صراط سے گذرتے ہوئے پایا،

اخلاق کی راہ بڑی دشوار گذار راہ تھی، جذبات کی ہیجان خیز موجیں انسان کو متوحش کر رہی تھیں، ہوا و ہوس ایک پُل صراط تھی، دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اس سفر میں بھی انسان پل صراط سے گذر رہا تھا جو اس سے سلامتی کے ساتھ گذر گیا وہ اس سے بھی گذر جائے گا، جو یہاں محفوظ نہ رہ سکا وہ وہاں بھی اپنی حفاظت

عامہ مخلوق کی طرف رحمت و فضل و کرم کے ساتھ محض خالص اس
طرز کے سرسبز ہونے کے ساتھ متوجہ ہو سکتے ہیں ورنہ کمال قہر اور
کمال لعنت اور نہایت غضب کے ساتھ اس وقت مخلوق کے ساتھ
آمادہ کیے ہوئے ہیں، اس قہر کی آگ کا پانی اس تحریک کے سوا ہرگز
کچھ نہیں ... زمانہ کی پریشانیوں اور آنے والے احوال سے
بہت سے پریشان تو اس قدر ہیں کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں
میرا اندرونی ضمیر اس قدر مطمئن ہو کر اس چیز کو سچائی کے ساتھ انشراح
صدر لیتے ہوئے، کھلے دل سے محض اس تحریک کو فروغ دینے میں
یقین کر لیں کہ حق تعالیٰ شانہ من کان للہ کان اللہ لہ کے وعدہ کے
مطابق، جب کہ ہم اس تحریک میں وثوق قلبی کے ساتھ اس میں اپنا
علاج یقین کر کے اپنی جہد دوں کو اس میں وقف کر دیں گے تو حق تعالیٰ
اپنے ارادۂ غیبیہ کو ہماری سلامتی اور فروغ کی طرف قطعاً متوجہ
فرما دیں گے، اور آگے ظاہر ہے واللہ یفعل ما یرید تو میری سمجھ
میں نہیں آتا کہ اپنی ساری پریشانیوں کے دفعیہ اور علاج کے
اس میں منحصر ہونے کو اس وقت پبلک کے سامنے کس طرح
کھول دوں۔

تجربے دو ہو رہے تھے انسانی تدبیر کا تجربہ ناکام تھا، شہادت دینے والا کہہ رہا

اصحاب دعوت وعزیمت کا مقام کتنا اونچا مقام تھا کہ براہ راست آفتاب نبوت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے،

عزیزو! صالحین کے قافلے چلتے دیکھو، تو سمجھو کہ باطل پرستی کی تاریک رات روشن ہونے کو ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صدائیں بلند ہوتی دیکھو تو سمجھو کہ آفتاب نبوت کے انوار وتجلیات کا موسم آگیا، اس راہ میں پھٹی عباؤں اور شکستہ

(بقیہ صفحہ ۳۷۸) حوض اس موطن میں جاکر انفرادیت سے احکام چھوٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آجاتے ہیں، اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ بے شک آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں، چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑکر دائیں یا بائیں ہاتھ میں آجانا، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا، پل صراط پر سے گذرنا، چہروں کا سفید یا سیاہ ہوجانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا، ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کرکے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی، اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہوگی، مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے، اور حوض سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی، اور آپ کے قوی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلی وہ وہاں حوض کوثر کی شکل میں ظاہر ہوگی .... اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمۂ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا، یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انھیں پلائی جائیں گی (باقی صفحہ ۳۸۰ پر)

نہ کر پائے گا۔ انبیاء یہی بتانے کے لیے آتے اور ان کے طریق کی عملی مثالیں

جس کا ظہور ہر عہد میں ہوتا رہا، یہی بات کہی جاتی رہی ہے۔ انبیاء کی قوت عاملہ

کے اثرات جہاں ظاہر ہوئے اس سرزمین کا نقشہ بدل گیا، کوئی شاہد نہیں لیکن

کہنے والی آکر کہتی ہو مجھے سنگسار کرو، میں رب غفور کے ہاں پاک ہو کر جانا چاہتی ہوں

لہ انسانی حیات وحدانی چیز ہے۔ یہ جو دنیاوی زندگی شروع ہوئی ہے یہی ترقی کرتے کرتے اخروی زندگی بن جائے گی، اور اس زندگی میں انسان کے پچھلے اعمال ہی ایک خاص شکل اختیار کر کے اس کے لیے جنت کی نعمتیں یا دوزخ کے عذاب کی صورتیں پیدا کریں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں وسر هذه الواقعة تمثل الاعمال والاخلاق الميتة والنسمة فى المثال وتجسم النفس وتوحها بالعلائق المثالية یعنی اس میں راز یہ ہے کہ اچھے اور برے اعمال اور اچھے اور برے اخلاق عالم مثال میں پہنچ کر مثالی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ فرمایا اس منزل دنیا سے گزر کر انسان ایک اور عالم میں داخل ہوتا ہے جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں، اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادہ سے پیدا ہوتی تھیں جاتی رہتی ہیں، اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوری امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوری تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی، اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لنجا، لنگڑا، کانا یا بہرا ہوتا ہے، اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔ ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں، مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوتی ہو اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے علوم لے سکے، اور یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ ایسی ہو تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔ (باقی صفحہ ۳۴۹ پر)

حکم سے جارہے[1] تھے،،

میوات میں دعوت کے اثرات کا ذکر اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں،

جماعتوں کے یو، پی کے خط میں نکلنے کی کچھ ایسی تاثیرات ہیں کہ باوجود (افراد کی)

صرف تھوڑی سی تعداد کے نکلنے کے جو دو سو کو بھی نہیں پہونچی اور (وقت کی)

تھوڑی سی مقدار کے جو اپنے گھروں کے مقابلہ میں کچھ بھی شمار ہونے کی حیثیت

نہیں رکھتی، اتنے قلیل زمانہ کا اتنا اثر ہوا کہ انقلاب عظیم کا لفظ زبانوں پر آنے لگا

اور تمھارے ملک کی ٹھوس اور کامل جہالت والے لوگوں کے ناپاک جذبات

دین پھیلانے کے مبارک جذبات سے بدلنے لگے،

اصلاح کی ساری کوششیں بیکار اور قومیں معدوم تھیں، زمانہ ایک عازمانہ دعوت

کے لئے بے قرار تھا جو ملکوں اور قوموں کا رُخ پلٹ دے،

دین کی ابتدا غربت سے ہوئی، اور قریب ہے کہ پھر اسی کی طرف پلٹ آئے،

پس کیا ہی مبارکی ہو پردیسیوں اور بے یاروں کے لئے، یہی لوگ ہیں جو ان خرابیوں کو

دور کر دیں گے جو لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دی ہوں گی (ترمذی)

اس دور کی غربت کا منظر بھی عجیب منظر تھا، لاکھوں انسانوں کے شہر[2] کے ایک

گوشہ[3] میں پھٹی چٹائیوں پر پھٹی عبائیں اوڑھے چند مسافر پڑے تھے، غربت اولی میں

یہی حال ان غربا اسلام کا تھا جو خون کے رشتوں اور رفاقی الفتوں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے،

---

[1] دینی دعوت، [2] دہلی، [3] بستی نظام الدین اولیا رح،

دلوں کو مضطرب پا، تو سمجھو کہ ظلمتوں کے مٹنے کا دن ان سے منسوب ہونے والا ہے،

اے خطۂ میوات، فخر کر کہ اس عہد تاریک میں یہ سعادت تیرے حصے میں آئی،

میوات کی اس دینی نقل و حرکت میں کیا بات تھی؟ قرن اول کے مبارک دور کی ایک ہلکی سی جھلک تھی، اگر کوئی ان مبلغین کے قافلوں کو اس حالت میں گذرتا ہوا دیکھتا کہ کاندھوں پر کمبل پڑے ہوئے ہیں، بغل میں سیپارے دبے ہوئے ہیں، چادر کے پلو میں چنے یا چند روٹیاں بندھی ہیں، زبانیں ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں، آنکھوں میں شب بیداری کے آثار، پیشانیوں پر سجدے کے نشانات، ہاتھ پاؤں سے جفاکشی اور مشقت کا اظہار ہو رہا ہو، تو دیکھنے والوں کے سامنے بیر معونہ کے ان شہید صحابہ کی ایک دھندلی سی تصویر کھنچ جاتی جو قرآن اور احکام دین کی تعلیم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ صفحہ ۳۹۹) ایک اور جگہ فرماتے ہیں [illegible] معنوی مشابہت مانند [illegible] حوض کوثر اصل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھیلی ہوئی ہدایت ہے جو عالم مثال میں حوض یا پانی کی شکل اختیار کرے گی کیونکہ علم کو پانی سے معنوی مناسبت ہے، میری رائے میں ہر نبی کا جدا حوض ہوگا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض سب سے بڑا ہوگا، اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ایسی ہوں گی جن کو تمام لوگ یکساں طور پر سمجھ سکیں گے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعہ سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی، یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جو جد و جہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی جس میں پانی ہوگا، یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادہ کا مظہر ہے، اور اس کے علاوہ جتنے اعمال صالحہ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے، اور اچھے کھانوں، خوب صورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۳۰)

خوف سے گردن سے باندھ لیتے تھے، اور بعض ہاتھ سے پکڑے رکھتے تھے، بے کسی کے دن تھے، اور عروج اسلام کی خبریں دی جا رہی تھیں واللہ لیتمن ھذا الامر، خدا کی قسم دین کی دعوت کا جو کام شروع ہوا ہے، وہ پورا ہو کر رہے گا، سختی اور اذیت کی کیا ساعتیں تھیں جن سے گذر کر اسلام کی روشنی سارے عالم میں پھیلنے والی تھی اصحاب صفہ کے مرجھائے ہوئے چہرے دیکھتے اور فرماتے، عنقریب زمانہ آنے والا ہے کہ تم پر صبح شام کھانے پیش کئے جائیں گے، صادق و مصدوق کی زبان مبارک سے سننے والوں نے جو کچھ سنا تھا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے،

عتبہ بن غزوان رضہ کہتے ہیں میں نے سات آدمیوں کو دیکھا ہے، ان میں سے ایک میں ہوں، کیا غربت اسلام تھی، ہمارے لئے کچھ کھانے کو نہ تھا، مگر درخت کے پتے، ان کو کھاتے کھاتے ہمارے منہ کی جباڑیں پھٹ گئی تھیں، ایک چادر گم شدہ ملی، آدھی کا میں نے تہ بند بنایا اور آدھی میں نے سعد کو دی، آج ہم ساتوں ایک ایک شہر کے گورنر ہیں، عدی بن حاتم رضہ حیران تھے فرمایا لئن طالت بک حیاۃ لترین الرجل یخرج ملء کفہ من ذھب یطلب من یقبلہ فلا یجد احدا، اے عدی تمہیں اس تک تعجب کیوں ہے اگر تم زندہ رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے، مسلمانوں کی دولت یوں کا یہ حال ہوگا، کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا لے کر نکلے گا، کہ کسی مسکین کو دیدے، مگر کوئی لینے والا نہ ملے گا، سب آسودہ حال ہوں گے،

اسلام کی ابتدا ہجرت کی مصیبتوں سے ہوئی تھی، اور پھر وہی زمانہ لوٹ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی غربت و بے کسی کے احوال دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے۔ ایک
مرتبہ اتفاقاً مصعب بن عمیرؓ آئے ان پر ایک چادر تھی جس کو چمڑے کے پیوند لگے تھے،
یہ حالت دیکھ کر آپ روئے، اور فرمایا کفر کی حالت میں یہ بڑے عیش میں تھے اور آج
اسلام میں ان کی یہ حالت ہے، اسلام کے عشق نے ان سے سب کچھ چھڑوا دیا، دین کے
لئے گھر اور متاع قربان کرنے والوں کا عجیب حال تھا ان کی بے قرار آرزوؤں سے بستی
کی فضا گونج اٹھتی تھی، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا، لیکن آنکھیں اس کی نظر رحمت کے
لئے ترستی تھیں، فرمایا اسلام کی ابتداء بے کسی اور پردیسی کی مصیبتوں میں ہوئی
اور قریب ہے کہ پھر ویسی ہی حالت اس پر طاری ہو جائے، سو کیا ہی خوشی اور مسرت کی ہے
پردیسیوں کے لئے۔ (مسلم)

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قریش کے مقابلے
کے لئے بھیجا، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ ہمارے امیر تھے، ہمیں آپ نے ایک تھیلی
کھجوروں کی عنایت فرمائی، پس ہم کو ابو عبیدہ روزانہ ایک کھجور دیا کرتے تھے، ہم اسے
چوس کر اس پر پانی پی لیتے تھے، اور تمام دن اور رات اسی پر کفایت کرتے تھے، جب
ایک کھجور بھی نہ ملتی تھی تو درختوں کے پتے کھایا کرتے تھے۔

ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ آپ کے اصحاب تین تین دن تک کھانے کو کچھ نہ
پاتے تھے، اور چمڑے بھون کر کھاتے تھے، صحابہ کے پاس کپڑے نہیں ہوتے تھے
بعض کی حالت یہ ہوتی تھی کہ ان کے پاس ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو وہ برہنہ ہونے کے

یعنی ان لوگوں کو اپنی عقل ورائے اور قیاس و درایت پر بڑا گھمنڈ ہوگا،

جس مخبر صادق نے فرمایا تھا لَتُفْتَحَنَّ کُنُوْزُ کِسْرٰی "ضرور ہو کہ عنقریب کسریٰ کے خزانے تمہارے لئے کھل جائیں گے" اُس نے یہ بھی خبر دی تھی، ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَذْوَ الْقُذَّۃِ بِالْقُذَّۃِ، فرمایا "تم سے پہلے جو قومیں گذر چکی ہیں ضرور ہے کہ تم ان کے سارے طریقوں اور چالوں کی ہو بہو پیروی کرو" یعنی ان کی ساری گمراہیاں اختیار کر لوگے، صحابہ رض نے عرض کیا، یا حضرت ' اَلْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی کیا یہود و نصاریٰ کی؟ قَالَ فَمَنْ فرمایا ہاں اور کون؟ اسلام کی غربت و بے کسی کا کیا روح فرسا منظر ہوگا، فرمایا: تمھارا کیا حال ہوگا جب تمھاری عورتیں سرکش ہو جائیں گی، لوگوں نے عرض کیا، کیا یہ بات بھی ہونے والی ہے، فرمایا، ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت، کیا حال ہوگا تمھارا جب تم بھلائی کا حکم نہ دوگے، اور برائی سے نہ روکوگے، لوگوں نے کہا، کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ فرمایا، ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت، کیا حال ہوگا، جب کہ تم برائی کا حکم دوگے، اور حق بات کو روکوگے، عرض کیا، کیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا، ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ! کیا حال ہوگا اس وقت جب کہ تم نیک بات کو برا سمجھوگے اور برائی کو اچھا، عرض کیا، کیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں! یہی وہ آخری عہد کی برائیاں اور مصیبتیں تھیں جن کی خبر دی جا رہی تھی، فرمایا فتنۃ کقطع اللیل المظلم آخری زمانہ میں فتنے ایسے آئیں گے جیسے اندھیری رات کی اندھیاری یصبح الرجل فیھا مومنا و

تنے والا تھا۔ فرمایا قرآن و سنت کی پیروی کرنے والے کہیں خال خال نظر آئیں گے
کفار کی بھیڑ ساری دنیا پر چھا جائے گی، مسلمان پردیسیوں کی طرح نظر آئیں گے،
قوم ملعون قاطعین ناس سوء کثیر، سچے حق پرستوں کی ہر طرف مصدوں ہوگی۔ فرمایا
میری امت میں سے کئی گروہ مشرکوں سے جا ملیں گے، اور ایسا ہوگا کہ کئی گروہ بتوں کو
پوجیں گے، حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، مگر دجال تیس جھوٹے مدعی نبوت پیدا
ہوں، آخر میں فرمایا ایک جماعت اس امت میں ہمیشہ حق پر باقی رہے گی
مخالفین حق اس کو نقصان نہ پہونچا سکیں گے، یہاں تک کہ امر الٰہی ظاہر ہو،

آخری عہدوں کی بشارتوں کا کیا بیان تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی روایت
کی صداقت پر یقین رکھتے تھے اور کہہ دیتے تھے ولئن اخر من السماء احب الی من ان اقول علیہ
مالم یقل، اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہو کہ آسمان سے گرا دیا جاؤں لیکن یہ گوارا نہیں
کر سکتا کہ رسول اللہ کے نام سے ایسی روایت بیان کروں جو انھوں نے نہیں فرمائی،
انی سمعت یقول میں نے سنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یخرج
قوم فی آخر الزمان، آخری زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی حدثاء الاسنان سفہاء الاحلام
نوخیز اور ناقص العقل لوگوں کی، یقولون من خیر قول البریۃ ظاہر ان کی باتیں بڑے ہی
اچھے لوگوں کی سی ہوں گی، یقرؤن القرآن لا یجاوز ایمانہم حناجرہم قرآن
پڑھیں گے مگر ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، یمرقون من الدین کما
یمرق السہم دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے،

بستی میں داخل ہوئے، جہاں سب مکان کچے بنے ہوئے ہیں، اتنے میں ایک مکان
میں داخل ہوئے، اس کے ایک کمرے میں پہونچے، وہاں حضرت مولانا محمد الیاس
رحمۃ اللہ علیہ چارپائی پر جس پر بستر بچھا تھا، لیٹے ہوئے ہیں، ہم دونوں فرش پر
ادب سے بیٹھ گئے، حاجی عبدالحمید صاحب ان کے سرہانے کی جانب بیٹھے، حاجی
کام کے متعلق وضاحت کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، میں ان کے سامنے پاؤں
کی سمت تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ خاموشی کے ساتھ گفتگو سن رہے تھے، کہ دفعتاً
اپنے بستر سے اونچے اٹھے، چہرے پر کیا انوارات تھے، فرمارہے تھے کہ "جب لوگوں
کے سامنے دعوت پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے دعوت کو سنا اور خوش
ہوئے، لیکن جب یہ اللہ کے راستہ میں نکلیں گے تو اور خوش ہوں گے"، آنکھ کھل گئی
طبیعت بہت مسرور تھی، اے کم نصیب انسان! تجھے تو بہت کچھ لینے والا بنایا گیا تھا
لیکن تو ذات کے تقاضوں میں منہمک ہوگیا،

عبرت کا کیا ہی منظر تھا، یہ دنیا کی سوتیلی جیل جارہی ہیں، باپ اپنے بیٹے کو جس کی ماننا گذرچکی
ہو کندھے پر اٹھایا ہو، ایک ہی بچہ ہے جسے ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں، آخر اسی راستہ میں
اس بچہ کا انتقال ہوا، ایمان و یقین کا کیا کیف تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو
یاد کرتے تھے اور کہتے تھے، فرمایا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگو! تم جانتے ہو جنت
میں اول کون داخل ہوں گے، لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں، فرمایا
جنت میں اول غرباء داخل ہوں گے، جنھوں نے دنیا میں عیش و راحت اختیار نہیں کیا، اور اپنی
حاجتوں کو پورا کرسکے اور دلوں ہی میں لیکر دنیا سے رخصت ہوگئے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

باب دہم

مقام قبولیت

اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ، اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ،
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ، وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ،

اور (جو اعلیٰ مقام اور) اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہی ہیں (اور)
وہ (خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ (مقرب)
لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے، ان کا بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں
سے ہوگا، اور تھوڑے بعد میں آنے والے لوگوں میں سے ہوں گے،

نزلت گا، میرے مخلص بندے ہیں انھوں نے دنیا تماعیش نہیں کیا، اور ہمیشہ تکلیفیں اٹھا کر
میری عبادت کرتے رہے، اپنے دل کی مرادیں دل ہی میں لیکر فوت ہوئے، فرشتے ہر دروازے سے
داخل ہو کر ان کے پاس آئیں گے اور سلام کہیں گے، کہیں گے تم صبر کے عوض جنتیں ملیں
اور تمھارے لئے آخرت بہتر ہے، اسلام کی ابتدا بے کسی اور پردیس کی مصیبتوں میں ہوئی اور
قریب ہے کہ پھر ویسی ہی حالت اس پر طاری ہو جائے پس کیا ہی خوشی و مبارکی ہو پردیسیوں کے لئے،

غربت کے ان ایام میں دین کے عشق میں پھرنے والوں کا عجیب حال تھا اعضا جن کے
چلنے سے قاصر کوہستانی علاقہ کی دشوار چڑھائی ہے، تبلیغی جماعت کہہ رہی ہے آپ ہمیں یہاں
تکلیف بہت زیادہ ہو گیا، مجھے جماعت کی برکات سے محروم نہ کرو، اس راستے کے انوارات مجھ
حاصل کرنے دو، اس اجر کا کیا اندازہ ہو جو اس راہ میں چلنے والا ہے،

اے گوادر کی سرزمین! صدیاں گذرنے کے بعد آج یہ نعمت تیری خاک
کے حصہ میں آئی،

اے صادق و مصدوق کے فرمان کی امین سرزمین، گواہ رہ! کہ تیرے
جوار میں دین مصطفوی کا ایک مسافر مدفون ہوتا ہے۔

اے بندگان محبوب بارگاہ الٰہ! بے شک تم نے اپنا عہد پورا کیا، اور اس اعلان
کے مستحق ہوئے وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا،

جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے
بہت بڑا اجر دے گا۔

له میاں جی عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ۔

حکایتِ از قدِ آں یار دل نواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

خوب صورت تو ہزاروں ہوتے ہیں، مگر آن رکھنے والے
چشم و ابرو لاکھوں خوبانِ روزگار میں بھی ڈھونڈے
نہیں ملتے، اور اگر مل جائیں تو سمجھنا چاہیے کہ فطرت
کی بڑی ہی فیاضی اور غیر متوقع اسراف ہے[1]،

ایک مضطر آواز پکارنے والے کی پرسوز آواز: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ "
"اے پروردگار مجھے صالح فرزند عطا فرمائیو"! اولادِ صالح اللہ تعالیٰ کے انعام و عطایا میں سے بہت بڑی بخشش تھی، مانگنے والوں نے الحاح کی کیفیت سے مانگا، پیغمبروں نے اس کے لئے التجائیں کیں، راہِ عشقِ حق میں سرفروشانہ اقدام کرنے والے شہزادے! تیرے دن بھی عجیب تھے، اور تیری راتیں بھی عجیب تھیں، مجھ سا اور کوئی تہی دست نہ ہوگا اگر میں نے تیری خوبیوں کو بھلا دیا، مجھ سا اور کوئی محروم نہ ہوگا اگر میں تیری

---

[1] ابو الکلام،

سَاسَ الرِّجَالَ لِسَبْعَ عَشْرَةَ حِجَّةً

وَلِدَاتُهُ عَنْ ذَاكَ فِي أَشْغَالِ

اس نے سترہ برس کی عمر میں لوگوں کی قیادت کی، حالاں کہ اس عمر کے بچے کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں۔

ویرانوں کو اختیار کیا تھا، پہاڑوں کے کھوہ جن کا نشیمن بنے تھے، غیر آباد غار جن کی عبادت سے معمور ہوئے تھے، آخر یہیں سے علم وارشاد کے چشمے رواں ہوئے،

مولوی عبداللہ ولد نہال خاں متوطن سانگھڑ (سندھ) جن کی عمر اس وقت ۹۵ برس ہو بتاتے ہیں کہ میں تین سال مولانا محمودؒ کے حلقۂ درس میں شامل رہا، حضرت مولانا رح کا وعظ پیپل والی مسجد میں ہوتا تھا، مسجد سامعین سے بھر جاتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ ملتان میں بدعات کا اندھیرا چھا تھا، مسلمان سیتلا کی پوجا کرتے تھے، گور پرستی اسلامی شعار سمجھی جاتی تھی، کوئی گھر ہندوانہ رسوم سے خالی نہ تھا، امراء عیش و نشاط میں مدہوش تھے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف[1] کا جب حضرت مولانا محمود رح پر رنگ غالب آیا، تو فرماتے تھے "ہم نے توحید حضرت شاہ صاحبؒ سے سیکھی" یہی مولانا عبداللہ ولد نہال خاں بیان کرتے ہیں کہ میں ملتان میں تھا، کہ مولانا نے توحید باری تعالیٰ پر پہلا وعظ فرمایا، اور اس طرح کھرا اور کھوٹا الگ کرکے بتایا کہ سننے والے متوحش ہوگئے، ان میں حق بات سننے کی تاب نہ رہی، ایک ایک کرکے سب اٹھنے لگے، یا تو ہزاروں کا مجمع تھا، یا وعظ کے آخر تک ایک شخص رمضان باقی رہ گیا تھا،

کتاب و سنت کا ایک داعی بدعات و منکرات سے کیا کنارہ کش ہوا کہ کوئی الزام نہیں جو اس پر عائد نہ کیا جارہا ہو، فتن و مظالم کی کتنی پرسوز سرگذشت تھی جس کا

---

[1] یہ مولانا تحریک انقلاب اسلامی کے ایک داعی کی حیثیت سے مولانا عبیداللہ سندھی رح کے ساتھ بھی کام کرتے رہے ہیں اور مولانا مرحوم کے ہمراہ کابل بھی تشریف لے گئے تھے، الآخر [2] حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ،

اقتداء کرسکا، اس وقت اگر کوئی آرزو ہے تو یہی ہے کہ ساری زندگی اس
قافلہ کی راہ طے کرنے میں گذار دوں جس کا تو نشانِ سفر بنا، "وَهِيَ بِمَنْزِلَةٌ
جَلِيْلَةٌ وَرُتْبَةٌ عَظِيْمَةٌ لَا تُسَامِيْهَا مَرْتَبَةٌ وَلَا تُعَادِلُهَا مَنْزِلَةٌ
وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ، وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ،" یہ
وہ رتبۂ جلیل اور رتبۂ عظیم ہے کہ جس کے برابر کوئی مرتبہ نہیں اور کوئی درجہ اس کی
ہمسری نہیں کرسکتا، اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتے
وہی صاحبِ فضلِ عظیم ہے،

تیرھویں صدی ہجری کا آخری ربع تھا کہ حضرت مولانا محمود علیہ الرحمہ
المعروف مولانا سلطان محمود محدث رہ دین کے لئے ہجرت اختیار کرکے
ڈیرہ اسماعیل خاں (سرحد) سے ملتان پہنچے، اہلِ حق وثبات کے احوال ہمیشہ
ایک سے رہے ہیں، اپنے خاندان کے حالات و رسومات دیکھتے اور بے قرار
رہتے، ہر طرف دنیا سازی کا غلبہ تھا، گوشہ نشینی میں جب امن میسر آیا، تو
ترکِ وطن اولیٰ سمجھا، سب کو چھوڑ کر پیادہ پا ملتان کے لئے روانہ ہوئے، ایک
میانہ قد، سرخ رنگ اور وجیہ صورت جوان ملتان میں وارد ہوا، محض اجنبی،
کوئی رفیق ہے نہ مونس، غربت و پردیس کی مصیبتیں اٹھا کر یہاں پہنچا ہے، چارہ
فرمائے غیبی کی کارسازیوں کا کیا کہنا، ایسی سلسلوں کے کام کبھی ناکام و نامراد
نہیں ہوتے، وہ جنھوں نے نامانوس جگہوں کو اپنا مسکن بنایا تھا، وہ جنھوں نے

آغاز اس کے ایک ہی وعظ سے ہوا تھا، ایک تنہا جان ہے، جو سب کچھ جھیل رہی ہے،
سازشیں ہو رہی ہیں، مساجد کے دروازے بند کئے جا رہے ہیں، بغاوت کا الزام
لگایا جا رہا ہے، مقدمے قائم کئے جا رہے ہیں، رسول ؐ دشمنِ رسول کا یہ عاشق
نہ معلوم کس کس ابتلاء سے گذرا ہوگا، اور کس کس آزمائش میں پورا اُترا ہوگا، ایذاؤں کا
یہ دور ایک عرصہ تک جاری رہا، اور ایک ہی رفیق اور مونس محمد رمضان قائین آپ
پاس ہوتا تھا، ایک مائی جو شرک اور عقیدے سے تائب ہو کر اپنے خاندان سے الگ
ہو بیٹھی تھی، ایک دن حاضر ہوئی، اور کہا، مولوی صاحب! میں نے آپ سے
قرآن سنا اور حدیث سنی، اور عقیدۂ توحید اختیار کیا، اب میری بات مانیئے،
میری ایک ملکی زمین جو میں نے اپنے خاوندؒ سے حق مہر کے عوض حاصل کیا ہے،
اور اس غرض سے حاصل کیا ہے کہ کسی نیک آدمی کے ساتھ اس کا نکاح کر دوں گی
میں چاہتی ہوں کہ اسے آپ کی زوجیت میں دے دوں، مجھے مایوس نہ کیجئے مولانا نے
اس کی یہ درخواست قبول فرمائی،

رفتہ رفتہ آپ کی دعوت کے اثرات بڑھنے لگے، نماز جمعہ کے بعد عصر تک
وعظ ہوتا تھا، قرآن و حدیث کے مطالب بیان فرماتے جس کی اثر پذیری کا یہ عالم ہوتا
جو ایک دفعہ آجاتا شیفتہ ہو جاتا، لوگ دعائیں دیتے، اور کہتے، اے توحید و رسالت
بیان کرنے والے عالم دین! خدا تیری عمر میں برکت دے، سارا وقت دین کے کام

لہ مائی حنیفاں کا خاوند [illegible] تھا ہمیشہ کہتا تھا، [illegible] اپنے خاندان میں بہت معزز [illegible] عورت تھیں
مولانا کی دعوت کے کام کو اس خاتون سے بہت تقویت پہنچی،

میں مصروف رہتے، قرآن و حدیث کا درس دیتے، فتووں کا جواب لکھتے، اہل حاجات آتے، اور ان کا کام کر دیتے، طالب علموں کے خورد و نوش کا بند و بست فرماتے ہر مذہب و خیال کے لوگ فتویٰ حاصل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ اُن کے مذہب کے موافق فتووں کا جواب دیتے، ائمہ متقدمین اور کتب فقہیہ کے حافظ خیال کئے جاتے تھے، جب کوئی مختلف فیہ مسئلہ پیش کیا جاتا، تو جزئیات فقہ کے تمام نکات بتلاتے، بہت متواضع اور بلند اخلاق تھے، کسی سے غلطی ہو جاتی تو صرف یہ کہتے، خدا تجھے ہدایت دے، یہ کیا کیا !

ایذاؤں کا دَور گذر چکا تھا، یا یہ حالت تھی کہ کوئی بات سننا گوارا نہ کرتا تھا یا آج سارا شہر مولانا محمود رح کے احترام میں جھکا تھا، جدھر سے آپ کا گذر ہو جاتا غیر مسلم بھی تعظیماً کھڑے ہو جاتے، عمالِ حکومت آپ کے پاس چل کر آتے، آپ کی سفارش رد نہ کی جاتی، ہر ایک کی مدد فرماتے، جو وقت فارغ ہوتا مطالعہ میں گذارتے، آپ کا حلقۂ درس و ارشاد اتنا وسیع ہوا کہ دلی پنجاب کے اکثر اضلاع اور ان کی ملحق آبادیاں آپ کی دعوت سے گونج اُٹھیں، قریباً نصف صدی قرآن و حدیث بیان کیا، اور اسی پر خاتمہ ہوا، لوگوں کو پکارا تو عمل بالحدیث کی طرف پکارا، اور ہزاروں خاندانوں کو عامل بالحدیث بنا گئے،

طاعون اموات کا سال ملتان کی تاریخ میں ایک تاریخی سال ہے، لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں، ہزاروں انسانوں کا بھرا مسکن اپنے مکینوں سے خالی ہو گیا کہیں کہیں

عکسِ ملفوظ

بدستِ حضرت مولانا محمود المعروف سلطان محمود محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے، مولانا عبدالعزیز رہ عجیب خوبیوں کے مالک، وجیہہ و جمیل اور بلا کے ذہین تھے، سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہر و باطن کی تحصیل کر چکے تھے، کہ وقت آ پہنچا، عین عنفوانِ شباب اور سفر آخرت کی تیاری، صبر و استقامت کا کیا امتحان تھا، حضرت رہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، لوگ آتے تو کہتے، دعا کرو، اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے ؎

کونسا دل تھا کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا　　غم زدہ سینہ بہ شستہ دل رنجور نہ تھا

وادیٔ حزن و ملالت میں وہ محصور نہ تھا　　نشۂ حیرت و بے تابی میں مخمور نہ تھا

جنھوں نے مولانا عبدالعزیز رہ کے پُرسوز بیان سُنے تھے، اور ان کے جوہر کھلتے دیکھے تھے، اُن کی خوبیوں کو جب یاد کر کے روتے تو آپ انھیں صبر کی تلقین فرماتے اور کہتے، اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لئے اتنی صفات جمع فرمائی ہیں، جو دوسروں کے لئے نہیں فرمائیں، انسان اپنی خواہش کے مقابلے میں خدا کے حکم پر ثابت قدم رہے، جو لوگ شہوات اور غیظ و غضب کا شکار نہیں ہوتے، بلکہ دینِ اسلام اور شریعت محمدیہ کی اتباع کرتے ہیں، وہی صبر کے انعام سے نوازے جاتے ہیں، صبر نصف ایمان ہے، اور جنت کے خزانوں کا ایک خزانہ، جس شخص کے حصہ میں یہ نعمت آئے، اس کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا، دعا کرو کہ اللہ ہمیں اس حادثۂ عظیم پر استقامت نصیب فرمائے، لوگو! دنیا یا تو ہوس کی جگہ ہے یا غم کا مقام ؎

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش است

زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

کسی گھر میں آدمی نظر آجاتا ہے، لیکن جانِ حدیث کا یہ حال ہو کر اپنے خاندان کو نہ شہر باہر بھیجا، اور نہ خود شہر چھوڑا، آپ کے ایک خاص مصاحب حاجی محمد حسن خیاط مرحوم بیان کرتے ہیں کہ میں اڑی سیتلی ایک مقام ہے، وہاں سے گھر، اتفاقاً دو آدمی ملے حاجی محمد حسن کہاں جا رہے ہو، مولانا محمود تو انتقال کر گئے، میں نے ہر طرف دیکھا کے کوئی آدمی نظر نہ آیا، پھر آواز آئی، اے محمد حسن! مولانا محمود انتقال فرما گئے، میں سیدھا شہر پہونچا تو دیکھا کہ حضرت مولانا رح کا جنازہ تیار رکھا ہے، جنازہ اٹھا تو چند آدمی ساتھ تھے، جوں ہی بڑے بازار میں پہونچے حسین آگاہی سے سمہ ال تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، ہم حیران تھے کہ شہر تو انسانوں سے خالی ہے، یہ لوگ کہاں سے آگئے، حاجی محمد حسن رح کہتے ہیں میں نے دل میں سوچا، شاید میری طرح سب کو خدا نے اکٹھا کر دیا ہے،

حضرت مولانا محمود علیہ الرحمۃ کے دو صاحبزادے ہوئے ہیں، بڑے مولانا عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ تھے، مولانا ابو محمد عبدالحق محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے صاحبزادے تھے، یہی فاروق عزیز رح کے نانا کہلاتے، عزیز رح کے دادا مولوی محمد المعروف مولانا محمد بخش حضرت مولانا محمود محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں،

حضرت مولانا محمود رح کے یہ دونوں صاحبزادے حضرت مولانا سید نذیر حسین

لہ تقریباً اسی برس کی عمر میں انتقال فرمایا، سن وفات [illegible]

عکس ملفوظ

بدست حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق محدث ملتانی رح

آنکھ کھلی تو صبح امید جلوہ گر تھی، شام ہوئی تو حسرت چھائی دیکھی، دنیا
کی اصل متاع تو اس کا وہ زادِ راہ تھا جو اس کے ساتھ جا رہا تھا۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس شاگرد
کے ساتھ جب تک اُن کے پاس دہلی رہے، خاص شفقت فرماتے رہے، فتاویٰ[1]
آتے تو جواب کے لئے اُن کے سپرد فرماتے، طالب علموں کے بعض اسباق
بھی اُن کے سپرد ہوتے تھے، فارغ التحصیل ہوئے تو دہلی والوں نے ہر چند روکنا
چاہا، لیکن آپ ملتان تشریف لے آئے اور اپنے والد حضرت مولانا محمود کی
موجودگی میں درس، تعلیم اور افتاء کا کام سرانجام دینے لگے۔ استاذ حدیث اس درجہ
کے تھے کہ ان کے بعد ملتان میں پھر دوسرا نہیں ہوا، حضرت کے بعد محدثین و فقہاء
کا وجود بھی نہ رہا، علم حدیث اور فقہ کی تدوین کے لئے کیا محنتیں ہوئی تھیں، ان کی
جاں فشانی اور عرق ریزی سے اس علم کی عظمت و رفعت کی جب تعمیر مکمل ہوئی
تو اس کی جلالتِ شان ہر دور میں اپنی آب و تاب دکھاتی رہی، کوئی زمانہ علمائے حق
سے خالی نہ رہا، انبیاء بنی اسرائیل کی طرح پیدا ہونے والی خرابیوں کو دور کرتے
رہے، ان کے فکر و عمل سے دین کا جوش پھر زندہ ہوا، اخلاق کے اعلیٰ نمونے پھر
قائم ہوتے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صداؤں سے فضا معمور ہوتی،
احکامِ الٰہی کی عظمت و محبت کے جلوے عیاں ہوتے، ان ہی میں علمائے ملتان کے

---

[1] فتاویٰ: یہ ہیں اکثر فتووں کے جواب حضرت مولانا عبدالحق ملتانی کے نام سے ہیں۔

علم و عمل، ارشاد و ہدایت کا مقام اس گروہ صالحین سے منعکس تھا،

فاروق عزیز ۲۶ رمضان مطابق ۱۹ اگست ۱۹۴۳ء بروز شنبہ بوقت
طلوع صبح اپنے نانا حضرت مولانا ابو محمد عبد الحق محدث رحمۃ اللہ علیہ کی حیات
میں اس مکان میں تولد ہوئے جو بڑے مولانا کے دینی فکر و عبادت کے لئے
مخصوص رہا تھا، جہاں یہ علماء گھنٹوں دین کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے،
اُن کے قلمی ملفوظات پر جب نگاہ پڑی تو حیرت کی انتہا نہ رہی، ایک ضخیم فارسی مجموعہ
سامنے تھا جس کا ہر صفحہ اتنا خوش خط اور باریک تھا کہ دیکھنے والے کے دل پر ان کی
سعی و محنت کا عجیب اثر ہوتا حضرت مولانا محمود کی ایک ہی صاحبزادی تھیں جو
فرزند تشریف لائیں، بچے کا حسین و جمیل چہرہ دیکھا تو کہا کہ اس کا نام گلاب خان رکھ دیجئے
کسے خبر تھی کہ اس بچے کی زندگی کسی عظمت والے نام کی نسبت پاکر گلاب کے پھول
کی طرح اپنی خوشبو اس دنیا میں آپ چھوڑ جائے گی، کبھی نانا کی تربیت میں اور کبھی
دادا کی تربیت میں، ۱۹۶۰ء میں اسکول کا آخری امتحان امتیازی طور پر
پاس کیا، پہلے سندھ مسلم کالج کراچی میں داخل ہوئے، پھر گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں
داخلہ لیا، آخر محمد ہارون خان صاحب کے مشورے سے زراعتی کالج سکرنڈ میں داخل ہوئے
شروع سے طبیعت خاموش اور غور و فکر کی عادی تھی، بہت ہی حساس،
کوئی ناجائز بات دیکھتے یا سنتے فوراً چہرہ متغیر ہو جاتا، اور پیشانی پر بل آجاتے، کوئی
اچھا کام دیکھتے تو چہرے پر تازگی اور خوشی کی لہر دوڑ جاتی، کسی بات کے منع کرنے

محمد رضا بی ایس سی نے بہت محنت سے ان کے حالات قلمبند کئے ہیں،
لکھتے ہیں :۔

ان کے سندھ [illegible] کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہنے کا منظر بھی عجیب منظر تھا
سالانہ امتحانات ختم ہوئے۔ ہاسٹل کے تیسرے بلاک میں خوب چہل پہل تھی ہر کمرہ
میں جلدی اور گھبراہٹ کا ایک ہنگامہ بپا تھا، سب طالب علم اپنے اپنے گھروں کو
جانے کی تیاریوں میں تھے، لیکن کمرہ نمبر ۱۱ اس ہنگامہ سے محفوظ ہے، اور روزمرہ سے
بھی زیادہ پرسکون، یہ فاروق عزیز کا کمرہ ہے، وہ آرام سے سو رہے ہیں، ایسے تھکے ہوئے
جیسے کہ تھوڑا سا آرام کر رہے ہیں تاکہ کسی دوسری منزل کی طرف روانہ ہوں، سو کر
اٹھے تو مختصر سامان [illegible] ساتھ لیا اور [illegible] کی جماعت کی نصرت کے لئے سکھر
روانہ ہو گئے [illegible] کے بعد سکرنڈ واپس آئے تو بہت تھکے ہوئے اور کمزور
نظر آ رہے تھے [illegible] زرد ہو گیا تھا، چال اتنی سست ہو گئی تھی کہ دیکھنے والوں
کو بڑا تعجب ہوا، دوستوں کو امید تھی کہ اب گھر جا رہے ہیں صحت ٹھیک ہو جائیگی
لیکن دین کی بے تابیوں نے گھر بھی زیادہ رہنے کا موقع نہ دیا،

محمد اردن خان صاحب (وائس پرنسپل) بیان کرتے ہیں :۔
امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد سکرنڈ فارم کی مسجد میں آخری خطاب
فرمایا، شش نکات بیان کئے، میرے منہ سے اس موقع پر یہ نکل گیا
"آج فاروق عزیز جا رہے ہیں" ان کی درد بھری آواز خواہ مخواہ تذکرہ کے

شریک ہوتے تھے۔ طلباء بورڈنگ ہاؤس کے قریب ایک کچی مسجد
میں نماز ادا کرتے، مسجد بہت خستہ حالت میں تھی، لڑکوں نے کچھ رقم
جمع کر کے میرے سپرد کی، کہ میں اس کا انتظام کروں، مجھے کامل یقین
ہو گیا کہ اس تحریک میں ان کا خاموش بڑا حصہ تھا، اور ان کی دعاؤں کا
نتیجہ کہ سب خلاف امید نکلتی گئی، اور اصل پختگی تو اس کمسن اور معصوم
طالب علم کی ایمان کی آگ ہی پیدا کر سکتی ہے جو اس نے اچھی طرح
بھڑکانے کی کوشش کی، صبر و استقامت کے کتنے امتحان تھے،
جن سے وہ گذرتے رہے، اگر ایسے باہمت اور ہونہار طلباء نہ ہوتے
تو میرے اور دیگر اساتذہ کا اپنے شرافت کی بنا پر متزلزل ہو جانا
یقینی امر تھا۔

محمد [illegible] خاں صاحب آگے لکھتے ہیں:۔

[illegible] وقت تھا۔ آپ ایسے زمانہ میں کالج میں تعلیم پا رہے تھے،
جب کہ ہر طالب علم [illegible] پر چلنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہے جو کہ
مذہبی خیالات سے یکسر خالی ہوتی ہے، نظام تعلیم جو ملک
میں رائج تھا وہ جیسا کہ انگریزوں کا بنایا ہوا تھا، اسلامی اصولوں سے
کوسوں دور، ترقی کا غلط نظریہ پیش کرتا تھا، مقصد زندگی

کالج میں تعلیم پانے والا نوجوان اپنے ہر منصوبے اور عمل سے پہلے موت کے یقین، انتظار کی کیفیت میں رہتا ہوگا، اور اس فکر اور جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہوگا، کہ اپنے مولا سے جب ملے تو اسے خوش اور راضی پائے، اور اس وقت جب کہ مخلوق نفسی نفسی پکارتی ہوگی اس کی جھولی اللہ کی جنتوں سے بھری ہوئی ہو (آمین)

کے یقین ہوگا کہ ایک کالج کے طالب علم کو اس زمانہ میں اپنی تفریحات اور خواہشات کے مقابلہ میں یہ فکر ہوگا کہ اس عمل سے اللہ رب العزت راضی ہوں گے، اور اس معاملہ میں میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عمل کیا تھا "

وائس پرنسپل صاحب آگے فرماتے ہیں :-

" لیکن ان لوگوں کو جنھوں نے مرحوم و مغفور فاروق عزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے ان سب باتوں پر اتنی آسانی سے یقین آجاتا تھا کہ یقین کرنے والے خود تعجب کرتے تھے، ان کی انکساری اور سادگی یہ پکار پکار کر بتاتی تھی کہ عزت و ذلت خدا کے ہاتھ ہے، معزز وہ ہے جس کے اعمال خدا کو پسند ہوں، ذلیل وہ ہے جس کے اعمال خدا کو ناپسند ہوں، فاروق عزیز کا اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اس طرح ڈھلا ہوا تھا کہ دیکھنے والوں کو دین پر چلنے کا

کی بجائے ایک خاص قسم کا اطمینان ٹپک رہا ہے، شاید یہ اطمینان اس بات کا ہو کہ اس کو اپنی محنت پر بھروسہ ہے، لیکن محنت تو دوسرے طالب علموں نے بھی کی ہے، پھر کیا بات ہے، اس کے لئے اس کے حالات کا بغور مطالعہ کرنا ہوگا،

جولائی ۱۹۵۳ء میں ان کا اس کالج میں داخلہ ہوا، داخلہ کا واقعہ بھی عجیب ہے، کراچی سے تبلیغی جماعت کے ساتھ سفر کا آغاز کیا، راستہ میں جماعت سے رخصت لے کر سکرنڈ پہونچے تاکہ کالج کے حالات کا مطالعہ کریں، کیوں کہ پہلے ہی سے آپ کا داخلہ کا خیال تھا، جمعرات کا دن کالونی کے گشت کا دن تھا، جب مغرب کے وقت جماعت گشت سے واپس آئی تو آپ مسجد میں موجود تھے میں نے ان کو پہچانا، کیوں کہ کراچی میں ایک مرتبہ سرسری ملاقات ہو چکی تھی ہمارے وائس پرنسپل محمد ہارون خاں صاحب بھی انہیں جانتے تھے، ہمیں معلوم ہوا کہ شام کی گاڑی سے سکرنڈ پہنچے ہیں، اور ہوسٹل میں سامان رکھ کر مسجد آگئے ہیں، آپ کے کپڑے بہت میلے ہو رہے تھے، کیوں کہ ایک عرصے سے جماعت کے ساتھ تھے اور عدم فرصت کے سبب دھو بھی نہ سکے، نہ کسی مقام پر جماعت کا اتنا قیام ہوا کہ کسی دھوبی سے کپڑے دھلوائے جاتے، دوسرے

خاموش تبلیغ ہو جاتی تھی۔"

کالج کے حالات | محمد رضا اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"سندھ زراعتی کالج کی عالیشان عمارت سکرنڈ، ضلع نواب شاہ
میں واقع ہے۔ ماحول بڑا ہی خوشگوار ہے۔ کالج کے ایک طرف
بڑی جھیل ہے جس میں موسم کے مطابق مچھلیاں، خوشنما مرغابیاں
اور کنول کے پھول بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہر طرف ہرے بھرے
کھیت، اور ان کے درمیان صاف شفاف پانی کی نہریں بڑی ہی بھلی
معلوم ہوتی ہیں۔ مارچ کا مہینہ ہے اور موسم بہار، طلباء کے
امتحانات ہو رہے ہیں، ان کے دل ان قدرتی مناظر سے پوری طرح
لطف اندوز ہونے کے سبب آزردہ ہو رہے ہیں۔

۲۲ مارچ بروز پیر چھ سال کا امتحان ختم ہوا ہے۔ طلباء
امتحان سے فارغ ہو کر آ رہے ہیں، ان کے چہروں سے تھکان، خوشی
اور پریشانی کے ملے جلے آثار ظاہر ہیں۔ ان ہی میں سے ایک لڑکا
جس کی عمر سولہ سترہ کے درمیان ہے، مسیں پھوٹتی ہیں،
رنگ صاف، قد مناسب، اعضاء میں پوری پوری مناسبت
جسم بھرا ہوا، ہونٹ پتلے، آنکھیں بڑی بڑی، پیشانی چوڑی،
اور پر نور، چہرے سے تھکاوٹ تو ظاہر ہے، لیکن تردد اور پریشانی

زیادہ محبت کرتے ہیں، جو تھوڑی دیر کے لئے ان سے باتیں کرلیتا
اُن کا دلدادہ ہو جاتا۔

دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں سندھ کا سہ روزہ اجتماع تھا،
وہاں مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے عبدالرحمٰن سے
ملاقات ہوگئی، ایک ہی ملاقات میں وہ ان کے ایسے رفیق ہوگئے
کہ مستقل خط وکتابت ہونے لگی، اور ان کی وفات کے بعد ان کے
احباب سے یہ سلسلہ جاری رہا۔

آخری سفر تبلیغ میں نظام الدین جانے سے پہلے لائل پور
جانا ہوا، وہاں ایک طالب علم ذوالفقار بی اے سے ملاقات ہوئی
ایک ہی ملاقات میں اس نوجوان کی زندگی بدل گئی، ان کے گھر
کے افراد سے ملاقات ہوئی، تو وہ بھی متاثر ہوئے، فاروق عزیز
کے بعد ان کی خط وکتابت ہمارے ساتھ اب تک قائم ہے،

سہارنپور کے مدرسے ایک برمی طالب علم کا خط کالج
میں آیا، جس سے معلوم ہوا کہ کچھ دیر کے لئے اُن سے وہاں ملاقات
ہوئی تھی، اسی طرح ہمارے پاس کالج میں متعدد خطوط آتے رہے
جن سے معلوم ہوتا تھا کہ جس سے ان کی ایک مرتبہ ملاقات ہو جاتی
تھی اس کی انتہائی تمنا یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ہی ان سے رشتۂ مودت

درخواست کا فارم مکمل کیا، اور داخل ہو گئے۔ ایک دن کلاس
میں حاضر ہو کر اپنے گھر روانہ ہو گئے تاکہ اپنے [illegible]
اس کے بعد ماہ ستمبر [illegible] تک وہ ہم لوگوں کے درمیان رہے۔ ایک
عجیب زندگی تھی، اور عجیب اس کے احوال تھے۔ چند عنوانات کے
تحت صرف اجمالی تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

محبت دلنوازی| انھوں نے کالج میں آتے ہی یہ بات اپنے عمل سے
ثابت کر دی تھی کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اس کی ایک زندہ
مثال یہ ہے کہ ان کے ایک دوست بلاک نمبر [illegible] میں رہتے تھے۔
لیکن جب یہ تشریف لائے تو ان کے دوست اپنے بلاک کا
آرام دہ کمرہ چھوڑ کر ان کے کمرہ کے پاس ہی ایک کمرہ میں رہنے لگے
شاید دوسرے طلبا بھی ایسا کرتے، لیکن چونکہ بلاک میں کوئی
کمرہ خالی نہ تھا۔ اپنے دوستوں سے اس قدر محبت اور اکرام سے
پیش آتے کہ وہ باوجود جماعت اور عمر کے فرق کے زیادہ سے زیادہ
وقت ان کے ساتھ گزارنا باعث فخر سمجھتے۔ میں حالاں کہ تیسرے
سال میں تھا اور وہ پہلے سال میں، لیکن کلاس کے اوقات کے
علاوہ ہم اپنے وقت کا اکثر حصہ ایک ساتھ گزارتے، یہاں تک کہ
کھانا اکٹھا کھاتے، ہر دوست یہی سمجھتا تھا کہ فاروق عزیز مجھ سے

دوسرے لڑکے طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے، اور انکی معصومیت
سے ناجائز فائدہ اٹھاکر ان کو پریشان کر رہے تھے، جس وقت میں
وہاں پہونچا وہ پسینہ میں شرابور تھے، معالج فارغ ہوا تو معاوضہ بھی
اپنے پاس سے ادا کیا، کسی نے کیا ہی اچھے الفاظ کہے تھے جس پر انھوں نے
عمل کرکے بتایا تھا۔ [1]

Glory of Life lies in:
To give and not to get,
To serve and not to be served,
To love and not to be loved

حبِ عبادت : ان کی عبادت کی کیفیت کا وہی اندازہ کر سکتا ہے جس نے
انھیں دیکھا ہے، فرائض تو بہت ہی اہتمام سے ادا کرتے اس کے
علاوہ نوافل کی بڑی پابندی ہوتی، تہجد کا اس قدر خیال ہوتا کہ عشاء
کی نماز میں وتر ادا نہ کرتے، بلکہ تہجد میں ادا فرماتے، مجھے یاد نہیں
کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ آپ تہجد میں نہ اٹھے ہوں، فجر کی نماز کے بعد
قرآن مجید کی تلاوت فرماتے، یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہوجاتا

---

[1] ترجمہ: زندگی کا حسن اس میں ہے کہ:
۱۔ انسان لینے والا نہیں دینے والا بن جائے۔
۲۔ خدمت لینے والا نہیں خدمت کرنے والا بن جائے۔
۳۔ عزت و محبت کا طالب محبت و اکرام کی باتیں کرنے لگے

اے اللہ! تیرا دین مٹتا رہا اور ہم نہ مٹے، اس ظلم عظیم
کو محض اپنے لطف و کرم سے معاف فرما۔

مجھے ان کے پارٹنر (PARTNER) ساتھی مختار احمد نے بتلایا کہ فاروق عزیزؒ
تہجد میں اس دعا کا خاص اہتمام فرماتے، اور بڑے ہی درد اور بے چینی
کے ساتھ۔ رو رو کر اس دعا کو دہراتے۔

دین کا درد و فکر

ان میں دین کا درد اس حد تک تھا کہ افسوس ناک
حالات کو دیکھتے، اور بے چین ہو جاتے، بے حد صدمہ ہوتا، اور اس کا
اثر ان کی تندرستی پر بہت ہی مضر ہوتا، جب آخری مرتبہ بدیل حج
کی جماعت سے، واپس آئے تو ان کی صحت بہت گر گئی تھی، جب ان کے
انتقال کی خبر پہنچی، آرکیٹکچر (ARCHITECTURE) کے اسسٹنٹ
پروفیسر احمد پاشا جاگیردار صاحب کو ملی، اور ان کو یہ بتایا گیا کہ
ڈاکٹروں کی یہ رائے تھی کہ وہ تقریباً دو ماہ میوات (رائے ونڈ) اور
دوسرے مقامات پر تبلیغی کام کرتے رہے، اور اس میں رمضان شریف
کے روزے بھی رکھے، تو ان کے معدے میں خشکی بہت ہو گئی تھی،
اور پھر سہارنپور آخری عشرہ رمضان میں بادام کا شربت استعمال
کیا، تو خشکی اور تری کے امتزاج سے مرض کی ابتداء ہوئی، اور
یہی مرض مرض الموت ثابت ہوا، تو فرمانے لگے، خیر یہ تو ڈاکٹروں کا

اشراق کے بعد دوسرے مشاغل میں مشغول ہوتے، صبح و شام تین
تسبیحات کلمہ سوم، درود شریف، استغفار کی بڑی پابندی کرتے۔
ب، بیان شوق، خضوع | جس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو چہرہ
پر عجیب آثار نمودار ہو جاتے، اور اس قدر رقت طاری ہوتی کہ بے اختیار
آنسو جاری ہو جاتے، اور عموماً چہرے سے ایسا معلوم ہوتا کہ اب رو دینگے
اب روئے، بلکہ میرا تو یہ حال ہوتا کہ جب وہ نماز میں مشغول ہوتے
تو میں ان کے چہرہ کو دیکھتا رہتا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ
نماز میں میری بھی ایسی ہی کیفیت ہو جائے، اور اب بھی یہی آرزو ہے۔
دعا مانگنا | اللہ تعالیٰ تو بہت بڑے دینے والے ہیں، لیکن وہ بھی
بغیر مانگے نہیں دیتے، اور پھر مانگنے کا بھی ایک حق ہے، مرحوم
کی دعا کی عجیب کیفیت ہوتی، اپنے رب سے بڑے ہی احسن طریقہ
سے مانگتے، دفعتاً آنکھیں پرنم ہو جاتیں، اس سوز اور الحاح
سے مانگتے کہ صاف معلوم ہوتا کہ ان کو پورا پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ
ضرور دیں گے، اور سوائے ان کے کوئی دینے والا نہیں، عاجزی
اور بے کسی کی تصویر بن جاتے، سننے والوں کے سامنے اپنی حقیقت
کھل جاتی، اکثر کوشش کی جاتی کہ وہی دعا مانگیں، ان کی ایک
خاص دعا یہ تھی:-

فرمائی تھی جب کسی سے کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے تو اسے اس قسم کی صلاحیتیں عطا کی جاتی ہیں، تبلیغ کا کام عاجزی اور انکسار کی چاہتا ہے، یہ صفت ان میں بہت نمایاں تھی، عبد المتین یوسف زئی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ لنڈو والشریار جاتے ہوئے رات کا کچھ حصہ حیدر آباد میں گذارنا پڑا، اسٹیشن کے پاس ہی ایک مسجد میں قیام کیا، ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک صاحب نے سخت لہجہ میں آکر کہا کہ آپ لوگ بغیر اجازت کیوں مسجد میں ٹھہرے ہیں، مرحوم نے بڑی ہی نرمی اور انکساری کے ساتھ جواب دیا کہ آپ ناراض نہ ہوں ہم سے غلطی ہوئی ہم ابھی چلے جاتے ہیں، اس کے بعد جماعت اسٹیشن چلی آئی اور ہم گاڑی کا انتظار کرنے لگے،

عفو و درگذر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، انسان صفات الہیہ کا مظہر بن کر ہی نیابت و خلافت کی منہاج تک پہنچ سکتا ہے،

ہمارے اس نوعمر داعی میں ان صفات کا عکس بدرجہ اتم موجود تھا، جو لوگ ناواقفی کی بنا پر اس عالی کام کے خلاف تھے، ان کی ستم رانیوں سے انھیں اگرچہ سخت صدمہ پہنچتا تھا یا ذاتی بنا پر کوئی ناملائمت کا واقعہ پیش آتا یہ ان سب کو معاف فرما دیتے تھے، وہ

کے لئے جس کا احتمال بچپنوں میں ہوا ہو، بہت بڑی بات ہو، اس پر
ہی اکتفا نہیں ہوا بلکہ طلبا اور اساتذہ نے الگ الگ قرآن خوانی کی،
اپنے طلبہ سے | عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اخلاقی قدریں اتنی گر گئی ہیں
کہ اس کا علاج ناممکن ہو لیکن ان کے اس بندے نے عملی طور پر یہ
ثابت کر دیا تھا کہ حق تعالیٰ نے انسان میں ایک عجیب صلاحیت رکھی ہے
اگر وہ کسی سے عمدہ اخلاق سے پیش آئے تو وہ بھی اعلیٰ اخلاق کا
مظاہرہ کرتا ہے، برائیوں کو دور کرنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اپنا
اخلاق بلند سے بلند تر ہونا چاہئے، اسکول اور کالج کے ہوسٹلوں
میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کے پاس کھانے کی
کوئی چیز ہے تو اس کے قفل توڑنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا، اور
اس طرح چیزیں چرا کر لے لینے کو زندہ دلی اور ایک قسم کی اچھائی
سمجھا جاتا ہے، ہمارے ہوسٹل میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا، فاروقی صاحب
کے کمرہ میں اکثر کوئی نہ کوئی چیز کھانے پینے کی رہتی تھی، اور وہ اپنے
بکس، الماری کو قفل بھی نہیں لگاتے تھے، اپنے کمرہ کو بھی کھلا
چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ ان کے کمرہ سے کوئی
چیز چوری ہوئی ہو، ایک طرف تو قفل توڑے جاتے ہیں اور دوسری
طرف کھلے کمرہ سے بھی کوئی چیز غائب نہیں ہونے پاتی، یہ صرف

اگر چاہتے تو ان کو ' چنے کتے پہ معلوم کر سکتے تھے، لیکن کبھی ایسا
نہیں کیا، ہمیشہ ان کی پردہ پوشی فرماتی، موقع آیا تو اُن کی وفاداری
کی یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات کے بعد اب تک وہ لوگ انہیں
دوستوں سے کہا دہ نہیں کرتے، بلکہ بعض مرتبہ ان کے حسن سلوک
کی مثالیں دیتے ہیں۔

درد اور رقت | کم عمری کے سبب اگرچہ معصومیت اُن کے چہرہ
سے جھلکتی تھی، لیکن جب کوئی قابل غور اور اہم بات زیر غور لائی
جاتی یا کسی ایسی مجلس میں شریک ہوتے، جس میں سنجیدگی اور متانت
کی ضرورت ہوتی تو اس قدر سنجیدہ اور متین نظر آتے کہ گویا نو عمر
نہیں، بلکہ کوئی اور ہے۔ ان کے مذاق نرم طبیعت اور سچے جذبے
ہوتے تھے، آج بھی وہ ہمیں خون کے آنسو رلاتے ہیں۔

ہردلعزیزی | حلقۂ تبلیغ میں ہردلعزیز تھے، مگر کالج میں بھی ان کی
ہردلعزیزی کا یہی حال تھا، جب ان کے انتقال کی خبر کالج
پہنچی اسی وقت طلباء کی ایک میٹنگ ہوئی، اور ایک وفد
پرنسپل صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا، پرنسپل صاحب نے فوراً
چھٹی کا اعلان کر دیا، انتقال کی خبر رات ہی رات تمام ہاسٹل اور
کالونی میں پھیل گئی، کالج میں چھٹی ہوتا، اور وہ بھی اپنے لڑکے

کوئی خاص توجہ نہ دینے کے باوجود انھیں بہت سے نام یاد ہو گئے تھے

تبلیغی قابلیت | بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ طلباء کو تبلیغ کے کام میں
حصہ نہیں لینا چاہئے کیوں کہ اس سے ان کی تعلیم پر اثر پڑتا ہے،
اگر یہ حضرات ٹھنڈے دل سے ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم
ہوگا کہ وہ مسکرانے کے تبلیغی کام میں ہر وقت پیش پیش رہے، لیکن
اس کے باوجود اپنی جماعت میں قابل طلباء میں گردانے جاتے تھے،
اور یہی وجہ تھی کہ انکا [illegible] ہوگیا تھا جو عموماً قابل طلباء سے ہوتا کر
سالانہ امتحان میں ان کی شاندار کامیابی نے یہ واضح کر دیا تھا کہ دین
کا کام تعلیم کی راہ میں معاون ہو سکتا ہے مضر نہیں،

تربیت | ان کی صالح تربیت میں ان کے والدین کا بڑا حصہ معلوم ہوتا
ہے، اس کا علم اس طرح ہوا کہ ان کے ایک ساتھی PARTNER
مختار احمد نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کی والدہ محترمہ نے لکھا تھا
کہ میرا دل چاہتا ہے کہ فاروق تمھیں حلوہ بھیجوں، لیکن یہ حلوہ اس لئے
ہوگا کہ اس سے جو قوت پیدا ہو وہ تم دین کے لئے خرچ کرنا،
اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ماؤں کا اولاد کے کردار میں کتنا
اہم حصہ ہے،

امتحانات ختم ہوتے تو ہمہ تن تبلیغی کام میں مصروف ہو گئے۔

اس لئے چلا کہ دین میں پھر بہار آجائے، اس نے اپنی جان اس میں لگا ئی تو اس لئے لگائی کہ صحابہ کرام کی قربانیاں پھر وجود میں آئیں، اس نے غریب الوطنی کی موت کو اس لئے ترجیح دی کہ مٹی ہوئی نسبتیں پھر زندہ ہوں،

حرفِ آخر | اے معصوم دوست! تو کس قدر قابلِ مبارک باد ہے کہ اللہ نے تیری بیش بہا اور آغازِ شباب کی قربانی قبول فرمائی،

اے میرے معصوم اور بڑے ہی اچھے دوست! شاید مجھے اس عارضی زندگی میں تجھ جیسا دوست نصیب نہ ہو سکے، اور میں تیری یاد تا زیست بھلا نہ سکوں، اور یہ آنسو اس طرح پانی سے بھی زیادہ ارزانی کے ساتھ بہتے رہیں،

اے دوست جس طرح تو نے اس دنیا میں دوستی کا حق ادا کر دیا، اور ویسے وفا سی نہیں کی، اسی طرح کل قیامت کے دن جو نفسی نفسی کا دن ہوگا اس دن مجھ عاصی کو نہ بھول جانا، اللہ کی رحمت اور اس کے پیاروں کی نظرِ عنایت سے دائمی وصل کی امید ہے، یہ عارضی فراق کے شب و روز آنے والے ابدی وصل کی امید میں کٹ رہے ہیں،

اے جانے والے دوست! میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ ابلغ

۳۰ اپریل تک سندھ اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں کام کیا
محمد بشیر الدین کہتے ہیں کہ شعبان کی پندرھویں شب ہم نے لاہور
میں گزاری، مرحوم اس رات بالکل نہ سوئے، اپنے رب کو یاد کرتے
رہے اور خوب درود پڑھا، گڑگڑا کر بارگاہِ ایزدی میں دعائیں
کرتے رہے، لوگ میرے بھائی قاری شمس الدین صاحب سے
دریافت کرتے تھے کہ یہ لڑکا کون ہے جس نے ساری رات رونے
اور آہ و زاری میں گزار دی۔

لاہور میں تھے کہ پاسپورٹ تیار ہو کر آیا، یکم مئی ۱۹۵۲ء کو
نظام الدین[۹] (دہلی) کے لئے روانہ ہوئے، دوستوں نے الوداع
کہا، رمضان شریف کے آخری عشرہ تک دہلی اور سہارنپور وغیرہ
میں کام کیا، ۲۴ مئی کو سہارنپور سے نظام الدین واپس آئے
تو بیمار تھے، اٹھارہ دن بیمار رہ کر ایک معصوم مسافر نے اس عالم
میں داعی اجل کو لبیک کہا کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی اس کے
پاس نہ تھا، بے شک جس زمانہ میں اللہ کا دین جیت رہا تھا، کفر و الحاد
کی ظلمت سے فضائیں تاریک تھیں...... اللہ کا یہ بندہ زیادہ
عرصہ تک یہ ہولناک اور روح فرسا منظر دیکھ سکا، وہ چلا تو

---

[۹] عبدالوہاب صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]

سکندر ۲۲ ۱۲/۵۲ ۷۸۶

محترم وشفقم ! سلام مسنون ،

بعد تسلیمات وآداب عرض ہے کہ آپ سے جدا ہو کر بندہ دل میں
آپ کی محبت کے طوفان لئے ہوئے اور ان کو دبانے کی کوشش کرتے
ہوئے اپنی فانی منزل پر پہنچا ، اور الحمدللہ کہ بخیریت پہونچ گیا ، بس
آپ کی دعاؤں کی برکت تھی ، اور اب مزید دعاؤں کا خواستگار ہوں ،
یہاں پہنچ کر اپنے مقصد میں مشغول ہو گیا ، لیکن بھائی یہ مقصد تھوڑی
سے جبر میں مشغول ہوں ، بلکہ یہ ایک ضرورت ہے ، حالانکہ مومن کی
زندگی کا مقصد بہت عالی اور اونچا ہے ، دعا ، فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں
اپنے منصب کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائیں ،

بشیر بھیا ! واقعی یہاں کی ہر چیز فانی ہے ، ان فنا ہونے والی
چیزوں کی حقیقت انسان پر اس وقت کھلتی ہے جب کسی باقی رہنے والی
چیز پر جان کو پہنچانے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہو ،
آج دنیا کے لحاظ سے جتنی محبتیں کی جاتی ہیں ، چاہے وہ کتنی ہی عہد و
پیمان کے بعد کی جاتی ہوں وہ بالکل فانی اور حقیر ہوتی ہیں ، اور وہ اس
وقت تک ہوتی ہیں جب تک انسان ایک دوسرے کے آنکھ سامنے
ہوں ، اور اگر اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ ایک دوسرے کے کرہ

مجھے بھی آپ سے نسبت رکھنے کے واسطے سے آپ کی طرح دین کے
لئے قبول فرمائے ؛

راہِ عشقِ حق میں سر فروشانہ اقدام کرنے والے شہزادے! تیرے دن
بھی عجیب تھے، اور تیری راتیں بھی عجیب تھیں، مجھ سا اور کوئی تہی دست نہ ہوگا
اگر میں نے تیری خوبیوں کو بھلا دیا، مجھ سا اور کوئی محروم نہ ہوگا اگر میں تیری
اقتدا نہ کر سکا، اس وقت اگر کوئی آرزو ہے تو یہی کہ ساری زندگی اس تا اللہ
کی راہ طے کرنے میں گذار دوں جس کا تو نشانِ سفر تھا۔ وَهٰذِهٖ مَنْزِلَةٌ جَلِيْلَةٌ
وَرُتْبَةٌ عَظِيْمَةٌ لَا يُسَاوِيْهَا مَرْتَبَةٌ وَّلَا تُعَادِلُهَا مَنْزِلَةٌ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

"یہ وہ رتبہ جلیل اور درجہ عظیم ہے کہ جس کے برابر کوئی خوبی نہیں،
اور کوئی درجہ اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، اور یہ اللہ کا فضل ہے
جسے چاہے عطا فرماتا ہے وہی صاحب فضل عظیم ہے۔"

دوستوں کے نام خطوط

خطوط دیکھے تو ان میں دعوت و محبت کا عجیب رنگ تھا۔ چند خطوط ملاحظہ
ہوں، اپنے ایک دوست محمد بشیر الدین کو لکھتے ہیں:-

نے ان کو لیا تھا، زیادہ کیا عرض کروں، میں تو عمل کے میدان میں
بالکل کورا ہوں، اور از حد گنہگار ہوں، دعا گو ہوں کہ اللہ رب الکریم
میری کوتاہیوں کو .... اپنی رحمت سے معاف
فرمادیں، آمین، اللہ تعالیٰ خیر کی صورتیں پیدا فرمائیں، اور ہمیں آپس
میں بے لوث محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین،
بھائی رضا صاحب و بھائی سعید صاحب کی طرف سے سلام
قبول فرمائیں، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، امید ہے کہ سمجھ میں
آگیا ہوگا، جو ہے ا۔ تشریف لائیے میرے پیارے بھیا ضرور،
بھائی سعود صاحب، دیگر احباب کی خدمت میں سلام عرض والسلام
معتقد دعاگو عاشق علی عفی عنہ

میرے فرزند! تیری تحریریں عجیب تحریریں ہیں، کاش! میں تیرے جانے
سے پہلے جان لیتا، اسی دوست کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں ا۔

سکرند، ۲۳/۱۱/۵۳

جناب اخی المکرم و مشفقم،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

امید ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہوں گے، میں بھی آپ کی
دعاؤں کی برکت سے اور اس ذات عالی کی رحمت و عنایت سے جس کے

تک رہتی ہو، اور اس کے بعد وہ بھول کر بھی یاد نہیں آتی۔ لیکن
اس کے برعکس اللہ کے لئے محبت کرنا اور دینی لحاظ سے محبت کرنا
یہ ہمیشہ ہمیشہ کام آتی ہے۔ یعنی اگر ایک دوست دوسرے سے زندگی
ہی میں جدا ہو جائے تو وہ آپس میں اس طرح ہوتے ہیں جیسے وہ
ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں، اور باتیں کر رہے ہوں، اور
موت کے بعد تو پھر اصل معاملہ ہوتا ہے، وہاں پھر ہمیشہ ہمیشہ کی
جنت و آرام کی زندگی ایک دوسرے کی یاد میں گذارتے ہیں۔ دعا
فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی اور سچی محبت نصیب فرمائیں۔ معاف
فرمائیں میں نے آپ کا وقت ضائع کیا، یہ جملے میں نے صرف تذکرہ
کے طور پر عرض کئے ہیں۔

زیادہ کیا عرض کروں، یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا میں
اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ہمیں
ان چھ نمبروں پہچان کر اپنی زندگی میں لانے کی توفیق عطا فرمائیں۔
درحقیقت اگر یہ چھ نمبر ہماری زندگیوں میں آجائیں تو ہماری دنیا اور
آخرت بالکل سنور سکتی ہیں اور ان چھ نمبروں میں پورا دین آجاتا ہے۔
یہ چھ نمبر بھی کسی خاص راستے سے آتے ہیں، صرف جد وجہد اسے
راستے آتے ہیں، جس راستے سے صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین

مجھ ناقص بعقل انسان کی طرح خواہ مخواہ فکر نہ فرمایا کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے خوب مانگتے رہیں، انشاء اللہ وہ ہماری مدد فرمائیں گے، ابھی میرپور خاص کے اجتماع سے فارغ ہوئے ہیں، وہاں الحمدللہ خوب اجتماع ہوا، وہاں کے حالات آپ کو معلوم ہو ہی گئے ہوں گے، اس لئے تحریر کرنے کی ضرورت نہیں،

اس وقت، بجکر ۹ منٹ ہو چکے ہیں، عشاء کی اذان بھی ہو چکی ہے، اس لئے اجازت چاہتا ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ عرض ہے کہ آئندہ خط نہیں لکھوں گا"

تمام دوستوں کی خدمت میں سلام، دعاء فرماتے رہیں، گھر پر ضرور تشریف لیجایا کریں، والسلام فاروق عربی

اجتماع کے موقع پر دوستوں کی شرکت کا بڑا فکر ہوتا، اور بڑی بے تابی سے ان کی راہ دیکھتے، ایک خط میں اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :-

از سکرنڈ،
۳۱ اگست ۱۹۵۳ء
باسمہٖ سبحانہ[1]

برادرم محترم مشفقم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ میں اللہ کے فضل وکرم سے بخیر وعافیت ہوں، اور آپ کی دعاؤں سے تعلیم کی طرف کوشاں

---

[1] ہر خط خدائے بزرگ و برتر کے نام سے شروع ہوا ہے۔

قبضہ میں ہم سب کی جان ہے، اور جو اس تمام عالم انسانی اور کائنات کا
کارساز ہے بخیریت ہوں، الحمد رب العزت والاکرام
ہے کہ اس نے مجھے اور آپ کو جدائی عطا فرمائی، اور اس پر صبر کی
توفیق عطا فرمائی، حقیقت میں جدائی کے وقت جو دل کی حالت تھی وہ
خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرماتے
ہوئے صبر کی توفیق عطا فرمائی، بھائی جان یہ دنیا تو فانی ہے یہاں کی
تو ہر چیز ایک نہ ایک دن بچھڑے جدا ہونی ہے اصل سب ملنا تو
آخرت میں ہے، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ آخرت میں ساتھ اور
ایک جگہ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں تاکہ یہاں کی کسر یہ
پوری کریں، اور بھائی خوب ملیں یہی رب العزت کا مقصد ہے
کہ جو دنیا میں جدائیاں برداشت کریں گے اور تکلیفوں پر صبر و شکر
کریں گے انشاء اللہ انھیں آخرت میں اس کے بدلے بڑھ کر اکٹھا
کیا جائے گا، اور طرح طرح کی راحتیں عطا فرمائی جائیں گی، جب آپ
رخصت ہوا تو دو دن نہایت طبیعت پریشان رہی، اور اس خیال
سے اور بھی گھبراہٹ ہوئی کہ میری وجہ سے آپ کی ذات کو تکلیف
ہو رہی ہے، اس لئے اللہ رب العزت سے دعا کی کہ اللہ رحم
فرما، دوسرے دن کچھ طمانیت ہوا، تو شکر ادا کیا، بھائی آپ

اب بھی آنے کا ارادہ کریں تو بہت اچھا ہو کیوں کہ موسم بہت اچھا ہو
تمام احباب کی خدمت میں سلام عرض، فقط والسلام،

فاروق عفی عنہ

اس دوست کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

باسمہ سبحانہ

مسکرند

برادرم محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، میں بخیریت پہنچ گیا ہوں،
آپ سے جدا ہو کر میں بعد والد صاحب حیدرآباد پہنچا، وہاں سے پھر
میرپور خاص جانا ہوا، اس لئے راستے میں دو دن صرف ہوگئے، کل
بھائی رضا صاحب تشریف لائے تھے، اور انھوں نے یہ خبر سنائی کہ
آپ اجتماع پر تشریف نہیں لا رہے، تو نہایت افسوس ہوا، اور ساتھ
ہی جب انھوں نے یہ فرمایا کہ آپ اگلے مہینے تشریف لائیں گے، تو دل
کو کچھ اطمینان ہوا، ہالا کے اجتماع کے متعلق ایک جماعت کل
نواب شاہ جا رہی ہے، وہ جماعت نواب شاہ جمعہ پڑھے گی، اور اس کے
بعد نواب شاہ والوں کو ساتھ لے کر ہالا پہنچے گی، دعا فرمائیں، کہ
اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو کامیاب فرمائیں،
دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے ساتھ لگاؤ عطا فرمائیں

ہوں، آپ نے میرے خط کا بہت انتظار کیا ہوگا، معاف کیجئے،
میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس گستاخی کو معاف فرمائیں گے۔
آپ کو معلوم ہو کہ آپ نے تو صرف میرے خط کے لئے انتظار کیا لیکن
بندے نے آپ کا انتظار کیا جو کبھی نہیں بھولے گا۔ میں انتظار کرتا رہا
لیکن نتیجہ مایوس کن ثابت ہوا۔ میں نے ایک خط مورخہ ۹ اگست ۵۵ء
کو آپ کو لکھا تھا، اور اس کو پوسٹ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ بھائی
رضا صاحب تشریف لائے، اور انھوں نے فرمایا کہ وہ کل ضرور آنے کی
کوشش کریں گے۔ میں نے اس خیال سے خوش ہوتے ہوئے خط کو
ڈاک مناسب نہ سمجھا کہ ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن جب آرٹ پہنچا تو
یہ معلوم کر کے کہ جناب کسی وجہ سے تشریف نہ لائے نہایت افسوس
ہوا، اور میری حالت ایسی ہو گئی جیسے ایک طالب علم کی نتیجے کے وقت
ہوتی ہے، بہر حال اس میں خیر ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر
عطا فرمائیں، آمین، انشاء اللہ اکتوبر میں ملاقات ہوگی، اگر میری
طرف سے خط لکھنے میں سستی ہو جایا کرے تو آپ خط لکھ دیا کریں،
دل بہت پریشان رہتا ہے، دعا کریں، آرٹ میں کام خوب ہوا،
بھائی سعید صاحب نے خوب فکر فرمایا، ہائی اسکول کے طلباء
کی ایک جماعت سکرنڈ آتی ہوتی ہے، کام ہو رہا ہے، آپ اگر

میری تمام پچھلی غلطیوں کو درگذر کرتے ہوئے میرے لئے اللہ رب العزت سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے حقوق کی ادائیگی نصیب فرمائیں ،
واقعی میں نے آپ کی بہت گستاخیاں کی ہیں، خدا کے لئے معاف کر دیجئے،

واقعی آپ کا فرمان سچ ہے، کہ آخرت کا معاملہ بہت اہم ہے، ہم دنیا میں لگ کر آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں، حالانکہ اگر دنیا کو آخرت کے لئے کیا جائے تو دنیا بھی دین بن سکتی ہے، اور اللہ کو راضی کرنیکا ذریعہ بن سکتی ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اعمال اور یقین کے خزانے عطا فرمائیں، اور ہر جگہ اور ہر ماحول میں رہتے ہوئے ان چھ نمبروں پہ پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین،

انشاءاللہ عید پر آؤں گا کیوں کہ چار دن کی چھٹیاں ملیں گی، ایک جماعت تین دن کے لئے یہاں سے نوشہرہ فیروز جا رہی ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے باہر نکلنے کی توفیق عطا فرمائیں،

تمام احباب کی خدمت میں السلام علیکم، خصوصاً بھائی مسعود الرحمٰن کو سلام قبول ہو، معاف فرمائیں جواب میں تاخیر ہوئی،

فقط والسلام

آپ کا ناچیز بھائی

فاروق حسن

اور یہاں والوں میں دین کی تڑپ عطا فرمائیں، اور سارے ممالک میں،
پورے پاکستان میں، اور پورے عالم میں دین کی اس نقل و حرکت کو
جاری و ساری فرمائیں، اور مجھے بھی اس میں ڈوبے ہوئے قدم نکالنے کی
توفیق عطا فرمائیں،

اگر آپ لوگ خط تحریر فرمائیں تو اپنے قبلہ حضرت والد صاحب اور
حضرت قاری صاحب کی خدمت میں بندہ کی طرف سے سلام تحریر فرمائیں،
زیادہ کیا عرض کروں، دل تو بہت چاہتا ہے کہ اکٹھے بیٹھے رہیں اور
خوب باتیں کریں۔ ۔ ۔ ۔ خیر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت الفردوس میں اکٹھے
ملائیں، اور وہاں صرف باتیں کرنا نصیب فرمائیں، آمین،

تمام احباب کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام،

معاف فرمائیں مجھے خط لکھنے میں تاخیر ہوئی، اس خط کو نواب شاہ
سے پوسٹ کروں گا، انشاء اللہ۔ فقط والسلام آپکا بھائی
قاضی محمد

ادسکرنہ ماسٹیجان

۶ اگست ۱۹۸۲ء اخی المکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آپ
بزرگوں کی خدمت میں کیا عرض کروں، میں یہی درخواست ہے کہ آپ

۷۸۶

از کوئٹہ
۲۱/۹/۵۲

پیارے بھائی اقبال صاحب

سلام مسنون، آپ کا محبت بھرا خط ملا، بھائی جان میں بہت نادم ہوں، کہ میں آپ کو خط نہ ارسال کر سکا، خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، یہ سن کر کہ آپ اور کاظمی صاحب انوار کے پروگرام میں لانڈھی تشریف لے گئے تھے نہایت خوشی ہوئی، خدا سے دعا کیجئے کہ خداوند تعالیٰ زیادہ سے زیادہ اس کام کو کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور دوسروں کو بھی اس کام میں جوڑنے کی توفیق عطا فرمائیں، میرے بھائی یہاں بھی جماعتیں باہر نکلتی ہیں، مجھے اس وقت پیچ ہوتا ہے جس وقت میں آپ جیسے دوستوں اور بھائیوں کو نہیں پاتا، میرا مطلب یہ نہیں کہ یہاں ایسے بھائی نہیں ہیں جو کام کر سکتے ہیں، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ جیسے اور بھائی الیاس جیسے ایک ہی جماعت اور ایک عمر کے یہاں موجود نہیں ہیں، اب آپ کی دعاؤں کی برکت سے کچھ اس قسم کے بھائی بھی اس میں حصہ لینا شروع ہو گئے ہیں، دعائیں فرمائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کوئٹہ والوں کو پھر ایک بار اسلام کو دنیا میں لے کر پھرنے والا بنا دے، آج ہفتہ کی رات ہی آج جماعت چشمہ جو کہ آٹھ نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں جا رہی ہے، میرا اور خالد صاحب کا ارادہ جانے کا ہے، یہاں آج کل مولانا محمد امین صاحب آئے ہوئے ہیں، ماشاءاللہ خوب دعوت رکھتے ہیں، گذشتہ جمعرات دس افراد کی ایک جماعت مستونگ کے لئے نکلی، اور اب کی جمعرات بھی دس افراد کی جماعت قلات گئی ہے، نومبر کا اجتماع یاد ہے، میرے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ

کرنی چاہئے، اس لئے ہم اس گاؤں میں گئے، وہاں خصوصی گشت کیا گیا، جن میں ایک دونوں صاحب بہت متاثر ہوئے، اور دعا بھی فرمائی، اس کے بعد وہاں ایک اسکول تھا، اس کے اساتذۂ کرام میں بھی گشت کی نوبت آئی، تو بھائی مقصود صاحب نے ان کے سامنے پوری دعوت رکھی، وہ بہت متاثر ہوئے، اور ہیڈ ماسٹر صاحب تو رو رہے تھے اور انھوں نے بھی وعدہ فرمایا کہ میں اگلے اتوار انشاء اللہ پہنچوں گا، اور جمعرات میں بھی آنے کا وعدہ کیا، بس جی اس کام کی تو یہی حالت، اس میں ایسے ایسے حضرات ملتے ہیں، آپ میرے لئے اتہائی دعائیں کریں، کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے دین کی خدمت لے لے، بھائی ہم کتنے سست ہیں کہ دنیا کے لئے تو اپنی جانیں دے رہے ہیں، جو بالکل چند روزہ ہے، اور آخرت والی زندگی کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت والی زندگی کی صحیح فکر نصیب فرمادیں،

یہ بھائی محمد حسین چوہدری ہیں ان کا خط آیا تھا، شاید آپ ان سے واقف ہوں، ان کی خدمت میں سلام مسنون کہہ دیں، ان کو میں عنقریب خط لکھوں گا، شام والی جماعت کا پتہ دریافت کرکے تحریر کریں، یہ جماعت کہاں ٹھہرے گی، زیادہ آداب،

والسلام دعاگو فاروق عرب

۴۸۹

Karachi
22/6/53

محترم و مکرم بھائی اقبال صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ کے خاص لطف وکرم سے میں یہاں

"میرے ارادوں کو عملی صورت عطا فرمائیں۔"

تمام دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں السلام علیکم

دعاؤں کا طالب [illegible]

اسی دوست کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

[illegible]

۱۹ر اکتوبر [illegible]ء

برادرم [illegible] السلام مسنون۔

آپ کے بہت سارے خطوط موصول ہوئے۔ نہایت خوشی ہوئی کہ آپ ماشاء اللہ [illegible]
کہ میں خط تحریر کرنے میں معذور ہو چکا ہوں اور [illegible] ہوں۔ اس لئے مجھے معاف فرمائیں۔
بندہ کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ دین کی کچھ خدمت [illegible] کے [illegible] کا نام گورنمنٹ
کالج احمد خان زئی اور [illegible] گئی تھی [illegible] قریب [illegible] آپ کے بھائی صاحب
جو میرے کلاس فیلو ہیں انہوں نے بھی شرکت فرمائی۔ ماشاء اللہ خوب [illegible] آدمی ہیں
اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر خاص خاص [illegible] ہیں۔ انشاء اللہ امید ہے کہ [illegible] بھائی
[illegible] کے اجتماع میں ضرور شرکت فرمائیں گے۔ آپ بھی دعا کریں۔ [illegible] میں
ہم [illegible] آدمی گئے تھے، پہلے ہم نے ایک خصوصی گشت کیا کیونکہ یہ بستی [illegible]
اس لئے اس میں کوئی آدمی نہ آیا۔

عشاء کی نماز کے بعد ہم نے اکٹھے بیٹھ کر مذاکرہ کیا۔ اس کے بعد سو گئے۔ صبح کے
پروگرام میں بھی کوئی آدمی نہ آیا، تو ہم نے سوچا کہ قریب کے گاؤں میں جا کر تعلیم

سفرِ نظام الدین دہلی | والدہ نے کہا بیٹا! تم نے امتحانوں میں بہت محنت کی ہے، اب میرے پاس رہ جاؤ، میں تمھاری خدمت کروں گی۔ کہا "اماں! اس گوشت اور پوست کی خدمت کروگی جو ضائع ہو جانے والی چیز ہے"، کہا "دور دراز سفر ہے، گرمی ہے، میں ڈرتی ہوں کہ کوئی ضرر نہ پہونچ جائے"۔ کہا "اگر اللہ تعالیٰ یہاں جان لے لیں تو کون بچا سکتا ہے؟"

مشاہداتی اور رواجی یقینوں کی اس دنیا میں ایمان کے اس مرتبہ کو الفاظ نہیں سمجھا سکتے۔

اس راہ کا ہر گوشہ عجیب کیف آور تھا، ساری صحبتوں اور الفتوں سے دل لپٹ پڑا تھا، اجازت ملی تو خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، جانے والا ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا تھا، اور کہہ رہا تھا "جزاکم اللہ، جزاکم اللہ، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو خوش کرے آپ نے مجھے خوش کیا"۔ بہنوں سے کئی بار مصافحہ کیا، اور کہا اللہ تعالیٰ تمھیں دین کا داعی بنائے۔

اُن کی دادی بیان کرتی ہیں کہ "میں ملتان میں تھی، کہ فاروق عزیز دہلی سے پہونچے، میں ان کے غیر معمولی احوال دیکھ کر متحیر ہو گئی، رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوئے ان کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آئی، میں اٹھ کر بیٹھ گئی، صبح میں نے کہا، فاروق تمھاری تو ابھی عمر نہیں، تم ابھی سے مولوی بن گئے، پھر جتنے دن رہے تہجد مسجد میں جا کر پڑھتے تھے، میں اس کی پردیس کی حالت دیکھتی اور کہتی بیٹا! کبھی کالج

بخیر و عافیت ہوں، اور آپ کی معیت میں عزت و جلال والے رب غفور کی طرف ٹیک لگائے
ہوں سخت شرمندگی اور ندامت کے بعد آپ کی طرف عریضہ ارسال کرنے لگا ہوں
کیونکہ میں نے آپ کے تمام سفر میں آپ کو ایک خط تک نہیں لکھا، محترم بزرگوار بھائی
ماجد صاحب اور بھائی الیاس صاحب مجھے اکثر تاکید کرتے رہتے تھے کہ فاروق ان کو خط لکھو
لیکن میں تھا کہ کل پر ٹالتا رہا، اب عرض یہ ہے کہ مجھے معاف فرماتے ہوئے خلوص دل سے میرے
لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری ہر طرح حفاظت فرمائے

آپ کو معلوم ہوگا کہ ماتلی کیمپ کا کام شروع ہو چکا ہے، جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ہم
دونوں کو اس کام میں لگنے کی توفیق عطا فرمائی تھی، اس کام کی شان واقعی عجیب ہے،
اللہ ہم کو اپنے کام کی حقیقت منکشف فرمائے۔ آمین اور ان چھ نمبروں کی پابندی اور
حدود و قیود میں وقت گذارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، یہ معلوم کر کے نہایت خوشی
ہوئی کہ آپ ۳ جولائی کو تشریف لا رہے ہیں، واقعی اللہ رب العزت نے آپ کو خوب
قبول فرمایا ہے، اب انتظار ہے کہ آپ آئیں، اور اپنی برکتوں سے ہمیں اور تمام عالم
کو مستفیض فرمائیں، یہ تبلیغ ہر امتی کو صحیح رخ پر لانے والی ہے، اللہ کے بندوں کو اللہ سے
ملانے والی ہے، بس بھائی میرے لئے دعائیں فرمائیں، اور خوب دعائیں کریں، اور تمام
عالم کے تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے دعائیں کریں، کہ اللہ ہمیں توفیق دے، اور پوری عمر
اس کام میں قبول کرے، آمین،

والسلام فاروق حسن

بلکہ اہل محلہ اور مسجد کے اکثر نمازی انھیں یاد کیا کرتے، آج جس جس نے سُنا اس جگر سوز خبر نے ہر ایک کو تڑپا دیا، انسان تو در کنار، میں علی وجہ البصیرت بلا مبالغہ لکھ رہا ہوں کہ ست گھرا مسجد جس میں شب برات کو، جانے والے اس نوجوان زاہد نے خشوع وخضوع اور حضور قلب والی قابل رشک بسکیاں لے لے کر دل کو ہلا دینے والی صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں ادا کی تھیں، اس مسجد کے در و دیوار اور محراب و منبر بھی اشکبار ہیں،

آہ در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

دہلی پہنچ کر قاری بشیر احمد کو ایک خط میں لکھتے ہیں ؛۔

برادرم مکرم معظم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

الحمد للہ میں لاہور سے یکم مئی کو چل کر ۲ ؍ مئی کو نظام الدینؒ بمعہ جماعت ڈھاکہ والی پہنچ گیا ہوں، اور بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہوں، اور جناب کی دعائے خاصہ کا بے حد محتاج ہوں، واقعی میں بے حد شرمندہ تو ہوں، لیکن چونکہ لاہور میں رہنا اس طرح پر ہوا کہ آج یہاں سے روانہ ہونا ہے یا کل، بس اسی انتظار میں وہاں تقریباً پندرہ دن ٹھہرنا ہوا، لیکن آپ بزرگوں کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے سے قاصر رہا، اس لئے معافی چاہتا ہوں، اور قوی امید ہے کہ آپ معاف فرما کر ممنون فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں،

کے لڑکے بھی ایسے ہوتے ہیں۔ محمود حق اس حال میں جا رہے ہو! سامان کیا تھا، معمولی بستر تھا، جو ایک سیاہ رسی سے بندھا تھا۔ چھوٹے سے بیگ میں کچھ کپڑے تھے، قمیص آستین تک پھٹی تھی، کپڑے کی سادہ ٹوپی سر پر تھی۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہتے ہیں، دادی میرے کراچی عمدہ کپڑے رکھے ہیں، گوشتہ سے چالیس روپے کی میری قراقلی کی ٹوپی خالد بھائی جان نے بھیجی ہے۔ فکر نہ کر" دادی نے کہا، سفروں میں روپیہ خرچ کر رہے ہو کوئی مکان بن جاتا تو کیا اچھا تھا۔ دادی! مٹی اور گارے پر خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ دین کے لئے خرچ کیا جائے۔ ابھی ہیں مجھے ایسی عجیب عجیب باتیں سناتے ہیں کہ میں نے زندگی بھر نہیں سنی تھیں، کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کچھ پڑھ نہ رہے ہوں، گھر میں داخل ہوتے تو پڑھتے ہوئے داخل ہوتے، باہر جاتے تو پڑھتے ہوئے جاتے۔ میں یہ حال دیکھتی تھی، اور تعجب کرتی تھی۔"

لاہور سے قاری شمس الدین صاحب نے تحریر فرمایا:-

"قرون اولیٰ کے نوجوان شہیدوں سے جا ملنے والا بلند کردار سادہ مزاج عجز و انکساری کی زندہ تصویر پیارا فاروق، دہلی جانے سے پیشتر ہمارے ہاں ٹھہرا، اور چند ہی دنوں میں اپنے بے مثل اخلاص و محبت کی بناء پر سب خورد و کلاں کو اپنے سے ایسا مانوس کر گیا کہ کئی دنوں تک ننھے ننھے بچے بھی مجھ سے اور اپنی امی سے پوچھتے رہے کہ فاروق چچا کب واپس آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ ناچیز پر احسان فرمایا ہے، کہ مجھے اس حال کام میں نکلنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر اس کام کی حقیقت کھلتی ہے۔ کیونکہ حضرت جی کے بار بار کے بیانات اور بڑے حضرات کا فکر کے ساتھ تعلیم وغیرہ کرانا اور خصوصاً عرب کے جماعتوں کی کارگزاری سننے سے بے حد اصول کھلتے ہیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے فکر کے ساتھ طالب بنا کر اس وقت کو گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں، سستی اور غفلت سے معاف فرمائیں، اور یہاں سے بے حد ساتھیوں کو لے کر جانے والا بنائیں، اور اس کو اخلاص کے ساتھ قبول فرمائیں۔ آمین۔

یہاں روزانہ باہر سے نئی جماعتیں آتی ہیں، رات کو ٹھہرتی ہیں، اور صبح ان کی تشکیل کر دی جاتی ہے، اس طرح اکثر روزانہ دو تین جماعتیں چلوں وغیرہ کی نکل جاتی ہیں، واقعی مجھے تو وہی صحابہؓ کا نقشہ جسے تھوڑا بہت کتابوں میں دیکھا ہے وہ یہاں بعینہ عملاً سامنے آرہا ہے، کلکتہ سے ایک جماعت سائیکلوں پر آئی ہوئی ہے، ان کے حالات سن کر خوب لطف آیا، بس حضرت زیادہ کیا عرض کروں، دعاؤں میں یاد فرمائیں، تمام دوستوں، احبابوں کی خدمت میں سلام عرض، خصوصاً بھائی عبدالمجید بھائی عمر صاحب، بھائی شفیق صاحب، بشیر شمسی صاحب، بھائی شہاب الدین تھا ودیگر تمام حضرات کو سلام قبول ہو۔ والسلام

[illegible]

دہلی سے ان کے کئی خطوط موصول ہوئے ہر خط عجیب مضمون کا حامل ہے۔

از عطاء الدین اردیا؟ — ۶۸۹

3/6/56 — جناب والد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ میں بخیریت پہنچ گیا ہوں، اور وقت خوب اچھی طرح سے گذر رہا ہے، اور خوب دل لگ رہا ہے، یہ سب آپ کی دعاؤں کی برکت ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہاں آکر اللہ تعالیٰ نے عجیب عجیب معاملے مجھ عاجز پر کھولے ہیں، مجھ پر کیا ہر اس پر کھلتے ہیں جو بھی طلب کے ساتھ اللہ کے راستے میں نکلتا ہے، یہاں آکر سب سے پہلے تو دین کی قدر پیدا ہوتی ہے، کہ اللہ جل شانہ کا کتنا فضل و کرم ہے کہ ہم کو بغیر کسی قسم کی کوشش کے گھر بیٹھے دین جیسی دولت نصیب فرمائی، اس کے برعکس غیر مسلم جو ہماری طرح انسان ہیں لیکن وہ اس نعمت سے خالی ہیں، حالانکہ وہ عقل کے لحاظ سے اور تمام فانی نعمتوں کے لحاظ سے ہم سے بڑھے ہوئے ہیں، لیکن اس دولت عظمیٰ سے خالی ہیں جو حقیقت میں دولت ہے اور کامیابی ہے، اس پر جتنا اللہ کا شکر کیا جائے کم ہے اور اس شکریے میں اگر اپنی جانوں کو اللہ کے راستے میں اللہ کے کام کو اپنے اندر اور پورے عالم میں پھیلانے کے لئے لگا دیا جائے کم ہے،

حضرت جی نے کامیابی اور ناکامیابی کی حقیقت کو کھولتے ہوئے فرمایا کہ حقیقی کامیابی وہ ہے کہ جس حالت کو انسان اپنے اندر لینے کے لئے جد وجہد کرے وہ اس کو حاصل ہو جائے، اور ہمیشہ باقی رہے، اور اس کے برعکس انسان کو حاصل تو ہو جائے لیکن چند لمحوں کے بعد فنا ہو جائے اسے کامیابی نہیں کہا جائے گا، بلکہ وہ ناکامیابی ہے
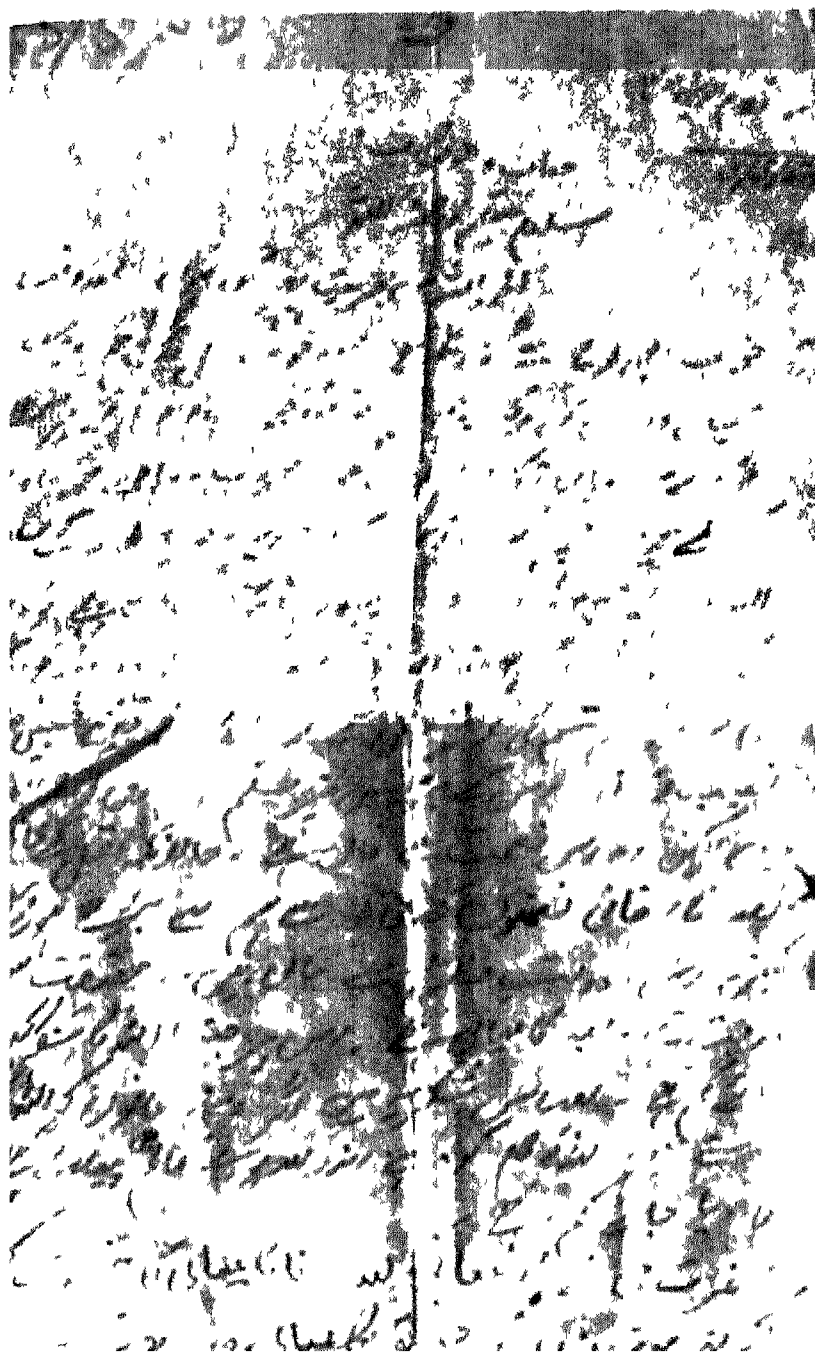
یہی معاملہ صحابۂ کرام رضہ کا تھا کہ انھوں نے اللہ کو راضی کر کے پورے عالم میں ہدایت کے
دروازوں کو کھلوایا تھا، اگر عالم میں ہدایت عام ہوگی تو امن وسکون اور راحت آوے گی،
اور اگر ضلالت کا وجود ہوگا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو پھر ایسے حالات آویں گے جیسے آرہے ہیں
صحت کے متعلق فکر نہ فرمائیں اور سب حالات ٹھیک ہیں، آگرہ جانا نہیں ہو سکتا
کیوں کہ ویزا نہیں ہے، اگر ویزا ہوتا تو ضرور جاتا، انشاءاللہ چلہ پورا ہونے پر حاضر خدمت
ہوں گا، گھر کی خیریت سے نظام الدین کے پتہ پر مطلع فرمائیں، سب کو سلام،
غلطیوں کو معاف فرمائیں، بھائی اقبال صاحب و بھائی بشیر صاحب کو
سلام عرض ہے، دعا کا طالب

آپ کا ناچیز بیٹا، فاروق

میں نے جواب میں یہ الفاظ تحریر کئے:۔

"عزیز فرزند! میں تو بہت گناہگار ہوں، لیکن جس راستہ میں آپنے
یہ قدم نکالے ہیں شاید قیامت کے دن یہ قدم میری نجات کا
باعث ہو جائیں، الآخر"

اس کا جواب اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

از نظام الدین اولیاء باسمہٖ سبحانہ
۲ رمضان المبارک بخدمت جناب والد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں الحمدللہ بخیر و عافیت ہوں، آپ کا

مثلاً ایک مریض نے دوائی لی اور اسے شفا تو ہو گئی، لیکن دوسرے دن اس سے بڑھ چڑھ کر بیماری آ گئی تو وہ کہے گا کہ سستی ہی ہوئی، بس حقیقت یہی ہے کہ اگر ہم جدوجہد کر کے ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی کو حاصل کر لیں گے تو کامیاب ہیں، ورنہ یہ دنیا جو مٹ جانے والی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں، اس پر ہم جان کو کھپا کر ناکامیوں کو حاصل کر رہے ہیں، ایسی حالتوں کو حاصل کر رہے ہیں جو موت کے وقت سب چھن جانے والی ہیں، اس کلام کی حقیقت یہی ہے کہ ہم اپنے اندر ہمیشہ کامیابیوں کو حاصل کرنے کی فکر پیدا کریں، اور اس کے لئے جدوجہد کریں، اس طرح کے بہت سے حضرت جی یہاں فرمایا کرتے ہیں، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہاں اکثر جماعتیں آتی جاتی رہتی ہیں، جس دن میں یہاں پہنچا تو یہاں سے تین جماعتیں گڑھ مکتیشور کی طرف روانہ ہوئیں، اور کل ایک جماعت [illegible] سے آئی ہے، عجیب جذبات ہیں، اور سب جاہل لوگ ہیں، اسی طرح سے ایک جماعت مراد آباد سے اور میوات سے کئی جماعتیں آئی ہیں، اور آج ان کی تشکیل ہو رہی ہے، ان میں سے ایک جماعت ضلع بستی اور ایک ضلع سہارنپور جا رہی ہے، میں انشاء اللہ سہارنپور والی جماعت میں جاؤں گا۔

بس جی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ زندگی اس طریقے سے گذارنا نصیب فرمائیں جس طرح وہ چاہتے ہیں، اصل میں کامیاب وہی ہے جس نے تھوڑے سے عمل سے اپنے رب کو راضی کر لیا، اور عالم میں ہدایت کے دروازوں کو کھلوا لیا، بالکل

قاری داؤد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں نظام الدین میں ایک بچے کو دیکھا جو اجتماعات اور تشکیلوں میں پیش پیش نظر آتا تھا، میں نے دریافت کیا یہ لڑکا کون ہے؟ مجھے معلوم ہوا یہ کراچی کا ہے،

سہارنپور سے ۲۵ رمئی کو واپس نظام الدین آئے، نہایت کمزور اور بیمار تھے قبض کی شدید شکایت تھی، اور جوڑوں کے درد کا آغاز تھا، اپنے اس آخری خط میں بیماری کا ذکر نہیں کرتے، لکھتے ہیں:۔

از نظام الدین ۸۶

۲۶-۵-۵۷ محترم جناب والد صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمد للہ میں یہاں بخیریت ہوں، اور رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وقت خوب اچھی طرح گذر رہا ہے، چاروں طرف سے بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت نصیب ہو رہی ہے، لیکن میں عاجز ان حضرات کی قدر کرنے سے قاصر ہوں، اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں، کل میں سہارنپور سے واپس آیا ہوں، وہاں تقریباً ایک ہفتہ قیام رہا، اس لئے خط بھی نہیں لکھ سکا، وہاں حضرت شیخ الحدیث صاحب سے اختلاط رہا، اور خوب اچھا وقت گذرا، شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے، اس لئے معاملہ اور بھی زیادہ اچھا ہو گیا، ہم حضرت شیخ کے خصوصی مہمانوں میں رہے، اور حضرت نے بڑی شفقت فرمائی، چلتے وقت خوب دعائیں دیں، حقیقت میں ان بزرگوں کو دیکھ کر خداوند تعالیٰ کی ذات کا یقین قوی ہوتا ہے، اور ان کی قدرت سامنے آتی ہے،

جماعت کا موجب رحمت ثابت ہوا، وہ تمام حالات سے آگاہ ہی ہو گی،

آج برادرم احتشام الدین صاحب کی طرف سے ایک سو روپے کا منی آرڈر موصول ہوا،
انھوں نے آگرہ آنے کے لئے بھیجے ہیں، انشاء اللہ عنقریب جاؤں گا، شاید کوئی
جماعت تیار ہو جائے، حالات الحمد للہ بہت اچھے ہیں، جب یہاں نظام الدین مسجد کو
پہنچا تھا، اور تقریباً مہینوں حضرت مولانا کی صحبت میں گذارے، اور اس کے بعد تبلیغ
کے لئے ایک جماعت کے ساتھ دہلی چلا گیا، وہاں خوب کام ہوا، اور کل وہاں سے واپسی
ہوئی ہے، میری صحت کے متعلق فکر نہ کریں، کل ہی ایک جماعت نظام الدین سے پیدل
کلکتہ کے لئے دہلی آئی تھی جسے ہم نے صبح کی نماز کے بعد روانہ کیا، اور دعا میں شرکت کا
موقع حاصل کیا، بہت ہی سہانا موقع تھا، اور خوب انوارات و برکات ظاہر ہو رہے تھے
کچھ لوگ جماعت میں جانے والے تھے، اور کچھ واپس آنے والے، جماعت والے خوب جذبات
لئے ہوئے تھے، جس میں ضعیف بھی تھے جوان بھی تھے، انشاء اللہ ان لوگوں کی قربانیوں
کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہدایت کے دروازوں کو کھولیں گے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
تشریف لائے ہوئے ہیں، آٹھ دس مہینے سے قیام فرما ہیں، اور تبلیغی کام میں خوب سرگرم
کوشش فرما رہے ہیں، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور تعجب سے فرمایا کہ ادھر
یہاں میرے سامنے تشریف فرما ہیں، اور میں نے آپ کا خط ان کی خدمت میں پیش کیا
بہت خوش ہوئے، سب دوستوں کو سلام، والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض
آئندہ پروگرام سے انشاء اللہ مطلع کرتا رہوں گا، دعاؤں میں یاد فرمائیں، والسلام

محمد عمر

بدست حضرت مولانا الحافظ محمد یوسف صاحب مدظلہ

بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی

مکرم و محترم جناب [illegible]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible]

پر اس کی خدمت کر لو، محمود بیان کرتے ہیں کہ اپنی بہنوں اور بھائیوں کو بہت یاد کرتے تھے، ایک ایک کا نام لیتے تھے، غالباً وفات سے ایک دن قبل کہنے لگو محمود پردہ کر لو میری بہنیں آتی ہیں، محمود میرے والد آتے ہیں ان سے مصافحہ کر لو

رب السموات والارض کا یہ مخلص و معصوم جس نے اپنے جسم کو نوع انسانی کے فکر و درد میں گھلا دیا تھا جس نے ماں جیسی محبت کو قربان کیا، بھائیوں اور بہنوں سے اس لئے زیادہ محبت نہیں کی کہ کہیں یہ دین کی محبت کے تقاضوں پر غالب نہ آجائے، وہ جس نے انسانی زندگی کی ستر بہاریں بھی پوری نہیں دیکھیں آج کسی اونچی ارادت و نسبت کو لئے ہوئے پردیس کی موت کو منتخب کیا ہے،

۱۳ جون ۱۹۵۴ء دن کے دس بجے کا وقت وہ جو دنیا میں ..... والدین کی تمناؤں اور آسائشوں کا ذمہ دار تھا، اخروی آسائشوں کی بشارت دیتا ہوا ابدی حیات کے اعلیٰ مقام کو پہنچ گیا، اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عِبَادًا عَرَفُوْهُ بِيَقِيْنٍ مِنْ مَعْرِفَتِهِ فَشَمَّرُوْا قَصْدًا اِلَيْهِ احْتَمَلُوْا فِيْهِ الْمَصَائِبَ لِمَا يَرْجُوْنَ عِنْدَهُ مِنَ الرَّغَائِبِ، الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ بَاعُوْا وَتَحَمَّلُوْا فِيْهَا الطُّوْلَ الْاَحْزَانِ فَمَا نَظَرُوْا اِلَيْهَا بِعَيْنِ رَاغِبٍ وَمَا تَزَوَّدُوْا مِنْهَا اِلَّا كَزَادِ الرَّاكِبِ خَافُوا الْبَيَاتَ فَاَسْرَعُوْا وَرَجَوُا النَّجَاةَ، یعنی بے شک اللہ کے مقبول بندوں کے احوال ایسے ہی ہوتے ہیں، اللہ رب العزت کو اس کی معرفت سے پہچانتے ہیں اور اس کے پاس جانے کے لئے دامن ہمت سمیٹتے ہیں، اس کی طلب میں اس امید پر مصائب و آلام

اے! خدا کی زمین میں شاہد بن کر آنیوالے صحابِ رسول تم نے انتم شہداء اللہ

برداشت کرتے ہیں کہ اس کے دل مرعوب اشیاء ہیں، دنیا سے کچھ غم لیتے ہیں
اور انتہا درجہ کی تکلیف سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ — تو کبھی دنیا کی طرف رغبت کی ہو
کی اور نہ اس سے ایک مسافر سواری کے توشہ سے زائد کچھ لیا۔ نجات کی امید میں ثابت قدم
رہے، اور یہاں شب گزاری اور قیام کرنے سے خائف ہو کر جلدی جلدی چل دیے۔

شیخ نیاز الدین صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:۔

۱۸۹

السلام علیکم۔

امید ہے کہ سینچو والا پیکٹ امن مل گیا ہوگا۔ بڑے ہی رنج و غم کے ساتھ
لکھنا پڑتا ہے کہ برخوردار میاں فاروق عزیز بروز سنیچر مورخہ ۱۲ جون ۱۹۹۳ء بوقت
دس بجے دن اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان
کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

میں تقریباً دو گھنٹہ بعد دھنگل پہنچا، لوگ دفنا کر واپس آ گئے تھے۔ یہ دل ہلا
دینے والی خبر سن کر دل کو از حد رنج و صدمہ ہوا، اسی رات کو میں ٹرین سے آ کر واپس گیا، محمد
والد امتیاز الدین اور دیگر لوگوں و تمام جماعت والوں نے یہ المناک خبر سنی تو از حد
صدمہ ہوا۔ دھنگل جانے پر معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن صبح کو عزیز فاروق اپنی چارپائی سے
ہی اٹھے، اور محمود سے کہا آج میری طبیعت بہت اچھی ہے، دو چار قدم مجھے برآمدہ
میں ٹہلا دو، لہٰذا دو چار قدم ٹہلے، اور پھر آن کر اپنی چارپائی پر لیٹ گئے، محمود سے کہا